بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات

آل عمران: ۷

دروس القرآن الحکیم

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

مرتبہ عبد الغنی عفا اللہ عنہ

جلد ہشتم

مکتبہ شمس الحق افغانی
شاہی بازار، بہاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات

آل عمران : ۷

دروس القرآن الحکیم

شیخ الاسلام محقق العصر حضرۃ علامہ سید شمس الحق افغانی

مرتبہ

عبدالغنی عفا اللہ عنہ

جلد ہشتم

مکتبہ شمس الحق افغانی

شاہی بازار ، بہاولپور

نام کتاب .... دروس القرآن الحکیم جلد ہشتم

افادات .... حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی

مرتبہ .... عبدالغنی عفا اللہ عنہ

کمپیوٹر کمپوزنگ .... محمد ذکاء الحسن بہاول پور

- موبائل: 0321-6804318

مطبع ....

قیمت ....

فہرست

فہرست

عرضِ حال

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (دروس القرآن الحکیم جلد ہشتم) چھپ چکی ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ جلد ہشتم (۳۴) دروس پر مشتمل ہے۔ جس میں دنیا وآخرت کے اہم مضامین پر بیان ہیں مثلاً روح اور بدن کا تعلق۔ دنیا، برزخ اور آخرت میں کیا ہوگا وغیرہ ان قیمتی دروس کا خود بھی مطالعہ فرماویں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی ان کے مطالعہ کی ترغیب فرماویں۔ جزاکم اللہ

بندہ عبدالغنی عفا اللہ عنہ

۱۹۔ اگست ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس نمبر۱ (جلد ہشتم)

اتوار۱۸جون ۱۹۶۷ء

عرب قبل القرآن و بعد القرآن

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

قرآن کے سلسلہ میں اس کی معجزانہ شان کو بیان کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عرب قبل القرآن و عرب بعد القرآن کا موازنہ کیا جائے کہ قرآن نے کیا تبدیلی پیدا کی تھوڑے سے عرصہ میں۔ حالانکہ بڑی بڑی قومیں یہود و نصاریٰ اور مشرکین یہ سب قرآن کے ماننے والوں کے دشمن تھے مگر مسلمانوں نے قرآن کی طاقت سے فتح پائی اور یہود تو خود مدینہ طیبہ میں پہلے سے بھی تھے اور بہت تعداد میں تھے۔ قرآن کے ماننے والوں کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی کیونکہ مسلمان قرآن پر پختہ تھے قرآن نے یہود کے متعلق کہا ہے کہ اقوام عالم میں یہ ایک نرالی قوم ہے۔ باوجود اس بات کے کہ جس طرح قرآن میں ذکر ہے کہ یہ ایک پیغمبر حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہے اور اس کے ماسوا کسی قوم میں چار ہزار نبی نہیں آئے۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت یوشعؑ، حضرت ہارونؑ انہیں میں آئے ہیں اور کسی قوم کے نبی ان کے نبیوں کے برابر معجزے نہیں لائے۔ مصر سے نکلنے کے بعد میدان تیہہ میں بڑے عرصے تک پریشان رہے۔ دھوپ

میں بادل آکر سایہ کرتے اور کھانا من وسلوٰی تھا۔ اور پانی تو پتھر پر موسیٰؑ ڈنڈا مار کر نکالتے تھے۔ من۔ ایک میٹھی چیز ہوتی تھی جو سوہن حلوہ سے بھی لذیذ ہوتی تھی۔ یبنی اسرائیل اذکرو نعمتی التی ۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کو یاد کرو۔ جو میں نے تم پر انعام کیں۔ یہ قوم انعامات الٰہیہ میں بھی ممتاز تھی اور اللہ تعالیٰ کی بغاوت میں بھی اور سرکشی میں بھی ممتاز تھی۔ تمام امتوں میں یہ رہا ہے کہ پیغمبر نے بس اتنا فرمایا کہ اللہ کا حکم ہے بس امت نے مان لیا۔ یہ یہود حضرت موسیٰؑ کو پیغمبر مانتے تھے مگر جب کتاب لائے تو کہا کہ خود خدا کہے تو پھر مانیں گے۔

تو انہیں طور پر لے گئے اللہ نے آواز دی کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ پھر انکار کیا کہ اللہ خود سامنے آئے۔

حتی نری اللہ جھرۃ ۔ کہ ہم اللہ کو ظاہری طور پر دیکھیں۔ تو اللہ کا عذاب بھی آیا ایک سخت آواز آئی اور سب مر گئے۔ یہ اللہ کی بے ادبی کی وجہ سے ہوئی۔ جب کبھی یہ یہود غریب ہو جاتے تھے کہتے تھے (معاذ اللہ) کہ اللہ کے کنجوسی کی وجہ سے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ بل یداہ مبسوطتن۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ وقالت الیھود یداللہ مغلولۃ ۔ یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ پیغمبر نے فرمایا۔ پھر خدا نے کہا مگر نہ مانے کہتے تھے کہ خدا سامنے آئے۔ حضرت موسیٰؑ تنہائی میں غسل کرتے تھے تو انہیں پیغمبرؑ ماننے کے باوجود عیب لگایا کہ آپؑ جو علیحدہ نہاتے ہیں آپ کو ٹل پہاڑ کی تکلیف ہے۔ تو یہ شان نبوت میں گستاخی ہے۔ دوسری گستاخی یہ کہ پیغمبر ماننے کے باوجود ایک خوبصورت عورت کو بہت رقم دیکر یہ الزام لگوایا

کہ موسیٰ نے (نعوذ باللہ) مجھ سے زنا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ میں اس خدا کا نام لیکر کہتا ہوں کہ سیدھی بات بتلاؤ۔ تو کہا کہ آپ تو مقدس ہستی ہیں انہوں نے مجھے رقم دی ہے۔

لتجدن اشدالناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکو ۔ کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہود کو پائیں گے یا مشرکین کو۔

اشد کا لفظ بتلاتا ہے کہ سب کافر دشمن ہیں مگر یہ بڑے دشمن ہیں۔ اب ایسی گستاخ بلائیں موجود تھیں تو قرآن آیا اور قرآن والوں نے ایمانی طاقت و یقین کے ساتھ مقابلہ کیا اور فتح پائی۔

لایقاتلونکم الا فی قری محصنۃٍ اومن ورآء جدر باسھم بینھم شدید ۔ یہود کی طاقت نہیں کہ کھلے میدان میں تمہارے سامنے آکر لڑیں مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیوار کے پیچھے سے۔ **قلوبھم شتی** ۔ (وہ جنگجو ہیں آپس کی لڑائی میں) **تحسیھم جمیعا و قلوبھم شتی** ۔ تم خیال کرو گے کہ وہ اکٹھے ہیں (متحد ہیں) حالانکہ ان کے قلوب منتشر ہیں۔ (وہ جنگجو ہیں آپس کی لڑائی میں) میں اب بھی کہتا ہوں کہ کافر اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب قرآن کے اصول پر چلتا ہے اور مسلمان قرآن کو چھوڑے تو شکست کھاتا ہے۔ **واعدوالھم ماستطعم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ وعدو کم** ۔ کہ تمام کفار پر جس قدر غلبہ کرنے کی قوت ضروری ہے اتنی ہی پالو کہ تمام کافر تمہارے سامان جنگ کو سن کر

ڈر جائیں۔

قرآن کے منکروں نے اس آیت کے تحت ۱۹ سال میں کتنا سامان جنگ بنایا۔ اور عرب تو سینکڑوں سال سے چلا آرہا ہے اور پٹرول اور اس کے پاس سونا چاندی کی دولت بھی ہے مگر سامان جنگ نہیں۔ تو قرآن کے اصول جنگ پر تو یہود نے عمل کیا۔ گو ایمان نہ تھا مگر اس قانون جنگ پر عمل کر کے فتح پائی بلکہ زوال ملت اسلامیہ اس قانون کے تحت ہوا۔ عیسائی کی تعلیم میں ہے کہ تمہارے دایاں رخسار پر جو تھپڑ مارے اسے بایاں رخسار بھی پیش کر دو۔ اگر کوئی چغہ اتارے تو اسے قمیص بھی پیش کر دو۔ مطلب یہ کہ جنگ نہ لڑو۔ جب اندلس فتح ہوا تو انگریز حیران ہوئے کہ کیا وجہ ہے مسلمان چھا رہے ہیں تو انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان قرآن کے قانون جنگ کو اپنا رہے ہیں۔ واعدوا لهم ما استطعتم ۔(دشمن کے لیے طاقت تیار رکھو) تو پھر انگریزوں نے قرآن کے قانون جنگ کو اپنا لیا تو فتح پائی۔ اور مسلمانوں نے قرآن کے قانون جنگ کو چھوڑا تو شکست کھائی۔ قرآن کا ایک عاملانہ انداز ہے اور ایک ایمان کی روح سے ماننا ہے۔ تو کافروں نے باوجود کافر ہونے کے قرآن کے قانون کو اپنایا تو کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد قوت کے علاوہ مفتی اعظم فلسطین نے کہا کہ مسلمان اسلام نہ سمجھنے کی وجہ سے مغلوب ہوئے۔

آج سٹیج پر بہت تقریریں ہوتی ہیں کیا کبھی کسی نے یہ بھی کہا کہ اگر ایک مسلمان سلطنت دس ٹینک بنانے کی استطاعت رکھتا ہے اور اس نے غفلت کی وجہ سے ایک کم بنایا تو سب گناہگار ہیں قیامت میں جواب طلبی ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ میری امت میں ایک وقت آئے گا کہ چند رسموں کے علاوہ اسلام گم ہو جائے گا۔ سامان حرب اس زمانہ میں تو صرف تلوار وغیرہ تھی۔ قرآن کہتا ہے کہ تلوار نماز کے وقت بھی ساتھ ہو۔

وان کنتم مرضیٰ او علی سفر۔ اگر تم مریض ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو تلوار نیچے رکھ کر نماز پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔ دیکھو ہتھیار کی کتنی اہمیت ہے کہ نماز کی حالت میں بھی حکم ہے کہ تلوار ساتھ رہے لیکن آج تو یورپ سے لوگوں نے سب برائیاں لیں اور ان کی جو خوبی ہے اور خوبی بھی قرآن کی وہ نہ لی۔

دوسری خوبی ناقابل شکست جو قرآن نے دی وہ وحدت کی تعلیم دی کہ تم ایک ہو جاؤ۔ قوت کے ساتھ وحدت کا سبق دیا مسلمانوں نے دور اول میں اسے اپنایا اور شرق وغرب میں دشمنان اسلام کو روند ڈالا۔

لیکن اب یہ حال ہے کہ جمال الدین افغانیؒ کا مقولہ ہے اتفق المؤمن ان لا ینفقوا۔ کہ مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اتفاق نہیں کریں گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ تہذیب وتمدن سے معاملہ بدل جاتا ہے۔ دیکھو ہمارے پشاور میں ایک اعوان قوم ہے جو پنجابی قوم ہے مگر پنجابی جانتے نہیں صرف پشتو جانتے ہیں دیکھو اصل میں تو پنجابی ہیں مگر بولیں گے پشتو۔

اسرائیل کے یہود میں کچھ جرمنی کے ہیں کچھ فرانس کے اور کچھ کینیڈا وغیرہ کے ہیں اور کچھ عرب میں رہتے تھے تو حقیقت میں ان سب کا طریقہ وتہذیب وتمدن مختلف ہے مگر فرض یہ کر رکھا ہے کہ عربوں کو شکست دینی ہے۔ تو پوری قوم متوجہ ہوئی اور

یہ نتیجہ ہوا جو آج مصر میں دیکھا۔ اور نتیجہ ایسا کہ اس کی دنیا میں نظیر نہیں۔

اسرائیل صرف ۲۵ لاکھ یا اس سے کچھ زائد ہیں اور ان کے ملک کا رقبہ شاید بہاول پور کی ریاست کے برابر ہوگا۔ مگر صرف تین دن میں عرب جیسی قوم نے شکست کھائی۔ دیکھو ویٹ نام میں جو چھوٹی سی حکومت ہے وہ امریکہ کو براہ راست خراب کر رہی ہے اور یہاں برسوں سے ۱۲ کروڑ عوام صرف ۲۵ لاکھ کی قوم یہود سے ذلیل ہو رہی ہے۔ جس طرح اردن والے لڑے کہتے ہیں کہ ہوائی جہاز کے سامنے گوشت کھڑے کئے یہود نے ہمارے جہاز اور اڈہ برباد کردیا یہ یہود کی غلطی ہے یا تمہاری؟ پھر بھی میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ شکست عارضی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سبق ہے انشاء اللہ فتح عرب کی ہوگی یہود کامیاب نہ ہونگے۔ جو حادثہ آتا ہے وہ درس عبرت ہوتا ہے۔ دھر میں جو حوادث آئے ہیں وہ سب مکتب ہیں گویا مسلمانوں کے لیے سبق ہے۔

آج تو بس کرسی ہو اور تنخواہ ہو بس ہم مولوی کے پاس نہیں آتے جاتے تو تم کرو جو کچھ کرتے ہو وقت آئے گا پس جاؤ گے۔ یہ پاکستان تمہیں اس قرآن کے بدلے ملا ہے۔ اور یہ تنخواہ تمہیں اس قرآن کے بدلے مل رہی ہے تو تمہیں چاہیے کہ اس قرآن کو اپناؤ۔ یہ مصر والا حادثہ عجیب ہے کہ پہلے تو مسلمان کم تعداد میں ہونے کے باوجود بھی فتح پاتے تھے مگر اب کثرت تعداد کے باوجود شکست کھائی ہے۔

جب مسلمانوں نے قیصر روم کو فتح کیا تو وہ کہنے لگے کہ عرب قوم کو تو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ پھر اس نے کہا کہ کوئی عرب قیدی ہو تو میرے پاس لاؤ تو ایک قیدی کو

لایا گیا اسے حاکم وقت نے کہا کہ اگر تم آج جنگ میں نہ آتے تو گرفتار نہ ہوتے اور آرام سے گھر میں بیٹھتے۔اس نے جواب دیا کہ اگر میری جان کوے نوچ لیں تو میں جنت میں چلا جاتا۔

اکبرالہ آبادی نے کہا

جو دیکھی ہسٹری تو اس بات پر کامل یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

تو اس قیدی سے کہا کہ اگر تم صرف اتنا کہدو کہ عیسائیوں کے ساتھ جو جنگ لڑی ہے یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا تو ہم تمہیں یہ روم کی سلطنت دیدیتے ہیں۔تو اس قیدی کی آنکھیں سرخ ہوگئیں تو کہا پوری دنیا میرے ہاتھ پر رکھ دو تو میں قرآن سے مایوس نہیں ہوتا۔

اس قیدی سے امیرالمؤمنین کے بارے میں پوچھا کہ تمہارے امیر کیسے ہیں؟ کہا امیرنا لایخدع ولا یخدع۔کہ ہمارا امیر نہ دھوکہ دیتا ہے اور نہ دھوکہ کھاتا ہے۔تو اس جواب پر قیصر روم نے کہا کہ یہ امیرالمومنین کبھی شکست نہیں کھائے گا کیونکہ دھوکہ دیتا نہیں اس کا دین کامل ہے اور دھوکہ کھاتا نہیں اس کی عقل بھی کامل ہے ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے امیر بخارا کے پاس بڑی دولت تھی جو امیر تیمور کے زمانہ کی پڑی تھی تو لوگوں نے کہا کہ اس دولت کا اسلحہ خرید لو شاید روس حملہ کردے اس وقت آج کی طرح کچھ نہ کچھ مولوی بھی تھے کہا لا تعذبوا بعذاب اللہ۔کہ آگ تو اللہ کا عذاب ہے آگ سے عذاب نہ دو اور ان ہتھیاروں سے آگ نکلتی ہے۔یہ تھے جاہل مولوی۔بس روس نے بخارا فتح کیا اور تین مہینہ تک ٹرک بھر بھر کر دولت ماسکو پہنچتا رہا۔

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدیٰ علیه۔جس سامان سے دشمن لڑے اس

سامان سے تم بھی لڑو۔

روس کے صدر نے بخارا کے علماء کو خط لکھا کہ شراب کی عادت ہے کیا میں مسلمان ہوکر شراب پی سکتا ہوں؟ علماء نے جواب دیا نہیں تو وہ اسلام نہ لایا یہ خبر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پہنچی فرمایا کہ علماء نے غلط کہا ہے میں تو کہتا ایمان لاؤ شراب کو حرام سمجھ کر پی لو اور آئندہ رفتہ رفتہ چھوڑنے کی تدبیریں شروع کردو۔

تو دوسری چیز قرآن نے وحدت پیش کی۔ قرآن سے پہلے عرب ایک عدوات کا خارستان تھا اور نسلی تفوقات تھے قرآن نے آکر وحدت پیش کی کہ باپ کا قاتل ہے تو صف اسلام میں دوش بدوش کھڑے ہیں۔ آج تو عوام میں بھی لڑائی ہے اور مولوی میں بھی لڑائی ہے۔ آج عیسائی، ہندو اور یہود کی وحدت کو دیکھو ان میں کوئی اصولی اختلاف نہیں۔ عیسائیوں میں فرقے ہیں۔ یہود میں بھی پہلے ۷۲ فرقے تھے آج بھی ۳۳ فرقے ہیں اور اصولی اختلاف ہے مگر ایک ہیں۔ اور ہمارا اصولی اختلاف بھی نہیں مگر سٹیج پر کھڑے ہوکر ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں۔

کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر.........................

اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

دیکھ مسجد میں شکستہ رشتہ تسبیح شیخ

بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى ۔ کہ وہ ایک نہیں بظاہر تو ایک ہیں مگر درحقیقت جدا ہیں آج یہ صفت ہمارے اندر آرہی ہے۔ مسٹر ہلتی نے ایک کتاب لکھی

ہے لکھتا ہے کہ اختلاف کا مرض مسلمان سے نہ جائے گا۔ بات یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ بعض تعلیم یافتہ نہیں ہوتے مگر اللہ کا نور ہوتا ہے۔

کیونکہ تقسیم تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دو دیہاتی آئے آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک نے کہا کہ مسلمان ذلیل ہو گئے تو دوسرا کہتا ہے کہ اس ذلت سے کیسے نکلیں گے کہ بس اپنی تو یہ رائے ہے کہ مسلمان ایک ہوں اور نیک ہوں مگر مسلمانوں نے حلف اٹھا رکھا ہے کہ ایک نہیں ہونا۔

حجتہ الوداع کے خطبہ میں فرمایا آج کا دن مکہ معظّمہ جیسا مقدس ہے۔ مسلمان کے خون اور عزت اور مال کو محفوظ رکھو۔ جامع صغیر کی حدیث ہے کہ ایک مسلمان کو قتل کرنا کعبہ کے گرانے سے بھی زیادہ ہے (کعبہ تو بعد میں بھی بن سکتا ہے مگر جان تو واپس نہیں آسکتی)۔ لاترجعو البعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔ میرے بعد کفار نہ بن جانا کہ تمہارے بعض اپنے بعض کی گردن مارا کریں۔

قرآن میں ہے لایسخر قوم من قوم ۔ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو عورت عورت کا مذاق نہ اڑایا کرے ممکن ہے کہ وہ تم سے اللہ کے ہاں اچھی ہو۔

ولا تلمزوا انفسکم ولاتنابزوا بالالقاب ۔ اور تم عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے کو بُرے نام سے پکارا نہ کرو۔

یاایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ۔ اے ایمان والو بہت سی بدگمانی سے بچو۔ بیشک بعض بدگمانی گناہ کا موجب بن

جاتی ہے۔

بدگمانی اور بُرے نام سے پکارنا وغیرہ سب کو منع ہے۔ ہم میں یا عرب میں کچھ خامیاں تھیں تو اللہ نے۔ اس شکست سے سبق دلایا۔ تو ایک یہ کہ سامان جنگ کی تیاری یا خریداری سے غفلت نہ برتی جائے۔ دوم اتحاد ہو صرف عرب کا اتحاد نہ بلکہ اتحاد عالم اسلام ہو۔ آج قومیت کی وجہ س انتشار ہے کہ ہم پاکستانی اور ہم افغانستانی وغیرہ ہیں۔ قومیت بھی ایک حد تک اچھی چیز ہے مگر اس کو اتحاد اسلامی کے لیے رکاوٹ نہ بناؤ۔

بظاہر تو یہ عارضی شکست ہوئی لیکن عرب کو سبق ملا کہ آئندہ عیاشی نہیں کرو گے۔ تو کبھی کبھی خدا دشمن سے بھی کام لیتا ہے یہ نہیں کہ یہود اللہ کے مقبول ہو گئے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانویؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں جگہ مسلمان کفار سے ناکامیاب رہے۔ فرمایا کفار خدا کی مخلوق ہیں اور دفاعی صورت میں وہ منشاء خدا پورا کررہے ہیں اپنی جنگی صلاحیت اچھی بنا رکھی ہے تو گو انہیں ایمان نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں کچھ نہیں ملے گا مگر دنیا میں چونکہ محنت کررہے ہیں اس لیے انہیں کامیابی ہوئی۔

وقضينا الى بنى اسرائيل فى الكتب لتفسدون فى الارض مرتين ولتعلن علواً كبيرا ۔اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ملک میں دو بار خرابی کرو گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ کہ تم دو بار سرکشی کرو گے اور دو بار ہم تم کو ہتھوڑا سے چٹنی بنائیں گے۔

فاذا جاء وعدالولیھما بعثنا علیکم ۔پھر آیا جب پہلا وعدہ ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے۔

اس وقت بخت نصر مسلط ہوااور عراقی قوم کافرتھی ان کواللہ نے حکم دیا کہ ان پرحملہ کروتوانہوں نے اپنے حملے میں بیت المقدس کی مسجد کواجاڑااورانہیں قتل کیااور جو کچھ رہ گئے تھے انہیں عراق لے گئے۔

تواللہ نے فرمایافاذا جاء وعداولیھما۔پھر جب آیا پہلا وعدہ ہم نے تم پر اپنے بندے بھیجے۔

اس وقت مسلمان بدعمل تھے۔بعثنا علیکم عبادالنا اولی بأس شدید۔سخت لڑائی والے۔توکبھی کبھی خدادشمن سے بھی کام لیتا ہے۔یہاں کافر سے کام لیا۔کہ وہ اس وقت کافر ہیں لیکن میرے بندے تو ہیں وہ میرا کام کرر ہے ہیں۔ اولی باسٔ شدید۔کہ وہ سخت جنگ لڑنے والی قوم ہوگی۔

فجاسواخلال الدیار ۔وہ ایک ایک گھر میں قتل کرنے کے لیے گھس گئے۔شہروں میں پھیل گئے۔وکان وعدا مفعولا۔اوراللہ کا وعدہ پورا ہوگیا۔وہ وعدہ پوراہوناہی تھا۔

ایسی تباہی مچائی کہ یہوذکوتباہ وبرباد کرکے رکھ دیا۔

اس آیت نے یہ ضابطہ دیا کہ جب مسلمان دین کے راستہ سے ہٹ جائے تو اللہ پھر کافر کے ہاتھوں پٹواتا ہے۔

درس نمبر۲

جمعتہ المبارک ۲۳ جون ۱۹۶۷ء

تعارفِ سابقہ

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

نبوت کا مسئلہ بیان ہو رہا تھا اس کی دو دلیلیں تغلب سیاسی وغیرہ قبل بیان ہوئی ہیں آج تیسری چیز کو بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جس کا نام ہے حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق تعارف سابقہ۔ پیغمبر ﷺ کی ہستی ایک عظیم الشان ہستی ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی آمد سے قبل مختلف رہنماؤں کے ذریعے اس کی پہچان کا اعلان موجود ہو اس معاملہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کا مقام بہت بلند ہے۔ اس طرح تو نبوت نہیں چلتی کہ ایک آدمی آ کر کہہ دے کہ میں نبی ہوں اور گپیں ہانکتا رہے۔ تو حضرت موسیٰؑ نے حضور نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے تقریباً تین ہزار سال قبل اپنی امت میں خدا کے حکم سے تورات میں اعلان کیا۔

اگرچہ یہودیوں نے اس قسم کے اعلانات کا ایک ایک حرف اپنی کتاب سے نکال ڈالا۔ مگر یہ حضور نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے کہ اب تک بھی کچھ بچ گئی ہیں۔ چنانچہ تورات استثناء کے باب ۱۸ میں حضرت موسیٰؑ اعلان فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک پیغمبر مبعوث کرونگا۔ بھائی سے مراد عرب

ہیں۔(حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کی اولاد عرب اور ایک بیٹے کی اولاد اسرائیل ہین)اور اس کتاب میں لکھا ہے کہ اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا بغیر قرآن کے لفظ اور مضمون اللہ کے ہیں۔اور وہ پیغمبر فاران سے نمودار ہوگا اور دس ہزار پاک لوگوں سے آئیں گے۔(جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مکہ فتح کیا تھا تو صحابہ کرامؓ دس ہزار تھے)اس سے بڑھ کر عظمت کے لیے اور کیا ہو کہ عرب میں حضور نبی کریم ﷺ کے سوا اور کوئی پیغمبر نہیں آئے۔

حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں چار ہزار نبی آئے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں صرف حضور نبی کریم ﷺ ہیں پھر فاران بھی مکہ میں ہے اور پھر دس ہزار ٹھیک تعداد بھی بتلادی۔

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے دادا حضرت ابراہیمؑ نے آپ ﷺ کی آمد کا اعلان فرمایا۔**ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایتک**۔کہ میں نے مکہ میں کعبہ تو بنایا تو ان ہی میں سے ایک نبی پیدا کر جو ان کو سیدھا راستہ دے اور قرآن وحدیث سکھائے۔یہ دعاء قبول ہوئی۔حدیث میں ہے۔**انا دعوۃ الی ابراھیم**۔حضور نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔

حضرت داؤدؑ صاحب کتاب ہیں۔زبور کے باب ۲۸ میں فرماتے ہیں کہ میں آخری پیغمبر جو بھیجوں گا تو الفاظ یہ ہیں(کہ ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا) یعنی تو سارے انسانوں کا پیغمبر ہوگا۔یہ شان صرف حضرت نبی کریم ﷺ کی ہے۔

وما ارسلنک الا کافۃ للناس۔ کہ تمام اولاد آدم کا پیغمبر ہوگا۔لوگ ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گے۔معلوم ہوگیا کہ آپ ﷺ قیامت تک نبی ہیں۔

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے فرزند ہیں۔ایک صحیفہ ہے غزل الغزلات نامی اس میں ہے کہ (اللہ مجھے کہتا ہے کہ میرا محبوب گندم گون ہے) اور حضور نبی کریم ﷺ گندم گوں رنگ کے تھے۔آگے عبرانی لفظ ہے (وکل محمد ین) کہ وہ بعینہ محمد ﷺ ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی انجیل میں یوحنا باب ۱۶ میں دیکھیں کہ وہ اپنی قوم کو فرماتے ہیں کہ (اگر میں نہ جاؤں تو تمہارے پاس تسلی دینے والا نہ آئے گا) مطلب یہ کہ میں جاؤں گا تو وہ آئیں گے۔(وہ ایسی ذات ہیں کہ مجھ میں اس کا کچھ نہیں) یعنی ان کے کمالات مجھ میں نہیں۔

(اس کے بعد میں تم سے کوئی کلام نہیں کرونگا) یعنی دوبارہ جب عیسیٰؑ آئیں گے تو ان کا قانون نہ چلے گا۔اس کے بعد یہ فقرہ۔(کہ دنیا کا رہنما آنے والا ہے) حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق یہ تو آسمانی کتابوں کے حوالہ جات تھے۔غیر آسمانی کتاب۔ہندوؤں کی ایک کتاب ہے۔(بھونک اتر پران۔) ہندو اسے قرآن کی طرح مقدس جانتے ہیں اس میں بیاسی جی کہتے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں مہاوت پیدا ہونگے۔

اتھروید ہندو کی عبارت (جنم بے کن پراب نیوتی تو جپے نام محمدم) کہ اگر تو ہمیشہ کی زندگی جنت میں چاہتا ہے تو محمد ﷺ کا نام لو۔بس اس سے زیادہ تفصیل کی

ضرورت نہیں کیونکہ یہ عوام الناس کا درس ہے۔ یہ تعارف کتب سماویہ اور غیر سماویہ تھا اب تعارف ذاتیہ اور تعارف صحابیہ بیان کرتا ہوں۔

اب تو قلم اور کتاب وغیرہ ہیں مگر حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہ کاغذ نہ قلم نہ کتاب نہ چھاپہ خانہ تھے لیکن یہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان ہے کہ انگریز بھی اقرار کرتے ہیں کہ اگر ذاتی طور پر بھی باقی نبیوں سے موازنہ کیا جائے تو آپ ﷺ کی ذات اقدس کا تعارف زائد اور پختہ ملے گا۔ باقی انبیاءؑ کا نسب لیں تو صرف ان کے باپ کا نام ہوگا مگر حضور نبی کریم ﷺ کا نسب نامہ بخاری شریف میں معد ابن عدنان تک موجود ہے اور یہ نسب نامہ بیسویں پشت تک جاتا ہے پھر معد ابن عدنان سے حضرت اسمعیلؑ تک پہنچتا ہے یہ تیس پشتیں بنتی ہیں۔ تو کل پچاس پشتیں بنیں۔ تو حضور نبی کریم ﷺ کے ۵۱ واسطوں سے حضرت ابراہیمؑ دادا ہیں۔

مذاہب الدنیا کتاب میں حضرت آدمؑ تک نسب نامہ پہنچایا ہے۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ حضرت ہاشم تک تمام مسلمانوں کو نسب نامہ یاد کرنا فرض ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔ دیکھو پہلے زمانے میں عبدشمس وغیرہ نام ہوتے تھے مگر آپ کے بزرگوں میں کسی بت وغیرہ کا نام نہیں۔ اور انبیاءؑ سب پاک ہیں لیکن اس درجہ کا کسی کا نسب نامہ محفوظ نہیں۔ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ عیسائی قوم کھوج لگانے میں ماہر ہیں۔ مگر انہیں حضرت عیسیٰؑ کی تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں۔ خود عیسائی انکار کرتے ہیں کہ ۲۵ دسمبر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا دن نہیں کیونکہ اس سے پہلے چھ جنوری کا دن تھا۔ جب قسطنطنیہ کا بادشاہ عیسائی ہوا تو اس نے عید ۲۵ دسمبر کو

شروع کی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی ایک ایک چیز محفوظ ہے مثلاً سال دن وغیرہ محفوظ ہیں۔ آپ کا سال پیدائش ۵۷۱ء ہے اس زمانہ میں واقعہ فیل ہوا اس واقعہ سے تاریخیں مرتب ہوتی تھیں۔ یمن میں کلیس نامی ایک مصنوعی کعبہ بنایا گیا اور لوگوں کو اس پر حج کرنے کے لیے مجبور کیا تو تمام عرب میں اعلان کیا کہ کعبہ حجازیہ کے علاوہ اب کعبہ یمانیہ کا حج ہوگا۔ اس وقت عرب مسلمان تو نہ تھے مگر کعبۃ اللہ کی عظمت تھی اس اعلان کے بعد کسی عرب باشندہ نے اسے آگ لگادی تو عیسائی حکمران نے ساٹھ ہزار کی تعداد میں لشکر روانہ کیا جس میں ہاتھی بھی تھے ابھی تک حضور نبی کریم ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ یہ بھی اظہار تھا کہ کسی اہم شخصیت کا ظہور ہونے والا ہے یہ لشکر منیٰ میں پہنچ گیا۔ ہاتھیوں نے آگے جانے سے انکار کیا۔ دوسرے رخ پر پھیرتے تو خوب دوڑتے اور اگر کعبہ کے رخ پر لے جاتے تو لیٹ جاتے۔ حضرت عبدالمطلب کے اونٹ اس کے فوجی پکڑ کر لے گئے تو حضرت عبدالمطلب عیسائی ابرہہ اعرشم کے پاس گئے تو دیکھتے ہی اس پر ایسی ہیبت پڑی کہ ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور اونٹ حوالے کر دیئے۔

تو ابرہہ نے کہا کہ جب آپ پہلے آئے تو میرے دل میں بڑی عظمت تھی مگر جب اپنے اونٹ مانگے تو میرے دل میں آپ کی عظمت کم ہوگئی آپ نے کعبہ کا نام تو لیا نہیں۔ فرمایا انا رب الابل وان لبیت اللہ رباً سیمنعه۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں کعبہ کا مالک اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ خود حفاظت کرے گا۔ تو جدہ کی جانب سے چھوٹے چھوٹے پرندے جن کے پاس تین کنکریاں ہیں یہ پرندے آتے ہوئے

ابرہہ نے بھی دیکھے۔انہوں نے آ کر فوج پر کنکریاں چھوڑ دیں تو کنکریاں لگنے کے ساتھ بدن کے چاہے ہاتھی ہی کیوں نہ ہو ریزے ریزے ہو گئے۔دو آمی بچ گئے ایک ابرہہ اور ایک قاصد جو واپس جا کر حاکم کو حال دے۔پھر ابرہہ کا حال یہ ہوا کہ یمن جا کر اس کا قلب اور جگر باہر آ گیا اور مر گیا۔تو قاصد جا رہا ہے تو اوپر ایک پرندہ بھی اڑ رہا ہے بس اطلاع دیتے ہی اس نے کنکری چھوڑی اور وہ بھی ختم ہو گیا۔حملہ کے خلاف صرف دو شخص تھے ایک ہاتھی ہانکنے والا اور ایک سائیس جو ہاتھی کی پرورش کرنے والا تھا۔یہ کنکریاں مسور کے دانہ سے کچھ بڑی تھیں یہ واقعہ حضور نبی کریم ﷺ کی پیدائش سے تقریباً پچاس دن پہلے کا ہے۔

یہ واقعہ عاشورا کے دن ہوا۔یہ واقعہ شاید اس لیے ہوا کہ اس کعبہ کی عظمت بڑھانے والی ہستی عنقریب مکہ میں ظہور پذیر ہوگی۔بعضوں نے باسٹھ دن پہلے لکھے ہیں۔

تو ۲۲۔اپریل ۵۷۱ء کو حضور نبی کریم ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اپریل بہار کا موسم ہے۔یہ اظہار تھا کہ دین کی بہار آ رہی ہے اور خزاں ختم ہو رہا ہے۔وقت کونسا تھا؟ متفقہ قول ہے کہ صبح صادق کا وقت تھا۔گھڑی نہ تھی لیکن محمود نے مسئلہ حل کیا کہ ہم گھنٹہ اور منٹ بتلاتے ہیں۔یہ قاعدہ ہے نہ کہ بزرگی کی بات ہے۔کہ مکہ معظّمہ خط استواء سے اتنے فاصلے پر واقع ہے اگر کوئی شہر اتنے فاصلے پر ہو تو ۲۲ اپریل کو وقت کیا ہوگا؟ تو وقت بھی بتلایا کہ چار بج کر بیس منٹ تھے۔اتنا تعارف ہے یہ شان ہے نبی کریم ﷺ کی۔تقویم العرب قبل الاسلام۔اسلام سے پہلے عرب کی جنتری۔یہ کتاب

محمودؒ کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ نسبی اور تاریخی تعارف بیان ہو گیا۔ اور پھر آگے دیکھنا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی مبارک کے دن اور گھنٹے وغیرہ بنائے گئے ہیں۔

تیسری قسم کا تعارف حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ ہمیشہ ایک ہستی کے حالات کا علم ان کے صحبت کرنے والوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت خواجہ غلام فریدؒ ایک بزرگ گذرے ہیں تو ان کے حالات کا علم ان لوگوں سے ملے گا جو ان کے ساتھ رہنے والے ہیں۔ تو تاریخ میں یہ کم ثبوت ملتا ہے کہ گذشتہ انبیاءؑ کے رفقاء کی پوری تاریخ مرتب ہوئی ہو۔

حضرت عیسیٰؑ کے صرف ۱۲ رفقاء کے نام مرتب ہیں اور وفات و پیدائش نہیں لکھی۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اصحاب مجلس میں سے ۸ ہزار صحابہ کرامؓ کی تاریخ ضبط ہے اور اس طریقہ سے ہے کہ اسلام سے قبل اور بعد اور زندگی کی خصوصیات کے علاوہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے۔

چنانچہ حافظ ابو عمر ابن عبدالبر کی کتاب: الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب اور الاصابہ فی تمیز الصحابہؓ اور اسد الغابہ (یعنی جنگل کے شیر) قابل دید ہیں اور عجیب بات ہے کہ ہر صحابیؓ کا حلیہ مبارک بھی لکھا ہوا ہے۔

تو اس تعارف سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا کتنا عظیم الشان تعارف ہے کہ تعارف کتب سماوی وغیر سماوی۔ تعارف نسبی و تعارف صحابیؓ و تعارف تعلیمی وغیرہ کتنا تعارف ہے۔

انجیل اور صحیفوں کے مجموعے کو بائیبل کہتے ہیں تو پادری فنڈر نے لکھا ہے کہ ہماری کتابوں میں تیس ہزار غلطیاں ہیں۔ اگر ایک غلطی ہو تو عدالت سے مسل ختم کر دی جاتی ہے۔ آگرہ میں مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ کی ساری روائیداد اظہار الحق نامی کتاب میں چھپ چکی ہے۔ مناظرہ کرنے والے مولانا رحمت اللہ کیرانوی دیوبندی تھے۔ جب دین پر حملہ ہوتا ہے تو مقابلہ میں یہ دیوبندی شیر آتے ہیں۔ یہ مولانا بائیبل کے حافظ تھے تو آپؒ نے فرمایا کہ آپ تیس ہزار غلطیاں معین کریں میں اور نکالتا ہوں تو پادری کانپ اٹھا۔ تنزیل من حکیم حمید۔ اس کے ایک حرف میں تبدیلی نہیں ہوسکتی یہ حکیم سے اتاری گئی ہے۔ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت ہے۔ کاغذی حفاظت کچھ نہیں یہ تو سینوں میں محفوظ ہے اور دل و دماغ میں پیوست کر دیا حالانکہ آج حافظوں کو تنخواہ بھی نہیں دی جاتی کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات کس قدر عزیز ہیں؟ بات یہ ہے کہ تلفظ بھی موجود ہے جیسا طرز عرب کا تھا اسی طرح تلفظ محفوظ ہے۔ الفاظ اور تلفظ مختلف چیزیں ہیں۔ تلفظ قاریوں کا فن ہے۔ علم قرأت اور علم تجوید یہ بہت عظیم فن ہے۔ یہ شان بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہے کیا آپ نے کسی اور کتاب کے تلفظ کی حفاظت بھی دیکھی ہے؟

عبرانی زبان میں یہ کتابیں اتری تھیں تو انجیل وغیرہ گم ہوگئیں تو پھر یونانی زبان میں ترجمہ کیا تو عیسائیوں نے کہا کہ یہ یونانی زبان میں اتری تھی۔ تو علماء کرام نے ان سے منوالیا کہ کتاب نبی کی زبان کے مطابق آتی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے

(الجواب الصحیح لمن بلد دین المسیح) لکھی ہے اور دوسری کتاب (ھدایۃ النہایہ من الیہود والنصاریٰ) لکھی ہے۔ قرآن تو پوری طرح محفوظ رہا اور تعلیمات کا دوسرا حصہ حدیث شریف میں ہے وہ بھی محفوظ ہیں۔

آج اگر جید عالم ہو یعنی صحیح عالم ہو تو وہ اپنی ذات سے لیکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نسبی طور پر صحیح سند کے ساتھ بات بیان کر سکتا ہے۔ تو بحمد اللہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی بات کریں تو اپنی ذات حقیر سے لیکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات مبارک تک نسب نامہ پیش کر سکتے ہیں۔ اس سے آپ کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کس طرح محفوظ ہیں۔ پھر ان راویوں کی چھان بین وغیرہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعریف کا حامل ہے۔

درس نمبر ۳

اتوار ۲۵ جون ۱۹۶۷ء

قانون حیات دنیا و آخرت

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور بالیقین اس کا کلام ہے اس کے کچھ دلائل تو پہلے بیان ہوئے۔ جو اس کلام کی خصوصیت ہے۔ وہ تمام کائنات مل کر بھی اسے نہیں کرسکتی۔ آج تغلب سیاسی کے علاوہ قانون حیات دنیا و آخرت کا بیان ہے۔ جو لوگ ان دونوں راہوں پر چلتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہوتے ہیں اور جو قوم صرف دنیا کے قانون پر چلتی ہے تو وہ آخرت سے محروم رہتی ہے اور تیسری صورت جو قوم آخرت کے قانون پر عمل کرے گی تو وہ دنیا سے محروم رہے گی۔ من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها مانشاء لمن نرید۔ جو دنیا کا ارادہ کرے گا اس کو دنیا میں جتنا ہم چاہتے جس کے لیے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ اگر ان کی نظر دنیا کی طرف ہو تو دنیا کی ترقی تو دیتے ہیں لیکن مرنے کے ساتھ جہنم ہوگی۔ ثم جعلنا له جهنم یصلیها مذؤما مدحورا۔ پھر اس کے لیے جہنم ہوگی جس میں وہ رسوا ہو کر ذلیل ہو کر داخل ہوگا۔ ومن ارادالاخرة وسعی لها سعیها وهومومن فاولئک کان سعیهم مشکورا۔ اور جو آخرت کا ارادہ کرلے اور اس کے لیے ایمان کی

حالت میں کوشاں ہو ایسوں کی کوشش قابل قدر ہوگی۔ جو دونوں ترقیاں کرے گا اسے دونوں دونگا۔ کلا نمد هئولا وهولا من عطاء ربک وما کان ربک محظورا۔ ہر ایک کو (دنیا و آخرت کے متلاشی کو) ہم مدد دیتے ہیں یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور تیرے رب کے عطیے کو رکاوٹ نہیں ہے۔

قرآن ان پڑھ لوگوں پر نازل ہوا مگر قانون اٹل بیان کئے۔ تو بنیادی دو اصول ہوئے کہ جو دنیا میں ترقی کرے گا سر اونچا کرے گا اسی کو دیں گے کلا نمد هئولا۔ چاہے کافر ہو چاہے مسلم ہو ہر ایک کو بڑھائیں گے۔ تو سامان دو ہیں۔ (۱) وحدت۔ واعتصموا بحبل الله جميعا۔ اللہ کی رسی کو سب ملکر مضبوطی سے پکڑو (۲) قوت۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة۔ یعنی جو آلات جنگ بنائے گا دشمن کے لیے جتنا ہو سکے قوت تیار رکھو۔ چاہے کافر ہو میں اسے ترقی دونگا اور جو غافل ہو میں اسے ناکام کرونگا۔ دیکھو یہود اللہ کی مبغوض قوم ہے جب امریکہ اس کی امداد میں پھنسا تو اسے طرح طرح سے مصائب پیش آرہے ہیں۔

لعن الذين كفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم۔ لعنت کی گئی بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسی ابن مریم کی زبانی کہ ان دونبیوں کی بددعا سے انہیں لعنت حاصل ہوگئی ہے۔ ان کی بددعا سے پہلے اس قوم کو بڑا مقام حاصل تھا۔ ایک تو یہ کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد ہیں دوم اس قوم میں چار ہزار پیغمبر آئے ہیں۔

یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی

فضلتکم علی العالمین ۔اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تم پر انعام کی تمہیں سب پر فضیلت دی۔

جب اللہ کے ہاں عنایت بے شمار ہوتی ہے تو گستاخی پر انہیں گرفت بھی سخت ہوتی ہے۔

وجعل منھم القردۃ والخنازیر ۔اور (اللہ نے) ان میں بعض کو بندر اور سور خنزیر بنا دیا۔ اور یہ قومی حیثیت سے بڑی سلطنت کے مالک تھے۔ مثلاً ان کے ایک پیغمبر حضرت داؤدؑ تھے تو آج کل تو لوہا پگھلانا پڑتا ہے مگر ان کے لیے ایک شاہی خصوصیت تھی کہ لوہا نرم کر دیا گیا۔ والنالہ الحدید ۔اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کر دیا۔ پھر اس قوم کے پیغمبر حضرت سلیمانؑ کے لیے انسانوں کے علاوہ جن بھی مسخر تھے۔ بیت المقدس کی مسجد میں اب بھی دو پتھر موجود ہیں جو انسان کے وہم و گمان میں نہیں آسکتے کہ یہ کہاں سے آئے ہیں۔ یہ جنوں سے کام ہوتے ہیں۔

یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب و قدور راسیات ۔(ترجمہ) جن حضرت سلیمانؑ کے لیے بناتے جو کچھ کہ وہ چاہتے، عبادت گاہیں، شکلیں، تالابوں کے برابر بڑے بڑے طشت اور پہاڑوں پر ٹکی ہوئی دیگیں۔

بعض ان میں سے خواص ہوتے تھے کہ جنوں کو حکم ہوتا تھا کہ سمندر سے موتی نکال لاؤ۔ تو انسان۔ جن۔ ہوا اور سمندر وغیرہ پر حضرت سلیمانؑ کی حکومت تھی۔

ولسلیمان الریح غدوھا شھر ورواحھا شھر ۔اور حضرت سلیمانؑ

کے ہوا تابع فرمان تھی صبح کو ایک مہینہ اور شام کو ایک مہینہ کی مسافت طے ہوتی۔

وہ تخت ایک شہر کے برابر تھا اسے ہوا اللہ کے حکم سے اٹھا لیتی۔ آہستہ چاہو یا تیز چلا سکتے تھے وغیرہ۔

بہرحال دنیا کی ترقی کا یہ سارا معاملہ یہود کو عطا ہوا۔ لیکن جب ان کی ملعونیت حد سے بڑھ گئی خصوصاً حضرت نبی کریم ﷺ کا انکار۔ گو حضور نبی کریم ﷺ نے بددعا نہیں کی مگر ان کی بدزبانی اور انہوں نے جو کام کئے تو یہ بددعاء کے قابل تھی۔ یہ قوم ایسی بدبخت ہے کہ پیغمبر کو مان کر بھی قتل کر دیتی تھی۔ حضرت ذکریاؑ و حضرت یحیٰؑ کو قتل کیا۔ یہ قوم اللہ کے عذاب سے کئی بار تباہ ہوئی۔

ایک یہودن عورت نے حضرت نبی کریم ﷺ کو زہر ملا کر کھانا دیا تو صحابہ کرامؓ نے نوالہ اٹھایا جب آپ ﷺ نے نوالہ اٹھایا تو جبرائیل آئے اس سے معلوم ہوا کہ غیب دانی کسی کے پاس نہیں۔ ایک صحابیؓ شہید بھی ہو گئے اس عورت کو بلایا گیا پوچھا کہ زہر ڈالا ہے کہا ہاں۔ پوچھا کہ کس ارادہ سے کہنے لگی کہ اس ارادہ سے کہ اگر آپ نبی نہیں تو جھوٹے دعویٰ سے مرنا ہی اچھا ہے اور اگر آپ نبی ہیں تو اللہ آپ کو محفوظ رکھے گا۔ تو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا قصور تو معاف کر دیا مگر ایک صحابیؓ کی شہادت کی وجہ سے قتل کا حکم فرمایا۔

ایک مرتبہ مسلمان یہودی کے مکان پر گئے تو انہوں نے کہا کہ اپنے نبی ﷺ سے اس جگہ ہماری ملاقات کرا دو تو یہودیوں نے اوپر پتھر چھپا رکھا تھا کہ اوپر سے گرائیں گے مگر جب وقت آیا تو جبرائیل آئے تو آپ ﷺ کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر جب غزوہ خیبر ہوا۔ یعنی خیبر کی جنگ ہوئی تو ان کی کاروائیوں کے باوجود حضور نبی کریم

ﷺ نے انہیں بددعا نہ کی۔ تاہم قرآن نے فرمایا وضربت علیہم الذلة والمسکنة وباؤ ابغضب من اللہ ۔ اوران پر ذلت اور غربت لالچ مسلط ہوئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔

بعض لوگوں کو شبہ ہے کہ یہ قوم ازروئے قرآن ذلیل ہے مگر ان کو پھر سلطنت کیسے ملی؟ یہ اعتراض رفع کرتا ہوں۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ قرآن نے یہ تو کہیں نہیں کہا کہ ان کو سلطنت نہیں ملے گی۔ البتہ یہ ہے کہ ذلت ہوگی اور عزت وذلت وہ نہیں جو انسان کے دماغ میں ہے (یعنی جسے انسان عزت اور ذلت سمجھتا ہے) بلکہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ عزت وذلت کہے۔ تو اللہ کے ہاں قرآن کے نزول سے قیامت تک یہود کو عزت نصیب نہ ہوگی۔ باقی مسکنة۔ کا لفظ ہے تو مسکنت لالچ سے ہے۔ حدیث شریف ہے۔ لیس الغنیٰ عن کثرة العرض ولکن الغنیٰ غنی النفس۔ مال کی فروانی سے دولت نہیں بلکہ غنیٰ یہ ہے کہ لالچ نہ کرے اور یہ چیز یہود کی رگ رگ میں رچ چکی ہے کہ لالچ بیحد درجہ کی پیدا ہو چکی ہے۔ الابحبل من اللہ حبل من الناس ۔ کہ یہود کو حکومت نہ ملے گی مگر دوصورتوں میں (ا) یا تو اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑیں تو حکومت ملے گی۔ (۲) جبل من الناس ۔ کہ یا تو وہ کسی دوسری قوم سے ملکر حکومت بنائیں گے۔ (خود تنہا یہ حکومت قائم نہیں کرسکیں گے) بلکہ مشکوة شریف کا مطالعہ کرو تو یہود کی حکومت کا بن جانا تکویناً موجود ہے۔ اس سے یہ نہیں کہ تشریعی حکومت ملے گی بلکہ عرب کی محبت اور بغض یہود فرض ہے میں تو یہود کی تکوینی بات کررہا ہوں۔ حضرت عیسیٰ کی امت نے سائنس کی وہ حرکات شروع کی ہیں کہ

انسان کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ یہ حرکات تو حضرت عیسیٰؑ کو جلد بلانے کے لیے کام کر رہے ہیں۔

دنیا میں یہودیوں کو بہت مرتبہ قتل کر دیا گیا (یعنی کثیر تعداد میں) بخت نصر وغیرہ نے تمام کو ختم کیا پھر حضرت عیسیٰؑ بھی آ کر ختم کریں گے۔ آپؑ دمشق اور شام وغیرہ میں آئیں گے۔ تو ہم حیران تھے کہ یہودی تو کل عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور پورے یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں قتل ہونا ہے تو حضرت عیسیٰؑ کہاں کہاں سفر کر کے انہیں قتل کریں گے۔ حدیث میں ہے کہ یہودی کہیں چھپا ہوگا تو وہ جگہ بولے گی کہ یہودی یہاں ہے۔ آپؑ اسے قتل کریں گے۔

قرآن نے وحدت اور قوۃ کے دو اصول بتلائے تھے یہود پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں مگر سب ایک ہیں اور قوت کا کام یہ کہ کتنی طاقت بنائی (یہود نے) کہ ۱۳ عرب حکومتیں بھی مقابلہ نہ کر سکیں قرآن نے دنیوی ترقی کے دو مذکورہ اصول بتلائے ان پر کفار نے عمل کیا اور ترقی کی اور عرب نے عیاشی کی تو شکست کھائی۔

لایقاتلونکم جمعیا الافی قری محصنة اومن وراء جدُر ۔آپ سے جمعیت کی شکل میں جنگ نہیں کریں گے مگر قلعہ بند بستیوں یا دیوار کے پیچھے سے چھپ کر۔

پہلے زمانے میں یہود کی یہ حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اگر اللہ سے جڑ گئے ہو تو یہ یہود باوجود آپس کی سخت جنگ گیر ہونے کے تمہارے سامنے لڑنے کے لیے نہیں آسکتے۔ وقلوبھم شتی۔ اور ان کے دلوں میں انتشار ہے۔ کہ تم یہ نہ جانو کہ

وہ ایک ہیں بلکہ وہ تو شتی (منتشر) ہیں۔

آج یہی حال امت مسلمہ کا ہے۔ حدیث شریف ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ قرآن مجید کے صرف حروف اور نشانات رہ جائیں گے۔ مساجد بظاہر آراستہ ہونگی مگر ہدایت سے خالی ہونگی۔ **علماء شرھم من تحت ادیم السماء۔** امت کے مولوی شر پسند ہونگے۔ **من عندھم تخرج الفتنة و فیھم تعود۔** ان کی طرف سے فتنے نکلیں گے اور انہیں میں لوٹ جائیں گے۔ چنانچہ آج **قلوبھم شتی** ۔ منتشر قلوب ہم مسلمان ہو گئے ہیں تو بایں سبب اللہ نے آج مسلمانوں کو شکست اور یہود کو ترقی دی۔ قرآن نے خود فرمایا کہ تم اللہ سے جڑ گئے ہو تو وہ تمہارے سامنے نہیں آسکتے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ کے پیر نے حضرت شیخ سعدیؒ کو کشتی میں بیٹھے ہوئے فرمایا

یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش — دگر آنکہ برغیر بدبیں مباش
ایک اپنے آپ کو نیک نہ دیکھ — دوسرا غیر پر بُری نظر نہ ڈال

عارف جامیؒ: کہ میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے شیطان بیٹھا ہے میں نے اسے کہا کہ تم نے آرام کیوں اختیار کیا ہے حالانکہ تم نے تو تمام اولاد آدم کو جہنم میں دھکیلنا ہے تو اس نے جواب دیا کہ مولویت پیغمبر کی نیابت ہے یعنی قائم مقام ہے۔ مگر آج کے مولویوں نے میرا کام سنبھال لیا اس لیے میں فارغ ہوں۔

گفت کہ از برکت علماء زماں — فارغم از کشمکش این وآں

شیطان نے جواب دیا کہ علماء زمانہ کی برکت سے این وآں کی کشمکش سے فارغ ہو گیا ہوں۔

قرآن نے دنیا کی ترقی کے دو اصول دیئے۔(۱) قوت (۲) اتحاد۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے حدیث نقل کی ہے۔ان اللّٰہ یحب المؤمن القوی۔ کہ اللہ قوی مومن کو پسند کرتا ہے۔ولا یحب المئومن الضعیف ۔اوراللہ ضیعف مومن کو پسند نہیں کرتا۔تم ایسی قوت بناؤ کہ تمام کفار کو ختم کر دو یہ نہ کہ کفار تمہیں وطنوں سے نکالتے رہیں۔ یہ کمزوری کا نتیجہ ہے یہ اللہ کو ناپسند ہے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت ۔جو ایمان لائے اور صالح عمل کیئے۔آخرت کی ترقی کے بھی دو اصول ہیں۔(۱) ایمان (۲) عمل صالح۔ جو ان چاروں کو اپنا لے تو وہ دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب۔اور جو صرف دنیا کا قانون اپنائے وہ صرف دنیا میں کامیاب۔اور جو صرف آخرت کے قانون کو اپنائے تو وہ صرف آخرت میں کامیاب۔قرآن کے یہ اٹل اصول ہیں ان پر کافر چلے تو کامیاب اور مومن چلے تو کامیاب۔

زندگی کا قانون بنانا خدا کا کام ہے انسان کا کام نہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ پوری طرح واقف ہے کہ انسان کو دنیا قبر و آخرت میں کس چیز اور کام سے فائدہ ہے۔تو قانون بنانے کے لیے لامحدود علم کی ضرورت ہے تو وہ صرف اللہ کا علم ہے۔خود مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ قانون چاہے پارلیمنٹ بنائے چاہے ایک شخص بنائے کچھ عرصے کے بعد اس میں خامی کی وجہ سے ترمیم کرنی پڑتی ہے۔یہ ہے قرآن کی عظمت کہ ایک

بار قانون آیا اور قیامت تک جوں کا توں رہے گا۔

کفار کہتے ہیں کہ محمد امی (ناخواندہ) یعنی کسی استاد سے نہیں پڑھے تھے۔ پر یہ قانون نازل ہوا کسی جماعت نے اسے نہیں اپنایا کچھ عرصہ بعد عرب سے لیکر پوری دنیا میں پھیل گیا اور کہتے ہیں کہ کمال یہ ہے کہ چودہ سو سال گذرنے کے باوجود ایک چیز بھی ترمیم کے قابل نہیں۔ یعنی مکمل طور پر درست ہے۔ اور اگر کسی نے ترمیم کی تو وہ انسان کا نقص ہے۔ یہ تو وہی بادشاہ کے شاہین والی بات ہوگئی کہ کسی غریب کمہار کے گھر اڑ کر آیا تو انہوں نے اس سے جو حشر کیا وہ تمہیں معلوم ہے کہ ناخن، چونچ اور پر وغیرہ غیر مناسب سمجھ کر کاٹ ڈالے۔ اسی طرح آج بھی کہا جارہا ہے کہ قرآن زمانے کے ساتھ نہیں چل سکتا اس میں تنگی ہے۔ اللہ نے فرمایا **وما جعل علیکم فی الدین حرج**۔ اور اس نے دین کے بارے تم پر کوئی تنگی نہیں کی۔ مطلب یہ کہ قرآن میں کوئی تنگی نہیں۔ باقی جو تنگی سمجھے اس کی کھوپڑی میں تنگی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکیم سے مریض نے پرہیز پوچھی تو اس نے کہا کہ تم گوشت اور تمام سبزیاں کھا سکتے ہو صرف بینگن نہیں کھا سکتے۔ جب وہ بازار گیا تو وہاں صرف بینگن ہی بینگن ہیں اور کوئی سبزی نہیں تو حکیم سے کہا کہ صاحب آپ کے علاج میں بڑی تنگی ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا میرے علاج میں تنگی نہیں تمہارے گاؤں میں تنگی ہے کہ صرف بینگن ہی بینگن ہیں۔

اسی طرح دور حاضر میں بینگن کی طرح سود ہی سود بھر دیا پھر مولوی سے پوچھتے ہیں کہ اسلام میں سود جائز ہے؟ مولوی کہتا ہے کہ نہیں تو پھر کہتے ہیں کہ اسلام

میں تنگی ہے۔ بدبختو! تمہارے اندر تنگی ہے دین میں نہیں۔ ما جعل علیکم فی الدین حرج۔ تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تو حقیقت میں خود ہم میں تنگی ہے۔ یمحق اللہ الربوا ویربی الصداقت ۔ کہ اللہ تعالیٰ سودی سامان کو مٹا دیتا ہے۔ اور صدقہ والے مال کو بڑھاتا ہے۔ اس کا ایک تعلق تو آخرت کے ساتھ ہے کہ جن لوگوں نے زکوۃ وصدقات دیئے تو جنت کے اردگرد جتنی چیزیں ہونگی وہ یہی صدقات وغیرہ ہونگے۔

یمحق اللہ الربوا۔ کہ سود سے خدا تعالیٰ مال کو برباد کرتا ہے آخرت میں۔ تو یہ ظاہر ہے کہ قبر و آخرت میں ذلیل ترین سزا ملے گی۔ اگر صرف دنیا کے لحاظ سے تعبیر کیا جائے تو پچھلے دنوں اخبار میں یہ رپورٹ آئی کہ ویٹ نام کی جنگ میں امریکہ کا روزمرہ کا کیا خرچ ہوتا ہے کہا کہ روزانہ دو کروڑ ڈالر خرچ ہوتا ہے۔ میزائل شکن نظام کے لیے اگر امریکہ کے پندرہ شہر بچانے کا انتظام کیا جائے تو امریکہ کی کل آمدنی کا نصف حصہ خرچ ہوگا۔ سب سے زیادہ سودی کاروبار کرنے والا امریکہ ہے اور اس کا سب سے زیادہ مال برباد ہوتا ہے۔

جنگ عظیم اول و دوم یہ سودخوروں نے چھیڑی تھی۔ تو مغربی جرمنی کا ڈاکٹر ازمنٹ اس نے اقوام متحدہ کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس جنگ میں کتنا مال صرف ہوا۔ رپورٹ دی کہ مال اتنا ضائع ہوا کہ ۲۵۰ کروڑ انسان اس جنگ میں شریک تھے۔ اس جنگ پر خرچ اتنا ہوا کہ اگر ان سب لوگوں کو ۲۵۰ روپے فی کس ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تو سو برس کافی تھا۔ صدق اللہ تعالیٰ وصدق النبی ﷺ ۔ اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات۔ کہ اللہ سود کو مٹا دیتا ہے اور صدقات بڑھاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم سود سے دولت کماؤ میں جنگ سے برباد کرونگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا قانون پوری زندگی کے لیے ہے اور تمام زندگیوں کے لیے ہے۔ بالفرض یہ مان لو کہ سود سے دنیا کا فائدہ ہے مگر قبر و آخرت میں تو نہیں۔ تو اس صورت میں مکمل فائدہ تو نہ ہوا۔ ایسے فائدہ میں تو نقص ہے۔

پانی اور کھانا وغیرہ تو ہر وقت مفید ہے مگر سویٹر اور پوستین کا گرمی میں پہننا نقصان اور سردی میں فائدہ مند تو اس سے یہ سبق ملا کہ اگر کسی چیز میں ایک وقت فائدہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ہر وقت فائدہ دے اگر سود سے دنیا کے موسم میں فائدہ ہے تو قبر کے موسم اور جنت و دوزخ کے موسم میں تو نقصان ہے تو وہاں کیا کرو گے۔ تو یہ علام الغیوب سے پوچھو جس کے سامنے تمام موسم موجود ہیں۔ تو وہ ایسا قانون بنائے گا جو تمہارے تمام موسموں میں فائدہ مند ہوگا۔ تو اللہ نے فائدہ مند اصول مامورات کے حکم میں اور نقصان دہ اصول منہیات کے حکم میں رائج کیے۔

صرف وہی ایک ہی حکمراں ہے۔ اسی کو اللہ نے فرمایا ان الحکم الا للہ۔ کہ حکم بنانا اللہ کو ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری
(اقبالؒ)

درس نمبر۴

۸ ستمبر ۱۹۶۷ء

قرآن کا قانونی معجزہ

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

گذشتہ آخری درس میں قرآن کے قانونی اعجاز کا بیان تھا۔ قرآن بھی معجزہ ہے اور قانونی رنگ میں بھی معجزہ ہے۔ قرآن میں زندگی کا ایسا قانون موجود ہے کہ اگر کل اولادِ آدم مل جائیں تو ان سے ایسے انداز کا قانون مرتب نہ ہوسکے گا۔ اسلامی قانون کے بیان میں تفصیل نہیں کرونگا۔ بہر قانون وہ ہوتا ہے کہ قانون ساز جہل اور نادانی سے پاک ہو اور اسے محیط علم حاصل ہو اور انسان کی زندگی اور موت کے بعد والی زندگی کے نفع ونقصان کو جانتا ہو تو ایسے قانون ساز کے قانون سے انسان کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

(۱) علم محیط ہو۔ (۲) رحمتِ محیطہ کہ انسان کے ساتھ شفقت و رحمت ہو تا کہ خودغرضی کر کے انسان کی زندگی کے قانون کو غلط نہ بنائے۔

(۳) غیر جانبداریت ہے۔ جانبداری کی وجہ سے بہت فیصلے غلط ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی کے قانون ساز کا تعلق تمام انسانوں سے برابر ہو تا کہ تمام اقوام عالم میں قانون عادلانہ یکساں رہے۔ انگریز قانون بنائے گا تو انگریز قوم کا فائدہ کرے گا وغیرہ۔

(۴) انصاف بلاعوض ہو۔

(۴) انصاف بلاعوض ہو۔ یعنی قانون کے اعتبار سے وہ انصاف کے بنیاد کی مضبوطی ہو۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جنہیں ہر عقلمند قانون کے لیے ضروری قرار دے گا۔

اس زمین پر دو قانون ہیں ایک خدا کا اور ایک انسان کا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قانون کے لیے علم محیط ضروری ہے تو انسان کا علم محیط نہیں۔ بعض چیزیں فائدے کی بنائے گا مگر آگے چل کر نقصان دہ ہوگی۔ علم محیط صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ تو قرآن کا قانونی اعجاز پہلے معیار علم محیط پر پورا اترا۔ حضرات انبیاءؑ کی چیزیں آج طاق اور الماریوں میں بند پڑی ہیں اور دنیا کے گندے قانون استعمال ہو رہے ہیں یہ اس لیے کہ آج کل سب سے بڑے قانون ساز امریکہ و برطانیہ ہیں۔ یہ دونوں بیوقوف ہیں۔ سنو ابھی حال ہی میں برطانیہ کے دارلامراء اور دارالغرباء دونوں میں یہ قانون پیش ہوا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے بدفعلی کرے تو کیا اس کو جائز قرار دیا جائے یا ناجائز؟ اس سے تلذذ بالمثل کی تاویل کی ہے۔ تو دارالامراء میں تمام پارلیمنٹ نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ یہ قانوناً جائز قرار دیا جائے۔ صرف چودہ ووٹ مخالفت میں پڑے۔ پھر دارالغرباء کی پارلیمنٹ نے بھی پاس کیا پھر بعد ازاں ملکہ نے دستخط بھی کر دیئے۔ اب بتاؤ کہ ایسی قوم کے قانون کو ہم اپنا رہے ہیں اور قرآن کو چھوڑ رہے ہیں۔ انگریز مؤرخ لکھتے ہیں کہ بحرہ روم کے کنارے دو عظیم شہر تھے۔ (۱) سدوم، (۲) عموریہ۔ یہاں حضرت لوطؑ مبعوث ہوئے۔ اس شہر کے باشندوں پر اس لواطت کے بدفعل کی وجہ سے عذاب آیا تھا کہ زمین الٹ دی گئی تھی۔ یہ الٹی زمین اب بھی موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے قانون کے سامنے انسانی عقل کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہ تو ایک ٹھوس معاملہ تھا اور باریک معاملہ میں یورپ والے کیا سوچیں گے؟ ٹھوس یعنی (قانون لواطت کا جواز) اس قانون سے یہ دکھ ہوا اور غم ہوا کہ وہ بیوقوف ہیں دوسری خوشی یہ کہ تم یورپ کی تقلید کرتے ہو تو ایسے بدفطرت انسانوں کی تقلید کرتے ہوئے تمہیں شرم بھی نہیں آتی؟

(۲) رحمت محیطہ۔ وھو ارحم الراحمین ۔ وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ کائنات میں رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ اللہ کی رحمت ہے۔ ماں کو بچے سے جتنی محبت ہے اللہ کو انسان سے اس سے کئی گنا زیادہ محبت ہے۔

مشاہرہ۔ کہ آپ کا ایک نوکر ہو آپ اس پر بڑی شفقت کریں اور وہ آپ کا کام نہ کرے آپ اس کو سزا دیں گے کہ نہیں؟ ضرور دیں گے۔ اللہ ارحم الرحمین کو دیکھو کہ اس کی نعمتیں کھانے کے باوجود بھی بغاوت کرتے ہیں مگر اس کی رحمت اسی طرح برس رہی ہے۔ تو اللہ کی رحمت محیطہ ہے۔ وہ رحم و شفقت کے نظریہ سے قانون بنائے گا۔ اگر ایک قوم قانون بنائے تو وہ اپنی قوم کا خیال رکھے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ خالق اور تمام انسان اس کی مخلوق اور اللہ معبود اور ہم عابد تو رحمت محیطہ کے اعتبار سے بھی قرآن کا قانونی اعجاز ثابت ہوا۔

(۳) غیر جانبداریت ہے۔ کہ انسان جانبداری کرے گا۔ اپنی قوم یا اپنے علاقہ وغیرہ سے۔ مگر اللہ تعالیٰ نہ کسی قوم سے ہے اور نہ کسی علاقہ سے ہے تو تمام اقوام

عالم کوایک نظر سے دیکھے گا۔ یہ امور ہیں جو قرآنی قانون پر پورے اتر سکتے ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری

(۴) قانون انصاف بلاعوض۔ کہ انصاف بلاعوض ہو۔ مظلوم ہمیشہ کمزور ہوگا اور ظالم ہمیشہ قوی ہوگا ور مالدار ہوگا۔ اب اگر قانون ایسا ہے کہ عدالت میں اگر مقدمہ چلایا جائے تو اتنی رقم خرچ ہوگی اور غریب کے پاس رقم نہیں تو کیا ایسی صورت میں وہ غریب انصاف سے محروم رہا کہ نہ رہا؟ نہ دولت آئے گی نہ انصاف حاصل کر سکے گا۔

ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

اسلام میں انصاف کے ساتھ کوئی عوض نہیں۔ اسلامی قانون میں اگر استغاثہ کریں تو ایک کاغذ پر صرف واقعات لکھ کر پیش کردیں۔ بس صرف اتنا ہی کافی ہے۔ مگر آج عدالت میں کیا حالت ہے؟ بلکہ کاغذ پر بھی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ حضرات خلفاء راشدینؓ کو تو چھوڑو مغل بادشاہوں کے دور میں یہ تھا کہ جب بادشاہ نماز کے لیے جاتا تو حکم تھا کہ ہر غریب اپنی عرضی سنا کر انصاف سن لے۔

الپ ارسلان سلجوقی یہ مشہور بادشاہ ہو گذرا ہے جو ایران، افغانستان اور روس کے بڑے حصہ پر حکومت کرتا تھا اس وقت گھوڑا سواری تھی ہر شخص ملاقات کر سکتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو بادشاہ اپنے اور مظلوم کے درمیان کوئی چپڑاسی وغیرہ

مقرر کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنی رحمت اور اس کے درمیان ایک رکاوٹ حائل کردے گا۔ الپ ارسلان سلجوقی گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا جب عین پل پر سے گذر رہا تھا تو ایک عورت نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا کہ مجھے اس پل پر جواب دو گے یا آگے پل صراط پر؟ پوچھا کیا بات ہے۔ کہا کہ ہمارے گذر بسر کے لیے ایک باغیچہ تھا جسے تیرے بیٹے نے اپنے مکان میں شامل کرلیا ہے۔ میں اسی پل پر جواب لینا چاہتی ہوں۔ تو بیٹے کو بلوایا اس سے ماجرا پوچھا اس نے کہا کہ اس کے باغیچہ والی زمین کے بغیر مکان کا نقشہ درست نہ ہوتا تھا اور یہ کسی معقول رقم پر بھی راضی نہ ہوتی تھی۔ تو بادشاہ نے اس عورت کو کہا کہ مکان بھی تیرا اور حکومت کے باغوں میں سے جو باغ تجھے پسند ہو وہ بھی لے لو۔ یہ تھی اسلامی حکومت۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے وقت میں بارہ صوبے تھے اور ہر گورنر ہر سال حج کرتا تھا اور فاروق اعظمؓ خود بھی کرتے تھے۔ وہاں یہ حکم تھا کہ جس صوبے کے گورنر سے لوگوں کو شکایت ہو وہ آکر بیان کریں اور اس طرح شکایتیں دور کی جاتی تھیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ مصر کے گورنر تھے ایک مصری نے شکایت کی کہ اس کے بیٹے نے مجھے تین کوڑے لگائے ہیں اور ناحق۔ تو بات درست ثابت ہوئی تو گورنر کے سامنے اس کے بیٹے کو اس شخص کے ہاتھوں سے کوڑے لگوائے گئے۔ آج تو ایک پٹواری سے بھی کوئی نہیں پوچھ سکتا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے اکیلے ہو کر امیر المؤمنین سے عرض کی کہ میں آپ کے فیصلے پر خوش ہوں مگر یہ سیاست کے خلاف ہے آپ تو بہت بڑے سیاست دان

ہیں۔ پوچھا کیسے۔ عرض کہ جس گورنر کا بیٹا اس کی آنکھوں کے سامنے پٹ جائے تو اس کا کیا اثر رہے گا۔ امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ یہ کہاں سے سنا ہے۔ وقعت تو انصاف سے ہوتی ہے۔

(۵) استحکام احساس عدل۔ ایک مظلوم کو انصاف کب مل سکے گا؟ جب مدعا علیہ اپنے منہ سے اقرار کرے یا پھر صحیح گواہ موجود ہوں تو تب انصاف ہوگا۔ آج اگر مسلمان عدالت میں سچ بولنا چاہے تو وکیل منہ بند کر دیتا ہے (یعنی جرح کر کے) یا پھر رشوت وغیرہ چل رہی ہے جس سے صحیح شہادت نہیں ہوسکتی۔ اب اسلام اور قرآن کو دیکھو کہ سب سے پہلے احساس عدل کو مستحکم کر دیا۔ اتنا کیا کہ مستحکم فیصلے کی دو بنیادیں ہیں (۱) اقرار (۲) شہادت۔ ظلم کا اقرار کریں ایسے بہت کم لوگ ہیں۔ مگر اسلام نے آخرت کا ایسا بدلہ دیا کہ انسان بخوشی صحیح اقرار کرتے ہیں۔

غامدیہ ایک عورت تھی اس سے جرم زنا سرزد ہوا تو ایسا غم دامن گیر ہوا ولعذاب الآخرۃ اشد وابقیٰ۔ کہ آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور دائمی ہے۔ کہ اس سخت اور باقی رہنے والے عذاب سے بچ جاؤں۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی کہ جرم کا اقرار کروں۔ اور اسے معلوم تھا کہ اس جرم کی سزا قرآن نے سنگساری رکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ایک مجرم عورت کا ذہن کس حد تک پاک تھا۔ تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں داستان سنانا شروع کی تو آپ ﷺ اپنا رخ مبارک دوسری طرف پھیرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسلامی قانون ہے کہ فیصلہ میں جج احتیاط کرے مگر جب پورا اعتماد ہو جائے تو پھر سزا دینے میں دیر نہ کرے۔

تو اس عورت نے کہا طھرنی یا رسول اللہ ﷺ۔ کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے گناہ سے پاک کردو۔

روایات میں ہے کہ چار مرتبہ اقرار کیا اور رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ روگردانی فرماتے رہے۔ جب اقرار کیا تو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے۔ حکم دیا کہ ابھی چلی جا بچہ جننے کے بعد پھر آنا۔ پھر آئی تو اس کی گود میں چھوٹا سا بچہ تھا۔ فرمایا اب گھر جاؤ جب اس کا دودھ چھوٹ جائے (یعنی دودھ پینا بند کردے) تو میرے پاس آنا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ قرآن کا نور کیسا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ عورت تو قرآن سے تھوڑا عرصہ وابستہ رہی تھی کیونکہ اسلام آئے کو تھوڑا عرصہ گذرا تھا مگر ہم تو چودہ سو برس سے مناسبت رکھتے ہیں۔

تو عورت نے یہ کوشش بھی نہ کی کہ دودھ پلانا لمبا عرصہ کردوں حالانکہ یہ کرسکتی تھی۔ تو جلدی دودھ چھڑانے کی کوشش کی اور پھر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں آئی بچہ ساتھ تھا اور روٹی کا ٹکڑا بھی ساتھ لائی عرض کی کہ اگر آپ ﷺ کو یقین نہ ہو تو آپ ﷺ دیکھیں بچہ روٹی کا ٹکڑا کھا رہا ہے۔ تو اسے سزا دی گئی۔ اور اس کے بدن سے خون نکل کر بہنے لگا۔

اس کے جنازہ کے لیے بعض صحابہ کرامؓ نے کچھ بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا خبردار کہ اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر یہ توبہ پورے ملک (یا مدینہ) پر تقسیم کی جائے تو پورے علاقہ کی بخشش ہو جاتی۔ اسی طرح ایک شخص کا واقعہ ہے کہ ان سے بھی زنا ہوا تو یہی اقرار کیا۔

دوسری چیز ہے شہادت۔ ولا تکتموا الشھادۃ۔ کہ سچی بات کی گواہی نہ چھپاؤ چاہے اپنا نقصان بھی ہو۔ تو لوگوں کے متعلق سچی گواہی دیا کرو۔ آج تو سچی گواہی دینا بھی ختم ہوگیا ہے۔ (اگر سچی گواہی چھپائی تو قلب سیاہ ہو جائے گا)

دمشق کی تاریخ میں ہے کہ ایک عیسائی جج تھا صلیبی جنگوں میں مسلمان اور عیسائیوں کی لڑائی رہی تو ان کے بعد ایک مدعی مسلمان نے مدعا علیہ عیسائی پر مقدمہ کیا کہ اس کے ذمہ میری اتنی رقم واجب الادا ہے۔ تو عیسائی جج نے مدعا علیہ سے پوچھا بھی نہیں اور مسلمان کے حق میں فیصلہ کر دیا اور لکھا کہ میرا تجربہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

حضرت امام بخاریؒ کو پتہ چلتا کہ فلاں فلاں کے پاس پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیثیں ہیں تو پیدل لمبی مسافت طے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی سلسلہ میں ایک عالم کے پاس گئے۔ وہ بہت متقی و پرہیزگار تھے ان کا گھوڑا سرکش تھا رسہ تڑوا کر بھاگا ہوا تھا اس عالم نے اسے خالی توبرا دکھایا اور گھوڑا آ گیا۔ امام صاحبؒ نے یہ دیکھا تو اس عالم سے حدیث نہ لی فرمایا کہ آپ نے گھوڑے سے جھوٹی کاروائی کی۔ تو کیا پتہ آپ کی بتلائی ہوئی حدیث کیسی ہوگی سچی یا جھوٹی؟ تو علماء کرام نے کہا ہے کہ اگر خالی مٹھی دبا کر کسی کو چیز کا دھوکہ دیا جائے تو یہ گناہ ہے۔

درس نمبر ۵

یکم دسمبر جمعتہ المبارک ۱۹۶۷ء

علاماتِ قیامت

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علیٰ عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اذا اتخذ الفیئی دِولاً۔ فرمایا کہ جب مسلمانوں سے لئے ہوئے مال کو لوگ ذاتی ملکیت بنالیں گے۔ حالانکہ خزانہ فقراء اور مساکین کا حق ہے۔ یہ قیامت کی پہلی نشانی ہے۔

والامانۃ مغنماً۔ اور امانت کو مال غنیمت اور لوٹ کا مال سمجھیں گے۔

دیکھو ہر عہدہ ایک امانت ہے اور ہر عہدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرائض مقرر ہیں۔ اور انسان کو ان فرائض کی ادائیگی میں معاوضہ بذریعہ تنخواہ ملتا ہے۔ تو اگر کوئی شخص ان فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی کرے گا تو وہ خائن ہے۔ اس نے خیانت کی۔

والزکوۃ مغرماً۔ لوگ زکوۃ کو تاوان اور چٹی سمجھیں گے۔

وتعلم لغیر الدین۔ فرمایا کہ قیامت کے قریب تعلیم غیر دین کی ہوگی۔

ہندوستان میں انگریزی دور سے قبل کے علماء کرام کو اس کا معنی سمجھ نہ آیا تھا۔ کیونکہ اس وقت صرف دین کی تعلیم ہوتی تھی۔ ''تو اس وقت کے علماء کرام نے اس کی تشریح یوں کی کہ دین کے علم کو مال و دنیا حاصل کرنے کے لیے حاصل نہ کیا جائے۔

بلکہ دین کا حاصل کرنا رضا الٰہی کے لیے ہو''۔تو ایسا علم انسان کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین بناتا ہے۔آج تو چند غریب خاندانوں کے بچے تھوڑا بہت دین سیکھ رہے ہیں اور مالداروں کے بچوں کا اللہ و رسول ﷺ والوں سے کوئی تعلق نہیں۔ہم دنیا کی تعلیم حاصل کرنے سے منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ تھوڑی بہت دین میں سمجھ پیدا کرو۔فرائضات وغیرہ کے مسائل سے واقفیت ہو۔تاکہ آخرت بھی سدھرتی رہے۔

کلا بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة۔ ہرگز نہیں، بلکہ تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

قرآن نے تو بار بار ذکر کیا ہے کہ تم دنیا کی تعلیم حاصل کرو اور دین کو بھی ضرور حاصل کرو۔یہ نہیں کہ علامہ بن جاؤ؟ بلکہ صرف اتنا دین حاصل کرو کہ صحیح عقیدہ کا علم ہو اور دین کی موٹی موٹی باتیں یاد رہ جائیں کیونکہ یہ چیزیں ابدالآباد تک کام آئیں گی۔آخرت ایک پاؤں اور دنیا ایک جوتے کی مثل ہے۔دونوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔پاؤں ہمیشہ کے لیے وہی رہتے ہیں مگر جوتے بدلتے رہتے ہیں۔تو اگر دین چھوڑ دیا تو جوتے کے مقابلے میں پاؤں کا چھوڑ دینا نادانی ہوگی۔وتذرون الآخرة۔فرمایا کہ تم آخرت کو چھوڑتے ہو۔یہ نہیں فرمایا کہ تم دنیا کو چھوڑو۔یعنی دنیا کا علم چھوڑو۔نہیں۔دنیا کا علم حاصل کرو مگر علم دین کو بھی نہ بھولو۔تاکہ عقیدہ و اخلاق وغیرہ کا علم حاصل رہے۔تو قرآن دنیاوی تعلیم کے حصول میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

واطاع الرجل امرأته وعق امه ۔آدمی ماں کا نافرمان اور بیوی کا فرماں بردار ہوگا۔

وادنی صدیقه واقصی اباه۔دوست کو قرب اور باپ کو دور سمجھے گا۔یعنی دوست سے محبت اور باپ سے نفرت ہوگی۔مطلب یہ ہے کہ دوست کے مقابلے میں باپ سے محبت کم ہوگی۔

(ہم دلی از ہم زبانی بہتراست) کہ دل کا ایک ہونا زبان کے ایک ہونے سے بہتر ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک اور حضرت ابوطالب کی زبان ایک تھی مگر دوری رہی۔اور حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت صہیبؓ کی زبان آپ ﷺ سے مختلف تھی مگر دل ایک جیسا ہونا تھا۔تو پھر ان حضرات صحابہ کرامؓ کو کیا مقام ملا؟ تو آج کے معاشرے میں والدین سے اچھا سلوک نہیں ہو رہا۔والدین ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔کیونکہ وہ خود اولاد کو غیر دینی تعلیم دلا کر اولاد کو ایسے راستے پر لگا رہے ہیں جہاں والدین کے حقوق سے آشنائی ہی نہیں۔یہ اپنے پاؤں پر خود لاٹھی مار رہے ہیں۔

وظهرت الاصوات فی المساجد۔

وساد القبيله فاسقهم ۔اور قوم کا سردار وہ شخص ہوگا جو سب انسانوں سے زیادہ اللہ سے دور ہوگا۔

وكان زعيم القوم ارذلهم ۔قوم کا حاکم اور لیڈر وہ شخص ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ رذیل ہوگا۔

واُکرم الرجل مخافة شره۔اور کسی کی عزت اس لیے کی جائے گی کہ

اس کے ضرر سے بچ جائیں۔ یعنی وہ شخص ظالم اور شریر ہوگا۔

وفلھرت اتصینات وظھرت القینات والمعازف۔ گانے والی عورتیں اور باجے بہت عام ہونگے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب کوئی عورت گانے والی نہ تھی نہ آج کی طرح گانے بجانے کے ساز وسامان تھے۔ آج گانے اور ناچنے کو ثقافت کے نام پر عروج دیا جارہا ہے۔ اس کا نام ثقافت کی بجائے حماقت رکھا جائے تو بہتر تھا۔ اسلامی ثقافت نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور غرباء کے حقوق کا خیال رکھنا تھا۔ ناچ گانا نہ تھا۔

وشربت الخمر ۔اور شراب پیئی جائے گی۔ صرف حضرت علیؓ کے قول پر اکتفاء کرتا ہوں فرماتے ہیں۔ لو صبت قطرۃ من الخمر فی البئر ۔کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنوئیں میں گر جائے۔ پھر اس کنوئیں کو بند کیا جائے۔ اب اس جگہ پر اگر منارہ بنایا جائے تا کہ اس پر اذان دی جائے تو میں اس قطرے گرے ہوئے کنوئیں کی جگہ پر کبھی اذان نہ دونگا۔ حالانکہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھ پر خلافت کا بوجھ نہ ہوتا تو میں موذن بنتا۔ یہ ہے آخرت میں موذن کی عزت۔

ولو صبت فی البحر ثم یبس وانبت ۔پھر فرمایا کہ اگر شراب کا قطرہ کسی دریا میں گر جائے پھر وہ خشک ہوکر وہاں گھاس اُگ آئے میں اس چراگاہ میں کبھی اونٹ نہ چراؤنگا۔ یہ ہے شراب سے نفرت۔ مگر آج کہا جاتا ہے کہ شراب کے بغیر فوجی قوت کمزور ہے۔

ولعن آخر هذه الامة اولها۔ کہ آخری امت پہلی گذری ہوئی امت کو برا بھلا کہے گی۔ پہلی امت سے مراد تو حضرات صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین ہیں۔ آج یورپی تعلیم نے دماغ کو دین سے آزاد کر دیا ہے تو اس لیے پہلے لوگوں اور دین والوں پر اعتراضات ہو رہے ہیں۔

فار تقبوا عند ذالک ریحاً حمراء وزلزلۃً۔ فرمایا کہ دنیا میں آتشی ہوا آئے گی زلزلہ آئے گا جس سے زمین پھٹنے لگے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایٹمی دور آنے والا ہے۔ چند سال پہلے افریقی ملکوں میں ایک زلزلہ آیا تھا جس کی وجہ سے الجزائر میں زمین پھٹ گئی اور ایک ہوٹل جس میں چودہ ہزار آدمیوں کی رہائش کا انتظام تھا پورا کا پورا زمین میں دھنس گیا۔

وخفا ومسخاً وقذماً۔ کچھ لوگ زمین میں دھنس جائیں گے، بعض کی شکلیں بگڑ جائیں گی اور اوپر سے بھی کوئی چیزیں پھینکی جائیں گی۔ یہ بم وغیرہ ہوئے۔

درس نمبر ۶

اتوار ۱۷ دسمبر ۱۹۶۷ء

مشینی ذبیحہ

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

اب اس دور کے نئے نئے فتنے رونما ہو رہے ہیں۔ ان تمام فتنوں کا مقصد یہ ہے کہ انگریز کی ڈیڑھ سو سال غلامی کے بعد بھی دین کی جو چھوٹی موٹی نشانیاں بچی ہیں وہ مٹ جائیں۔ ایسے لوگوں میں ایک صاحب ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہیں۔ جو دین کو مٹانے میں سرگرم عمل ہے۔ اس نے مشینی ذبیحہ کے بارے میں ایک کتابچہ بھیجا ہے۔ اسے تو جو کچھ لکھونگا۔ آپ سے کچھ عرض کرتا ہوں۔

مشینی ذبیحہ۔ یہ عجیب بات ہے کہ مجھے تو ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا قلب اب ایمان کو نہیں مانتا۔ اب اگر وہ کوئی بات کریں اور ہم ان کے رد میں کوئی حدیث پیش کریں تو کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت لاؤ۔ یہی بات بتلاتی ہے کہ ان کے قلب اب ایمان نہیں چاہتے۔ یہ صرف بہانہ کرتے ہیں۔ ہر بات پر کہتے ہیں کہ قرآن میں دکھاؤ! کیا قرآن نے ہر بات کا کوئی ٹھیکہ لے رکھا؟ ہم کچھ قرآن اور کچھ حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھیں گے۔ اگر پیغمبر پاک ﷺ سے نعوذ باللہ پوچھنے کی

ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے کہ لوگو! قرآن فلاں پہاڑ پر اترے گا وہاں سے لے لو۔ جب تمہارے قول کے مطابق پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھنا ہی نہیں تو پھر ان کی تشریف آوری کا مقصد ہی فوت ہوتا ہے۔ اگر اتنے مسائل قرآن میں ذکر ہوتے تو پھر قرآن کو یاد کون کرتا؟ آج رمضان کی راتوں میں جو قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے وہ پھر ہوتی؟ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ قرآن اتنا ثقیل نہ ہو جائے کہ حفظ نہ ہو سکے۔ تو قرآن میں مسائل کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا اور باقی مسائل صاحب قرآن بیان کر دیں گے۔ پھر اگر انہیں قرآن میں مسئلہ دکھا دیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو مولوی کی باتیں ہیں۔ تو میاں صحیح کیوں نہیں کہتے کہ اسلام کو جی نہیں چاہتا۔ اگر حضور نبی کریم ﷺ کی پیغمبری کی ہمیں نعمت نصیب نہ ہوتی تو ہمیں صحیح طریقے پر کھانا پینا بھی نصیب نہ ہوتا۔ جس طرح دوسری اقوام میں حلال و حرام کی تمیز نہیں۔ سب سے پہلے اسلام نے آ کر حلال و حرام جانوروں کی تمیز کی ہے کہ کن کن جانوروں کا گوشت حلال اور کن کن کا گوشت حرام ہے۔ ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ جاپان اور چین اگر مل جائیں تو یہ دونوں ملک تقریباً پوری دنیا کی نصف آبادی سے کچھ کم ہیں۔ ان میں تین مذاہب کے لوگ آباد ہیں۔ (۱) کنفیوتھش مت۔ یہ مذہب قبل از حضرت عیسیٰؑ ہے۔ اس کے زیادہ تر پیروکار چین میں آباد ہیں۔ (۲) شنٹومت (۳) بدھ ازم۔ اس بدھ ازم میں صرف چوہے کو نہیں کھاتے باقی سب جانور کھاتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے کم و بیش دنیا کی نصف آبادی حرام حلال کی تمیز نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان ساز میں ہوں میں ان کے خورد و نوش کے متعلق جانتا ہوں۔

تو کل آٹھ جوڑے نر و مادہ ذکر کیئے۔ اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ، انہیں بھیمتہ الانعام کہتے ہیں۔ فرمایا کہ تمہارے لیے یہ مویشی حلال ہیں۔ پھر ان کا طریقہ استعمال بھی فرمایا۔ کہ طریقہ بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھو۔

یورپ تو اس عذاب میں مبتلا ہے کہ وہاں زنا کی عام آزادی کی وجہ سے تو حلال نطفے کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ اور شراب نوشی اور خنزیر خوری کی وجہ سے ان کا کھانا پینا بھی حلال مشکل ہے۔

اب مسلمانوں کے چند حلال جانور ہیں تو ان کو بھی یہ یورپ والے مشین کے ذریعے ذبح کر کے حرام کھاتے ہیں۔ صرف مسلمان باقی ہیں جو مشینی ذبیحہ نہیں کرتے۔ اگر ہمیں اپنے ملک میں بھی حلال چیز نہ ملے تو پھر کیا باقی رہا۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ ترقی نہیں ہوتی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اب تک اتنا زمانہ ہو گذرا کیا قصاب سے کوئی تنگی ہوتی ہے۔ تو یہ نکتہ ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ ایک چیز میں کوئی تنگی بھی نہیں ہے۔ تو پھر خواہ مخواہ یورپ کی تقلید کیوں کرتے ہیں؟ بس ایک بار آدمی اسلامی طریقے پر چھری سے ذبح کر لے پھر چاہے مشین میں ڈالتے رہو۔ اب اس بات پر لغویات کتابیں لکھنا کتنی غلط بات ہے۔ کیا ان کو پتہ نہیں کہ ابھی تک مسلمان زندہ ہیں اور اسلام باقی ہے تمہیں ایسی غلط حرکات نہیں کرنے دیں گے۔ آج کہتے ہیں کہ زمانے کے مطابق ہو جاؤ۔ میں کہتا ہوں کہ زمانہ کیا ہے؟ زمانہ تمہیں کہے کہ گندگی کھاؤ تو کھاؤ گے؟ ابھی چند علماء باقی ہیں وہ تمہیں ایسی جرأت نہیں کرنے دیں گے۔ یورپ سو ڈیڑھ سو سال

ہندوستان پر حاکم رہا اسے بھی یہ جرأت نہ ہوئی۔ مگر آج خود [illegible] ان اس غلط کام کی جرأت کر رہے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

تو اس ضمن میں دو بنیادی باتیں ہیں۔ دو بنیادی مسئلے ہیں۔

(۱) جانور کو جان اللہ نے دی۔

(۲) جان لینا بھی جان دینے والے کا کام ہے۔

ہماری جان بھی اپنی نہیں۔ کیونکہ خودکشی کرنے والا جرم دار ہے۔ کیونکہ جس جان کو اس نے ضائع کیا یہ اس کی اپنی نہیں تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ خودکشی میں بھی انسان اپنی جان قتل کرتا ہے اور جہاد میں بھی۔ مگر خودکشی میں عذاب اور جہاد میں اجر کثیر ملتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ان بزرگ علماء کرام کو خداتعالیٰ نے ایک خاص نور بصیرت عطا کر رکھا ہے۔ تو حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ جس طرح کوئی حکومت کسی شخص کو کوئی مشین کسی خاص کام کے لیے دے۔ اب اگر وہ شخص اس مشین کو توڑ پھوڑ دے تو کیا وہ شخص مجرم ہوگا کہ نہ ہوگا؟ اس نے جواب دیا کہ مجرم ہوگا۔ اگر وہ مشین اپنے مطلوبہ کام میں عمل کرتے ہوئے خراب ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو پھر وہ شخص مجرم نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہماری جان کی مشین ہمیں عبادت کے لیے دی۔ تو اگر ہم زہر کھا کر یا بھوک ہڑتال کر کے اسے ختم کر دیں تو ہم مجرم ہیں۔ جس طرح سرکاری مشین اپنا کام کرتے کرتے خراب ہو جائے تو کوئی جرم نہیں اسی

طرح خدا کی دی ہوئی جان کی مشین اگر جہاد میں کام آجائے تو وہ اپنے مقصد میں آئی۔ اس لیے جہاد میں جان دیدینا نیکی اور خودکشی کرکے جان دیدینا بدی اور جرم ہے۔

تو جانور کے معاملے میں بھی یہ ہے کہ جان کو لینا یہ جان دینے والے کا کام ہے۔ تو جان دینے والے کی طرف سے ایک ضابطہ ہوتا ہے۔ تو بعض اوقات حاکم اعلیٰ ایک کام خود کرتا ہے اور کبھی کسی دوسرے سے کرواتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کام حاکم اعلیٰ کے سمجھے جائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم جانور ذبح کرنے لگو تو بسم اللہ اللہ اکبر کہدو! کہ میں اللہ کے نام پر ذبح کررہا ہوں۔ اور ایسے آلہ سے ذبح کرو کہ تمام خون باہر نکل آئے۔ تاکہ جس طرح بسم اللہ اللہ اکبر کہنے سے باطنی پاکی ہوگئی اور خون نکل آنے سے ظاہری پاکی ہوجائے۔ اس صورت میں ذبح کیا ہوا جو مسلمان کھائے گا وہ بالکل پاک وصاف اور حلال غذا کھائے گا۔ بھول کر کھانا۔ تو بھول الگ معاملہ رکھتی ہے۔ وہ تو اگر بھول کر کھالے تو روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔

تو ہم یہ معاملہ پہلے قرآن پاک سے طے کرتے ہیں۔ گو مشینی ذبیحہ کا فتنہ قرآن پاک کے نزول سے ۱۴ سو سال بعد پیدا ہورہا ہے مگر قرآن پاک کی نظر میں پہلے سے موجود تھا۔ یہ خاص جزی مسئلہ فقہ پر موقوف تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فتنہ پیدا ہوگا اس لیے اسے قرآن نے ذکر کیا۔

ولاتاکلوا مما یذکر اسم اللہ علیہ۔ مت کھاؤ وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کا

نام لیکر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ وانہ لفسق ۔ اگر کوئی اس آرڈر کے خلاف ہو تو وہ شیطان اپنے دوستوں کے قلب میں بات ڈالتے ہیں لیجادلو کم ۔ تاکہ وہ تمہارے ساتھ بات چھیڑے ولئن اطعتموھم ۔ اگر تم نے ان کی بات مانی توانکم لمشرکون ۔ تو تم مشرک بن جاؤ گے۔

آگے سورۃ حج میں ذکر ہے۔ فاذکروا اسم اللّٰہ علیھا صواف ۔ فرمایا کہ سو پڑھو ان پر نام اللہ تعالیٰ کا قطار باندھ کر۔ یعنی اگر بہت اونٹ ہوں تو انہیں قطار میں قبلہ رخ کھڑا کریں۔

ولکل امة جعلنا منسکاً لیذکروا اسم اللّٰہ علی مارزقھم من بھیمة الانعام۔

اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام چوپایوں پر ذبح کرنے کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دیئے ہیں۔

وانعام لایذکرون اسم اللّٰہ علیھا افتراءً علیه سیجزیھم بماکانوا یفترون۔

اور بعض جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللّٰہ والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب وان تستقسموا بالازلام۔

حرام ہوا تم پر مردہ جانور اور خون اور گوشتِ خنزیر کا اور جس جانور پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔ اور جو گلا گھونٹنے یا چوٹ سے مر گیا ہو یا اونچے سے گر کر یا سینگ مارنے سے اور جس کو درندہ نے کھایا ہو۔ مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور حرام ہے جو ذبح ہوا کسی تھان پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے۔ اگر زندہ پا کر حلال کر لو تو حلال ہے یعنی وہ جانور جس کو کسی دوسرے جانور نے زخمی کر دیا ہو اور وہ تمہیں زندہ مل جائے تو تم اسے حلال کر لو ایسا جانور حلال ہے۔

دیکھو جانور دو قسم کے ہیں (۱) اہلی جانور یعنی گھریلو جانور۔ (۲) جنگلی جانور۔ یعنی جنگل کے حیوانات مثلاً ہرن اور نیل گائے وغیرہ۔ اسلام میں گھریلو اور جنگل کے جانوروں کے معاملات جدا جدا ہیں۔ تو پہلے زمانوں میں تیر اور شکاری کتوں کے ذریعے شکار کھیلا جاتا تھا۔ تو ایسی صورت میں یہ حکم ہے کہ تیر چھوڑتے وقت اور کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ اکبر پڑھی جائے۔ تو اب اگر تیر لگنے سے اور کتے کی وجہ سے وہ شکار مر جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جنگل میں شکاری جانور انسان کے ہاتھ مشکل آئے گا تو آسانی پیدا کر دی کہ تیر اور کتا بسم اللہ اکبر پڑھ کر چھوڑ دو۔ البتہ جس جگہ سے کتے نے شکار کو پکڑا ہو وہ جگہ پانی سے دھو لینی چاہیے۔ اگر کتے نے شکار میں سے کچھ کھایا ہو تو وہ پھر مردار ہے حلال نہیں۔ تو آموختہ اور سدھائے ہوئے کتے کو استعمال کیا جائے جو مالک کے لیے شکار کرتا ہے نہ کہ اپنے لیے۔ اگر ان دونوں صورتوں میں تمہیں شکار کیا ہوا جانور زندہ مل جاتا ہے تو پھر اسے ذبح کرنا ضروری ہے ورنہ حرام ہے۔

بندوق کا مارا ہوا اگر زندہ ملے تو ذبح کر کے کھاؤ ورنہ حرام ہے کیونکہ یہ دباؤ، دھکے اور چھرے کیوجہ سے مرا ہے۔ اس صورت میں اسباب جداگانہ ہیں اس لیے بندوق سے اگر شکار مر جائے تو وہ حرام ہے چاہے کہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اکبر بھی کیوں نہ پڑھی گئی ہو؟

حضرت عدیؓ ابن حاتم سے روایت ہے۔ یہ حاتم طائی کے لڑکے ہیں۔ حاتم طائی زندہ تھے مگر آقاء نامدار سرور کائنات ﷺ کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی۔ باقی ان کا سارا کنبہ مسلمان ہو گیا تھا۔ تو روایت فرماتے ہیں۔

اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم اللّٰہ فان امسک علیک فادرکتہ حیاً فاذبحہ وان ادرکتہ قد قتل ولم یأکل منہ فکلہ وان اکل فلاتأکل فانما امسک علیٰ نفسہ فان وجدت مع کلبک کلباً غیرہ وقد قُتل فلاتأکل فانک لاتدری ایھما قتل واذارمیت بسھمک فاذکر اسم اللّٰہ فان غاب عنک یوماً فلم تجدفیہ الااثر سھمک فکل ان شئت وان جدتہ غریقاً فی المأ فلاتأکل متفق علیہ۔

(ترجمہ) جب تو اپنے (شکاری) کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے کر چھوڑ۔ اگر وہ شکار کو تیری خاطر روک لے اور تو اسے زندہ پالے تو اسے ذبح کر لے اور اگر تو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے مار دیا ہو اور خود اس میں سے نہ کھایا ہو تو تُو اسے کھالے اور اگر اس نے کھالیا ہو تو تُو اسے نہ کھا کیونکہ کتے نے اسے اپنے لیے پکڑا ہے۔ اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کتے کو شریک پائے اور وہ شکار ہلاک

ہو چکا ہو تو اسے نہ کھا کیونکہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ کس نے مارا۔ جب تیر چلائے تو اللہ کا نام لے کر چلا۔ پھر اگر ایک دن تک وہ شکار تجھ سے غائب رہے اور اس میں تیرے تیر کے سوا کوئی اور نشان نظر نہ آئے۔ تو اسے کھالے۔ اگر پانی میں ڈوبا ہو تو اسے نہ کھا۔ یسئلونک ماذا اُحل لھم قل احل لکم الطیبٰت ۔ آپ سے پوچھیں گے کہ ان کے لیے کیا کیا حلال ٹھہرایا گیا ہے؟ تو کہدیں کہ تمام پاکیزہ اور ستھری چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ باقی فلسفہ یہ ہے کہ بعض جانور حلال کیوں ہیں اور بعض جانور حرام کیوں ہیں؟

دیکھو! سورۃ انعام میں جن آٹھ جانوروں کو حلال کیا گیا ہے ان کے استعمال شرعی سے نہ بدنی اور نہ روحانی مرض ہوتی ہے۔ اور جو حرام جانور ہیں ان کے استعمال سے روحانی اور جسمانی دونوں نقصان ہوتے ہیں۔ سرطان کا مرض خنزیر کھانے سے ہوتا ہے۔ مشرق میں سرطان یورپ کی آب و ہوا سے پھیلا علماء نے لکھا ہے کہ خنزیر میں ضد کا مادہ بہت ہے۔ تو آپ نے دیکھ لیا کہ امریکہ خنزیر کھانے والا کتنا ضدی ہے۔ کیونکہ منہ کی کھانے کے باوجود بھی یہی کہتا ہے کہ میں ویٹ نام پر بمباری کرتا رہوں گا۔ ضد بری چیز ہے۔ حمیة الجاھلیة۔

خنزیر کا خاصہ ہے کہ دو۔ دونے۔ پانچ پر اڑے رہو۔ دوسرا خنزیر بڑا بے غیرت اور دیوث جانور ہے اس کا گوشت کھانے والی قومیں بھی بے غیرت اور دیوث ہیں۔

ایک شخص نے حضرت امام اعظمؒ سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ اگر میں کل اولادآدم کے بیوقوف سے بات نہ کروں تو تجھے طلاق ہے۔

تو حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ نصرانی اور رافضی سے بات کرو۔ فلیکلم النصرانی والرافضی ۔کیونکہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کہا ہے اوراس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی حماقت نہیں ہوسکتی۔

دیکھو! عقل اورفن اور ہنرمندی جدا جدا چیزیں ہیں۔عیسائی فن جانتے ہیں اوران میں عقل نہیں۔(افلا تعقلون میں اس پر بیان ہوگا) تو اس شخص نے کہا کہ اگر نصرانی اور رافضی سے بات کروں تو طلاق واقع نہ ہوگی۔اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس پر حضرت امام اعظمؒ صاحب نے فرمایا کہ لانہ کذبوا الصادقین۔اس لیے کہ انہوں نے دوسچوں کو جھوٹا کہا۔کہ حضرت عیسیٰؑ بندہ کو خدا بنایا اورحضرت علیؓ کوبھی رافضیوں نے (نعوذ باللہ) جھوٹا کہا وہ یوں کہ حضرت علیؓ چار سال کوفہ میں رہے تو آپؓ ہرتقریر کے شروع کرنے سے پہلے پڑھتے تھے۔افضل الناس بعدالانبیاء بالتحقیق ابوبکرن الصدیقؓ۔اورآنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہوجاتی تھی۔مگر رافضی کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل نہیں ہیں۔

درس نمبر ۷

اتوار۔ ۳۱ مارچ ۱۹۶۸ء

ثقافت کی وضاحت

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

آجکل ایک لفظ عام بولا جاتا ہے۔ (ثقافت)۔ ہر ملک کے وفد ایک دوسرے ممالک میں جاتے ہیں۔ جو ثقافتی وفود کا تبادلہ کرتے ہیں اور ثقافتی معاہدات بھی ہوتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ دورِ حاضر کے حکومتوں کے لیے یہ ایک بہت بڑا اہم مسئلہ ہے کہ ایک دوسرے ملکوں کے ساتھ ثقافتی تبادلہ ہو۔ اور لیڈروں اور حکمرانوں کی زبان پرورد ہے کہ مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت ہونی چاہیے۔

میں یہ بتلاتا ہوں کہ اسلامی ثقافت یہ دو لفظ ہیں۔ ایک (اسلامی) اور دوم (ثقافت) ثقافت کا لفظ جس قدر زبان سے بولا اور جس قدر کثرت سے لکھا جاتا ہے اس قدر لوگ اس سے بے سمجھ ہیں۔

فاما تثقفنهم فی الحرب فشرد بهم من خلفهم لعلهم یذکرون ۔ اگر تم انہیں (بدعہد لوگوں کو) جنگ میں دیکھ لو تو انہیں ایسی سزا دو کہ پیچھے والے بھاگ جائیں تاکہ آئندہ کے لیے انہیں سبق آ جائے۔

اقتلوا هم حیث ثقفتموهم۔

ثقافت کیا چیز ہے؟ قرآنی لغت کے بڑے استاد حضرت امام راغبؒ نے

مفردات القرآن لکھی ہے اس کے برابر لغت کی دوسری کوئی کتاب نہیں۔ دورِ حاضر میں تو جشن روہی وغیرہ کو ثقافت کہتے ہیں مگر حضرت امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ الحذق فی الامور و فعله۔ کسی معاملے کو درست سمجھنا اوراس کے مطابق عمل کرنا۔ یہ ہے ثقافت کا معنی۔

ثقافت تو ہر چیز کی ہوسکتی ہے مگر یہاں نسبت ہے اسلامی۔ یعنی اسلامی ثقافت۔ جب اسلامی لفظ ساتھ لگ جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ (اسلامی امور کو درست سمجھنا اوران کے مطابق عمل کرنا)۔

قرآن کی ایک اور اصطلاح ہے۔ جس کا اصل اللہ تعالیٰ ہیں۔ تو قرآن کہتا ہے کہ اسلام کے سوا کسی انسان، کسی قوم، یا کسی ملک سے کوئی نظریہ آ جائے تو قرآن کی اصطلاح میں اسے جاہلیت کہتے ہیں۔ ایسی ثقافت کو (ثقافتِ جاہلیت) کہتے ہیں۔ افحکم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكماً لقوم يوقنون۔ اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا یقین کرنے والوں کے لیے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کافی نہیں۔ اب تم کشکول گداگری دوسرے کے سامنے پھیلا کر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو توڑتے ہو؟ یہ تو ثقافت کا مفہوم تھا۔

اب یہ بتلاتا ہوں کہ ثقافت کے مختلف شعبے ہیں۔

(جاہلیت کی ثقافت؟ یعنی کفار کی ثقافت) (۱) عورت کا ناچ گانا۔ (۲) شراب خوری۔ (۳) مال کو بے جا صرف کرنا۔ (۴) اللہ تعالیٰ اور آخرت کو بھولنا۔ (۵) فوٹو کھینچوانے کا عاشق بننا۔ یہ پانچ اجزاء ثقافت جاہلانہ اور کافرانہ ہیں۔

اس کے علاوہ اسلامی ثقافت ہے جو اللہ رب العالمین کی ثقافت ہے۔ جس طرح آگ اور پانی ایک نہیں ہوسکتے اسی طرح کافرانہ اور اسلامی ثقافتیں ایک نہیں ہوسکتیں۔ بدبخت یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کا آغاز جہاں سے ہوا ہے ثقافت اسلامی بھی وہیں سے آئی ہے۔ یعنی جہاں سے اسلام آیا ہے ثقافت اسلامی بھی وہیں سے آئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ قندھاری انار ہے۔ تو یقینی بات ہے کہ وہ انار دراصل قندھار سے چلا ہوگا۔ کیا کسی تاریخ میں درج ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اور خلفاء راشدین کے زمانے میں کلب گھر ہوں۔ عورتیں ناچتی ہوں۔ شراب نوشی ہو۔ فوٹو ہوں؟ اس وقت کیمرے نہیں تھے تو ہاتھ سے تو تصویریں انسان بنا سکتا تھا۔ مگر ایک تصویر بھی نہیں تھی۔ تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اس جاہلیت کی ثقافت سے پاک تھے۔

تو معلوم ہوگیا کہ جو لوگ کافرانہ ثقافت کو اسلامی ثقافت سمجھتے ہیں وہ آگ اور پانی کو ایک کرنا چاہتے ہیں۔ تو اسلامی ثقافت کے کئی عنوانات ہیں۔ کئی شاخیں ہیں۔

عندالمصائب اسلامی ثقافت کیا کہتی ہے؟ غم و مصیبت کے وقت قلب میں غم اور آنکھوں میں آنسوؤں کی اجازت ہے۔ باقی اس کے علاوہ سر پیٹنا، کپڑے پھاڑنا وغیرہ یا اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنا۔ رخسار پر پیٹنا وغیرہ یہ غلط اور کافرانہ عمل ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

عندالمسرات اسلامی ثقافت کیا ہے؟

مطلب یہ کہ اگر خوشی نصیب ہوتو کیا کرنا چاہیے؟ خوشی بڑی نعمت ہے۔ نعمت کے بدلے شکرادا کرنا چاہیے۔ولئن شکرتم لازیدنکم وان کفرتم فان عذابی لشدید۔فرمایا کہ اگر شکر کرو تو میں تمہیں بہت دونگا اور اگر کفرانِ نعمت کیا تو پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔

شکر کا معنی ہے صرف القوۃ فی الاطاعۃ۔یعنی اپنی طاقت کو اللہ تعالیٰ کی تابعداری میں خرچ کرنا۔مطلب یہ کہ زبان، کان وغیرہ ہر عضو کی طاقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف ہو۔

بچہ پیدا ہو۔نکاح ہو تو ان میں ہماری اپنی ایک ثقافت ہے ہم اپنی ثقافت کے پابند ہیں۔اسی طرح ہر کام میں اسلام اپنی ثقافت پیش کرتا ہے۔ولیمہ، حق المہر، یہ سب اسلامی ثقافت کے تحت سادگی سے ادا کرنے چاہییں۔جو چیز دین سے ٹکرائے وہ اسلامی ثقافت نہیں۔

ثقافت کا معنی ومفہوم اور نام ہماری عام بول چال میں تہذیب کے نام سے استعمال ہوتا ہے۔تو یوں ہوگا اسلامی ثقافت یا اسلامی تہذیب اس کے مقابل انگریزی ثقافت یا انگریزی تہذیب۔

ایک بنیادی چیز طے کرنی ہے۔اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اسلام اور مسلمان اپنے وجود اور ہستی ہیں۔نامسلمانی یعنی (کفر) سے ممتاز اور جدار ہیں۔یعنی اسلام امتیاز پر زور دیتا ہے کہ اسلام کا وجود غیر اسلام سے خلط ملط نہ ہو۔یا بالفاظ دیگر کہ اسلامی تہذیب غیر اسلامی تہذیب میں مدغم وضم ہوکر فنا نہ ہو جائے۔

اسلامی ثقافت یا تہذیب کا تحفظ خدا تعالیٰ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلوب ہے۔ اس کی عقلی ونقلی وجوہات بھی ہیں۔

ہمارے مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خان نے بہت زور دیا ہے کہ ہمارے معاشرے سے انگریزی تہذیب کا ایک ایک جز نکالو! اسلامی تہذیب کو محفوظ رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہماری حکومت بھی اس مسئلے کو خوب سمجھتی ہے کہ اسلامی تہذیب کا تحفظ ہو۔

اب ہم یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اسلام ایسا کیوں چاہتا ہے کہ اسلامی تہذیب غیر اسلامی تہذیب سے ممتاز و جدا رہے۔ دیکھو اس میں ہمارا فائدہ ہے خدا تعالیٰ کو فائدہ نہیں۔ اسلام ہماری بھلائی چاہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو چیز بنائی ہے اس کی خاص خصوصیات ہیں۔ تو اگر وہ خصوصیات اس چیز میں باقی ہیں تو وہ چیز بھی موجود ہے ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جدا اور ممتاز بنایا ہے کسی چیز کو خلط ملط نہیں کیا۔ گھوڑے کی ہستی گدھے کی ہستی سے جدا و ممتاز ہے۔ تو ہستی کو باقی رکھنے والی چیز یہی امتیاز اور جدائی ہے۔ تو ہستی کی حفاظت مطلوب ہے۔ اور محفوظ ہونی بھی چاہیے۔ اسی طرح انسان کی صورت حیوان سے اور سورج کی صورت چاند سے ممتاز اور جدا بنائی۔ ایک آدمی کی صورت دوسرے سے نہیں ملتی۔ سبحان اللہ کتنا امتیاز رکھا؟ صورت چھوڑ دو آواز بھی ایک دوسرے کی نہیں ملتی۔ کتنا عظیم امتیاز رکھا۔ معلوم ہوگیا کہ قدرت نے فطرت کائنات میں امتیاز رکھا ہے کیونکہ امتیاز میں تحفظِ وجود ہے۔ تو جب ان اشیاء میں امتیاز ضروری ہے تو اصل اسلام اور اصل کفر میں تو اور بھی زیادہ امتیاز

مقصود ہے۔ مثلاً مسلمانوں کی تہذیبی یا ثقافتی امتیاز اہل یورپ کی ثقافت سے۔ یہ اسلام کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ اسلام یورپی تہذیب کو مسلمانوں سے دور رکھنا چاہتا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ جو قوم اپنی ثقافت اور سابقہ روایات کو برقرار رکھے وہ قوم بہت لمبے زمانہ تک رہتی ہے اور اسے کوئی قوم یا طوفان ختم نہیں کرسکتا۔ تو وہ قوم زندہ رہتی ہے جو اپنی ثقافت پر ثابت قدم رہے۔ دنیا میں ایسی قوم ہندو دیکھی گئی ہے۔ بزدل اور بخیل ہونے کے باوجود بھی قائم ہے۔ یہ صرف اپنی ثقافت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ ہے۔

حضرت نظام الدینؒ کا دربان ایک ہندو تھا بہت عرصہ دربان رہا۔ کسی نے کہا کہ حضرت! یہ مسلمان نہ ہوا؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ قوم ثقافت میں مضبوط ہے کسی کی بات نہیں مانتی۔ مگر آج کا مسلمان ایسی قوم ہے کہ ہر طوفان اسے اڑا لے جاتا ہے۔ خیر حضرتؒ کی صحبت کی برکت سے ان کی وفات کے بعد وہ ہندو مسلمان ہوگیا۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ چلنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

میں آئین کے متعلق بات کررہا ہوں کہ یورپی آئین سے بچو۔ ان کی صنعت وحرفت کے متعلق نہیں کہہ رہا۔ سنو! یہ ہنر اور صنعت وحرفت بھی مسلمانوں کی تھی یورپ اس سے ناآشنا تھا۔ مسلمانوں نے جب اندلس فتح کیا تو اس وقت انگریز قینچی اور سوئی نہ بناسکتا تھا۔ یہ ہنرمندی انگریز نے مسلمانوں سے سیکھی ہے۔ اب تو مسلمان صرف ناچ گانے کے رہ گئے۔

عقلی طریقہ سے وضاحت کرتا ہوں۔ دیکھو ہم مسلمانوں کو قومی اور ملی وجود کی ضرورت ہے اور یہ اس وقت محفوظ ہے جب اس کی ثقافت محفوظ ہے۔ ثقافت سے قوم اور ملت کے وجود کو بقا ہے۔ گلاب کے پھول میں خوشبو نہ رہے تو وہ گلاب نہیں۔ وہ کاغذی گلاب ہے۔ تو اگر ہم نے اپنی خوشبو کو قائم نہ رکھا اور کسی دوسری قوم کی تہذیب اختیار کی یا اس کی روش اختیار کی تو ہم کاغذی پھول کی طرح ہونگے اور ایسی قوم مٹ جاتی ہے اسے بقاء نہیں ہوتی۔

دوسری عقلی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو ظاہری امتیاز بھی مطلوب ہے۔ مثلاً ختنہ کو لے لو یہ مسلمانوں کا ظاہری امتیاز ہے تو جب تحفظِ ملت ضروری ہے تو ختنہ کا بھی تحفظ ضروری ہے۔

یاایھاالذین امنوا لاتتخذوا الیھود والنصریٰ اولیاء۔

اے مومنو! یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔

اس سے ہمارا فائدہ ہے اللہ تعالیٰ کا فائدہ نہیں۔ اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو ایک ارادے سے یہود ونصاریٰ تو کجا پوری دنیا کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اگر ہماری تہذیب اور طرز زندگی، طرز خوراک، طرز لباس وغیرہ یورپ سے مشابہت رکھتا ہو تو ہم پھر ان میں سے ہوئے۔ کیونکہ آدمی چال اس کی اختیار کرتا ہے جس کو اپنا دوست سمجھتا ہو۔ اسلام نے دوستی کی مخالفت فرمائی ہے رواداری کی ممانعت نہیں فرمائی۔ دوست نہ بنانا یہ تعصب نہیں بلکہ حفاظت خودمختاری ہے۔ تو احسان اور رواداری کی ممانعت نہیں بلکہ دوستی کی ممانعت نہیں ہے۔ الفاظ ہیں اولیاء من دون المؤمنین۔ فرمایا کہ

مومنو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

جب سے ہم نے ان یورپیوں کو دوست بنایا ہے تو دیکھو کہ مسلمان دنیا بھر میں ذلیل کتنا ہے۔

لاینھکم اللّٰہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللّٰہ یحب المقسطین۔ جولوگ دین کے بارے میں تم سے نہیں لڑے اور تمہیں گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتے کہ تم ان کے ساتھ مروت سے پیش آؤ اور تم ان سے انصاف کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ اعتدال ہے۔ دل کی محبت پر کنٹرول ہو، انسانی رواداری ہو۔ یہ اسلام کا اصول ہے۔ دیکھو احسان ہاتھ یا زبان سے ہوتا ہے اور محبت دل سے ہوتی ہے۔ تو یہ ہے دین فطرت کہ احسان، بھلائی اور رواداری سے نہیں روکتا اسلام مگر دلی محبت سے روکتا ہے۔ کیونکہ دلی محبت سے غیر کا رنگ چڑھتا ہے۔ یہ فطرتی تقاضا ہے کہ جس سے محبت ہوگی اس کا رنگ چڑھے گا، اس کی روش اختیار کی جائے گی۔ اگر دوستی ہوئی تو رفتہ رفتہ ان کا لباس، پھر خوراک، پھر تہذیب اور بعد میں پھر ان کا دین پسند آنے لگے گا۔ اگر پوری دنیا کافر ہو جائے تو اللہ کو کوئی پروا نہیں۔ اس کی جہنم بہت کشادہ ہے۔

یوم تقول لجھنم ھل امتلئت وتقول ھل من مزید ۔ قیامت کے دن جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ اور چاہیے۔ مزید انسان چاہییں۔

حدیث شریف میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم ۔فرمایا کہ جو جس قوم کی شکل وصورت اختیار کرے گا وہ اسی میں سے ہوگا۔

دیکھو! قرآن وحدیث اور عقل تینوں نے کہا کہ اپنا تمدن، اپنی ثقافت قائم رکھو۔ دیکھو! انگریزوں کا ہنر اور صنعت کاری تہذیب میں شمار نہیں ہوتے۔تہذیب و تمدن اور ہنر وصنعت کاری یہ جدا جدا چیزیں ہیں۔صنعت وحرفت کے ہم قائل ہیں کہ صرف یورپ کے برابر نہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ چڑھ کر صنعت وحرفت میں ترقی کرو۔ آج ہمارے ملک کو بنے بیس سال گذر رہے ہیں مگر ایجاد میں صفر ہیں کوئی ایجاد نہیں کی۔چین ہم سے ایک سال بعد آزاد ہوا مگر ایٹم بم تک جا پہنچا۔بس ہمیں تو صرف پتلون چمٹانا آتا ہے۔ہمیں تو قرآن اسلحہ سازی کا حکم دیتا ہے۔واعدوالھم مااستطعتم۔فرمایا کہ اسلحہ سازی پر اپنی پوری قوت صرف کردو۔

تو یورپ کی صنعت کاری اور ہنرمندی لو اور اس کی گناہگاری مت لو۔مگر ہم نے اس کے برعکس کر رکھا ہے۔دیکھو! خدا تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ جب اس کی کسی نعمت کی قدر نہیں کی جاتی تو اللہ تعالیٰ وہ نعمت چھین کر دوسری قوم کو دے دیتا ہے۔ صنعت وحرفت تو ہماری نعمت تھی ہم نے اس کی بے قدری کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت چھین کر یہود ونصاریٰ کو دیدی۔

ثقافت کا (۱) اعتقادی شعبہ۔ (۲) اخلاقی شعبہ (۳) عملی شعبہ (۴) معاشرتی شعبہ (۵) سیاسی شعبہ وغیرہ ہیں۔زندگی کا ہر موڑ ثقافت کا ایک شعبہ ہے۔ اور ان میں اسلام نے ہمیں اصول اور تعلیم دی ہے۔اگر ہم ان اصولوں سے منحرف

ہوئے تو پھر قوم کو بقاء نہیں۔ ناچنے اور گانے کو ثقافت کہنا یہ ایسے ہے جیسا کہ پیشاب کو آب زمزم کہنا۔

اعتقادی شعبہ کے بارے میں یہ ہے کہ اسلام کے جو مخصوص عقائد ہیں اگر وہ عقیدے محفوظ ہیں تو اسلامی ثقافت موجود ہے۔ (۱) توحید (۲) نبوت و ختم نبوت (۳) مجادات اعمال و آخرت وغیرہ۔

توحید کی حقیقت اس جملے سے بہت بلند ہے کہ صرف یہ کہہ دینا کہ (خدا تعالیٰ ایک ہے) توحید کی حقیقت یہ ہے (کہ میں نے اپنی پوری کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی ہے۔ اور اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم ہے)

مگر آج قرآن کی باتوں کو کہتے ہیں کہ یہ ملاؤں کی باتیں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں تسلیم کرنا یہ توحید ہے۔

دوم چیز نبوت اور ختم نبوت ہے۔ سوا حضور نبی کریم ﷺ کی مقدس ہستی کے کسی دوسرے پیغمبرؑ نے اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی نہیں کی۔ تو حضور نبی کریم ﷺ کے مقدس اور پاکیزہ احکامات کو زندگی کے تمام شعبوں میں رائج کرنا اور آپ ﷺ کی زندگی مبارک کے طرز کی بھی پیروی کرنا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نبوت کی ۲۳ سال زندگی مبارک گذاری ہے۔ تو مجھے بتاؤ کہ آپ ﷺ نے کتنے جشن منائے ہیں؟ بس ایک سال میں دو عیدیں۔ حج اور جہاد کے جشن منائے ہیں۔ آپ ﷺ نے کتنے اونٹ نچوائے ہیں؟ حالانکہ اونٹ تو ہے بھی عرب کا جانور۔ جنہوں نے شرق و غرب فتح کیے ان میں انگریزی تعلیم کہاں تک تھی؟

تو اسلام نے ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں ایک ثقافت دی ہے اس پر چل کر ہماری بقاء ہے۔ زندگی، موت وحیات، خوشی وغمی، تندرستی و بیماری، مجلس وتنہائی، اخلاق وتعلیم ذکر وعبادت، وغیرہ ان سب میں اسلام ہمیں ایک ثقافت دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اس ثقافت پر چل کر اپنی بقاء کو محفوظ رکھیں۔

درس نمبر ۸

جمعۃ المبارک ۔۱۲۔اپریل ۱۹۶۸ء

معاشرہ کی تشریح

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

اسلامی ثقافت کے سلسلے میں آج اسلامی معاشرت کا بیان ہے۔

معاشرت عربی لفظ ہے۔ بولتے تو سب ہیں کہ معاشرہ درست کرو مگر پتہ یہ بھی نہیں کہ یہ لفظ کس زبان کا ہے۔ یہ لفظ عشرۃ سے نکلا ہے اور عشرۃ معنی دس اور دس عربی زبان میں کبھی بہت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی عشرۃ کا لفظ کثرت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ایک سے دس تک عدد ختم ہو گئے پھر احد عشر کہتے ہیں۔

مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ معاشرہ کو معاشرہ اس لیے کہتے ہیں کہ جب کسی قوم کا معاشرہ درست ہو تو۔ ایک آدمی دس یا اس سے بھی زائد آدمی بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کے محلے میں ایک سو آدمی رہتے ہیں اور وہاں اسلامی معاشرہ ہو تو وہ سب ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں تو ایسی صورت میں وہ ایک آدمی نہیں بلکہ سو ہیں۔ تو وہاں کا ہر ایک آدمی سو ہے۔ اور اگر معاشرہ درست نہ ہو تو وہ تنہا ہے ایک ہے اور باقی اس کے اردگرد سب دشمن ہیں۔

ہمارے معاشرے کا سرچشمہ قرآن وسنت ہیں۔ دیگر اقوام عالم سے صنعت

وحرفت تو درآمد کریں گے مگر معاشرہ درآمد نہیں کریں گے۔ آج چین سے تعلق ہوا تو جو کچھ لینا ہے لیں گے مگر اس کا معاشرہ نہیں اپنائیں گے۔ اس کا نظریہ اور افکار نہیں اپنائیں گے۔ اگر معاشرہ بدلا تو قوم کی خصوصیات بدل جائے گی۔ اگر معاشرہ بدل گیا تو پھر ہم کاغذی پھول بن کر رہ جائیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہود سے ۲۵ دفعات کا معاہدہ کیا تھا۔ اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ یہود اور مسلمان ایک دوسرے پر حملے کی صورت میں دونوں ملکر مقابلہ کریں گے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنے بڑے معاہدے کے باوجود کیا آپ ﷺ نے ان کا معاشرہ اپنایا تھا؟ نہیں۔ کیا ان کے افکار اپنائے تھے؟ نہیں۔ اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ ہوا تھا۔ کیا آپ ﷺ نے ان کے افکار اپنائے تھے؟ نہیں۔

نسوانی معاشرہ: اسلامی معاشرہ میں پہلی چیز نسوانی معاشرہ پر بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ عورتوں کا معاشرہ کس طرح ہونا چاہیے؟

عورت کا مسئلہ بھی عجیب ہے۔ آج ہر طرف دنیا کے کونے کونے میں یہ ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے کہ عورتوں کے حقوق۔ حقوق وغیرہ۔ پتہ کسی کو کچھ نہیں۔ عورتیں تعلیم یافتہ ہیں وہ بھی اس نسوانی ترقی کی طرف مائل ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جس قوم کے مرد بے علم ہوں اس قوم کی عورتیں کیا سمجھدار ہونگی؟

یورپ سے صنعت وحرفت لینی تھی مگر ان کی تہذیب وتمدن کو اپنایا۔ عورتوں کو بے پردہ کیا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم دی تا کہ خدا تعالیٰ کا قہر نازل ہو۔ لکل امة اجل فاذا جاء اجلهم لایستاخرون ساعة ولایستقدمون ۔ فرمایا کہ ہر امت

کے لیے موت ہے جب موت آئی تو ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہ ہوگی۔ یورپ کے محققین کو یقین ہے کہ یورپ کی جان کنی کا وقت قریب ہے۔ مگر مسلمان اس کے خوشامدی بنے پھرتے ہیں۔ وہ مر رہا ہے مگر مسلمان اس کے اتنے محبوب ہیں کہ اس کی پتلون نہیں اتارتے۔ نہایت افسوس ہے۔ اسلام اور اشتراکیت۔ نامی میری کتاب میں اس کی تفصیل پڑھ سکتے ہیں۔ عورت اور مرد دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ تو خالق سے بڑھ کر مخلوق کا کوئی ہمدرد نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وسیع العلم ہے وہ عورت اور مرد کی صحیح بھلائی جانتا ہے۔ اور اپنی شان اور علم کے مطابق نظام قائم کرتا ہے۔

مولو جون ایک یورپی مورخ ہے۔ اس نے ایک کتاب حضارۃ العرب نامی لکھی ہے۔ دوسری کتاب التشریعیۃ یہ کتاب اسلامی اور مغربی قانون کے تقابل پر یورپ میں لکھی گئی ہے۔ حضارۃ العرب کا مورخ لکھتا ہے کہ مسلمان جب تک اندلس میں نہ پہنچے تھے۔ وہاں پر خالص عیسائیت تھی۔ تو اس وقت تک عورتیں خالص جانور تھیں۔ یعنی ان سے جانوروں والا سلوک کیا جاتا تھا۔

میں روما کے قانون سے اب بھی یہ ثابت کرونگا کہ ان لوگوں نے یہ میٹنگ کی (کہ کیا عورتوں میں جان ہے کہ نہیں؟) گویا کہ یورپ میں عورت کو جاندار ماننا بھی مشکل تھا۔

(۱) یورپ میں روما کا بنیادی قانون ہے۔ تو اس قانون میں لکھا ہے کہ کوئی عورت خرید و فروخت نہیں کرسکتی۔

(۲) اور عورت کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی۔ اگر کسی چیز کی مالک بن گئی تو

وہ حقیقت میں مرد کی ہے۔ یہ بعینہ جانوروں والا حساب ہے۔ بیل اور گھوڑا جو کچھ کمائے گا وہ مالک کا ہوتا ہے۔

(۳) جب عورت کی باپ کے گھر سے رخصتی ہوگئی تو باپ کے خاندان سے اس کا تعلق بالکل ختم ہوگیا۔ یعنی اگر والدین مرجائیں تو اسے وراثت نہیں ملے گی۔

(۴) اگر والدین کے گھر سے رخصتی نہیں ہوئی صرف نکاح ہوا ہے تو پھر عورت شوہر کے خاندان کا فرد نہیں۔ لیکن اسلام نے کہا یہ دونوں غلط ہیں۔ ماں باپ کا رشتہ نہیں کٹ سکتا۔ اور رخصتی کے بعد جس طرح میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہیں اسی طرح اگر نکاح ہو اور رخصتی نہ ہوئی ہو تو اسلام میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

مولوجون نے اپنی کتاب حضارۃ العرب میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے اندلس کو فتح کیا تو ان کے آنے سے یورپ میں بھی عورت کو کچھ حقوق اور عزت مل گئی۔ کیونکہ مسلمانوں میں عورت کو پورے حقوق حاصل تھے۔

(۵) مولوجون لکھتا ہے کہ یورپ میں عورت اپنی مذہبی مقدس کتاب انجیل نہیں پڑھ سکتی۔ ہمارا قرآن فرماتا ہے۔ واذکرن مایتلی فی بیوتکن۔ تم اللہ کی کتاب پڑھا کرو گھر میں۔

ا۔ عورت کا تقدس: اسلامی معاشرہ میں عورت کا تقدس یعنی عورت واجب العزۃ ہستی ہے۔ عورت کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) بیٹی۔ (۲) بیوی۔ (۳) ماں۔ ان پر بحث گذر چکی ہے۔ یہ تقدس باعتبار حالات ثلاثہ ہے۔

۲۔تقدس اختیارات: وہ یہ کہ پوری دنیا نے عورت کو جن اختیارات سے محروم کیا اسلام نے عورت کو ان اختیارات سے سرفراز فرمایا۔ مثلاً (۱) علم دین حاصل کرنا۔ (۲) مال کی مالکیت۔ (۳) قانون وراثت۔ (۴) تعزیر قصاص۔ ان میں عورت و مرد دونوں برابر ہیں۔

بڑے بڑے علماء کرام نے عورتوں سے علمی استفادہ کیا ہے۔ کریمہؒ بنت احمد سے بڑے بڑے علماؤں نے ان سے پس پردہ علم حاصل کیا ہے۔

۳۔تقدس قانونی: خواہ قانونِ وراثت ہو یا قانون تعلیم ہو۔ سب میں عورت کو حقوق دیئے ہیں۔

۴۔قانونِ عصمت: اسلام نے دیکھا کہ عورت مقدس ہستی کے اندر ایک اور قیمتی چیز ہے۔ اس کا نام عصمت۔ ننگ و ناموس کی حفاظت۔ عورت کی عصمت کو اگر تحفظ نہ ہوا۔ کوئی خطرہ ہوا تو پھر عورت کی قیمت ختم۔ دیکھو موتی کا دانہ اگر ثابت رہے اور جس قدر موٹا ہو اس قدر قیمتی ہوگا۔ اور اگر ٹوٹ جائے تو اس کی قیمت نہیں رہتی وہ سیپ کے برابر بھی نہیں ہے۔ عورت کی عصمت جب تک محفوظ ہے تو عورت کی قیمت ہے ورنہ بے قیمت ہے۔

اللہ تعالیٰ عورت و مرد دونوں کی فطرت کا خالق ہے۔ وہی فطرت کو جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نظام کو بھی جانتا ہے جس سے دونوں کی عصمت محفوظ ہو۔ عورت کی زندگی سے اس کی عصمت کی قیمت زیادہ ہے۔ اس کی عصمت زیادہ قیمتی ہے۔ ابھی قریب ہی تقسیم ہند کے وقت جب مسلمان خواتین نے دیکھا کہ ہندو گھر میں داخل

ہو گئے ہیں اور عصمت کی حفاظت نہیں ہو سکتی تو ہماری خواتین نے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر اپنی عزت محفوظ رکھی اور زندگی کو ختم کر دیا۔ تو عورت کی زندگی سے اس کی عصمت زیادہ قیمتی ہے۔ مگر اب یورپی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ جو چیز جان دیکر محفوظ کی جاتی تھی اس کو آج ٹکوں میں بیچ رہے ہیں۔ سب سے افضل حج کا سفر ہے مگر وہ بھی اگر محرم نہیں تو عورت پر حج کی فرضیت نہیں۔ دیکھو حج کا سفر اگر چہ نیک سفر ہے مگر ایک فیصد عصمت پر حملے کا گمان ہے تو عصمت کی خاطر حج کو منع فرمایا ہے۔ مگر یہاں تو عورتوں کی ہمراہی میں جشن ہے۔ ناچ اور گانا بجانا ہے اور عصمت کی حفاظتی کوئی تدبیر نہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ کسی عورت کے ساتھ پردہ کی حالت میں بھی اس سے نہ ملے مگر جب تک کہ اس کے ساتھ محرم نہ ہو۔ حج کے رفقاء تو سب نیک لوگ ہوتے ہیں مگر اس نیک مجلس میں بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ لیکن یہاں تو مرد و زن کی مخلوط تعلیم ہے۔ تو ایسی صورت میں کن کن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے؟ پھر حج میں اکثر حاجی بوڑھے ہوتے ہیں یا پھر وہاں انتہائی خوف خدا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں خطرہ بھی بہت کم ہوتا ہے۔ مگر اسلام نے پابندی لگائی ہے۔ اور یہاں کالج میں تو دونوں طرف سے نوجوان ہیں۔

اسلام کا قانون: اب اسلام کے عظیم انتظامات دیکھئے۔ عورت کے متعلق تقدس کے سلسلہ میں کیا کیا انتظامات فرمائے؟ خالقِ کائنات نے جہاں جہاں اندیشہ تھا کہ فلاں فلاں مقام پر عورت کی عصمت کو خطرہ ہے تو وہاں قانون فرمائے۔

قانون قول وقرار: فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض و قلن قولا معروفاوقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلیة الاولی ۔فرمایا کہ کسی سے نرم طریقے سے بات نہ کرو کہیں اس کے دل میں بُرائی کی لالچ نہ پیدا ہو جائے۔ بات کو ذرا سخت لہجے میں کرو۔ اور اپنے گھر میں قرار پکڑ کر بیٹھو اور جاہلیت کے دور والی عورتوں کی طرح چکر نہ لگایا کرو۔

قانون حجاب: واجلب علیهن من جلا بلیبهن ۔فرمایا کہ تم اپنے بدن پر ایک چادر ڈال لیا کرو اگر باہر جانے کی ضرورت پڑے۔

قانون البصار: قل للمؤمنین یغضوا من البصارهم ویحفظوا فروجهم مومنوں کو کہہ دیجئے کہ عورتوں کو مت دیکھو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو قل للمومنات بغضفن من ابصارهن ویحفظن فروجهن ۔فرمایا کہ اے مؤمنات تم غیر مردوں کو مت دیکھو اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔

قانون شفقت فی صورۃ تقسیم: اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جو چیز کمزور ہو اس پر زیادہ مہربانی کرتا ہے۔ دنیاوی زندگی گزارنے کے دو پائے ہیں۔ ایک میاں اور دوسرا بیوی۔ تو اللہ تعالیٰ کو عورت کی کمزوری کا علم تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ فطرت ساز ہے اور مرد کی قوت کا بھی اسے علم ہے۔ تو شفقت فرمائی کہ گھریلو کام عورت کے سپرد کئے اور باہر کے محنت و مشقت کے کام مرد کے سپرد کئے۔ بیوی بننے کے بعد عورت کا سارا بوجھ مرد پر رکھا۔ عورت بالکل آزاد ہوئی۔ مرد کما کر لائے گا اور عورت کی ضروریات پوری کرے گا۔ لوگوں کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی اور عورت کو ضعیف کیوں بنایا ہے؟

یہ ایک غلط سوال ہے اس پر بعد میں بیان ہوگا۔ یہ لوگوں کی گپیں ہیں۔ جو انسان کا خالق ہے وہی قانون بھی دیتا ہے۔ تم کون ہو؟ ہر طرف سے شور وغوغا ہے کہ عورتوں کو تعلیم میں برابر کرو! کیا یہ تمہارے چیخنے سے برابر ہو جائیں گے؟ دیکھو یورپ اور امریکہ میں عورتوں اور مردوں کے حقوق برابر ہیں۔ مگر بتاؤ کہ پروفیسر اور مصنوعات جدیدہ کے بنانے والے مرد زیادہ ہیں یا عورتیں زیادہ ہیں؟ مرد ہیں۔ حالانکہ دونوں کے حقوق برابر ہیں۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کارساز فطرت کا اعلان نہیں؟ کہ ہم نے مرد کو قوی اور عورت کو ضعیف بنایا ہے۔ یہ فطری ثبوت تو خود امریکہ اور یورپ بنے ہوئے ہیں۔ کہ برابر برابر کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں مگر برابر کر نہ سکے۔ اب بھی تمہیں اس فطری قانون سے اختلاف ہوسکتا ہے؟ مگر دیکھو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے حساب وکتاب اور اجر میں فرق نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے قانونِ رحمت کے تحت قانون شفقت کے ساتھ مہربانی فرمائی کہ اولاد کی تربیت اور گھر کے کام کی تربیت وغیرہ عورت کے سپرد رکھی باقی سب کچھ کمانا مرد کے ذمے رکھا۔ کیونکہ عورت کو ایک تکلیف ایام کی ہے۔ دوسرا حمل اٹھانا۔ دودھ پلانا۔ ان سب کی تکلیف عورت کو ہے مرد کو نہیں۔ اس لیے عورت کے سپرد نرم کام رکھے۔ خاتون جنتؓ اپنے گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ گھر کے لیے کوئی خادمہ نہیں تھی۔

درس نمبر ۹

جمعۃ المبارک ـ ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء

قیامت کی اہمیت

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین ـ

شان جمالی کا بیان گذر چکا ہے اب شان جلالی کا بیان ہے ـ جمالی شان کے متعلق یہ کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور شان جلالی کا تعلق یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہے ـ اللہ تعالیٰ نے حکیمانہ طریقہ سے سمجھایا کہ اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے تو پھر تم لوگ اس کلام کے برابر کی دو سطریں لکھ دو ـ کیونکہ یہ قرآن ایک اُمّی ذات اقدس پر نازل ہوا ہے اور تم تو لکھے پڑھے ہو ـ اگر یہ انسان کا کلام ہے تو تم آسانی سے اس کے مثل بنا سکو گے ـ تو یہ اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ انداز تھا ـ جب اس نداز سے نہ سمجھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے حاکمانہ انداز سے بیان کیا کہ ''ایک ہیں انصاف والے جو دلیل سے سمجھ گئے'' (اور دوسرے وہ لوگ ضدی ہیں جو دلیل سے نہ سمجھے) اللہ تعالیٰ اس فرقے سے پاک رکھے ـ آمین ـ ضد پر اڑے رہے کہا ھٰذا ما وجدنا علیھا ابائنا ـ کہ ہم نے اپنے آباء کو اس پر نہیں پایا ـ

تو اب ضدیوں کے لیے حاکمانہ شان سے فرمایا کہ اگر تم نہیں مانتے تو فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکفرین ـ فرمایا کہ بچو تم اس

آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہونگے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ پہلے سے تیار ہے ان کے لیے جو حق کا انکار کرنے والے ہیں۔ یہاں سے قرآن پاک نے اپنا رخ توحید فی العبادت اور ثبوت نبوت سے قیامت اور مجازات اعمال کی طرف موڑ لیا۔

یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ قرآن کو الحمد للہ سے والناس تک پڑھیں تو ہر جگہ جنت اور دوزخ کا ذکر ملتا ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ تقریباً قرآن کا نصف حصہ اسی کے بیان سے بھرا پڑا ہے۔

حضرت شیخ منذریؒ نے پوری شریعت کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔ **الترغیب والترھیب للمنذری** ۔اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ انسانی اعمال یا تو وہ ہیں جن کا نتیجہ جنت ہے یا وہ ہیں جن کا نتیجہ جہنم ہے۔ اس وقت میں امام منذریؒ کی ترغیب وترہیب سے قیامت، مجازات اعمال، جنت و دوزخ پر نقل کے اعتبار سے بحث کرتا ہوں۔ نقل کا معنی یہ کہ خدا اور پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان سے بیان کرنا۔ (۲) پھر عقل کے اعتبار سے۔ (۳) پھر یہ کہ عقیدہ آخرت کا انسانی زندگی سے اس کا کیا تعلق ہے؟ یہ واحد مسئلہ ہے کہ جس کا ہر پہلو قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ عقیدہ ہی انسانی زندگی کی کڑی ہے۔ دیکھو دنیا میں ہر چیز کا اپنا صرف ایک نام ہوتا ہے مگر قیامت کی اہمیت کی وجہ سے اس کے بہت زیادہ نام ہیں۔ اس وقت سب نام تو تفصیل کے ساتھ ذکر نہیں کیئے جاسکتے۔ کثرت اسماء کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اہم چیز ہے۔ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ میں مختصر بیان کرتا ہوں۔ (۱) یوم

آخرت یا یوم آخر ہے۔ وبالاخرۃ ھم یوقنون ۔ یہ دن انسان کی قسمت اور انجام کے فیصلے کا دن ہے۔ آدمی گندم کاشت کرتا ہے اس کا آخر خرمن ہے یعنی گندم کا ڈھیر۔ یا آم کا باغ لگاتا ہے تو اس کا آخر آم کا ثمر ہے۔

(۲) علماء کرام کہتے ہیں کہ انھما آخر الایام القیامۃ۔ فرمایا کہ قیامت کھڑے ہونے کو کہتے ہیں یہ دن انتہائی لمبا ہے اور بہت سخت دن ہوگا مگر اتنی سختی کے باوجود اس دن کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ صرف کھڑے رہنے کا حکم ہے کوئی بیٹھے گا نہیں۔ تو زمین کی تپش۔ بھوک و پیاس۔ دن کی سختی پھر انسان کے اعمال کے انجام کا انتظار کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

(۳) قیامت کا تیسرا نام یوالفتح ہے۔ یعنی ہار جیت کا دن۔ ابدالآباد فتح ہوگی یا ابدالآباد شکست ہوگی۔

(۴) یوم التناد: یہ ندا سے ماخوذ ہے یہ ندا سے ماخوذ ہے۔ لوگوں کی اس دن بے انداز چیخ و پکار نکلیں گی۔ ہر آدمی ایک دوسرے کو پکارے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکثر یہ پڑھا کرتے تھے۔ اللھم انی اعوذبک من غضب الحلیم ۔ فرمایا کہ یا اللہ حلیم یعنی حوصلے والے یا صبر والے کے غضب و غصہ سے محفوظ رکھ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حلیم کے غصے اور سختی کا دن ہوگا۔ بے پرواذات سنے گی ہی نہیں۔ اللہ اللہ۔ دیکھو آج انسان دنیا میں کتنے مظالم اور گناہ کر رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ حلیم ذات ہے کہ ڈھیل دے رکھی ہے پکڑتی تک نہیں۔ مگر قیامت میں وہ حلیم ذات سنے گی نہیں۔

(۵) تغابن۔ یہ بھی قیامت کا نام ہے۔ ذالک یوم التغابن۔ غبن سے ماخذ ہے یعنی دھوکہ کا دن۔ آج ہر آدمی اپنے آپ کو عقلمند سمجھتا ہے۔ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ امریکہ اور روس کا صدر عقلمند تھا یا کہ وہ مُلا صاحب جو پھٹے پرانے کپڑوں والا تھا؟

(۶) یوم الدین۔ مالک یوم الدین۔ جزا کو کہتے ہیں۔ یعنی بدلے کا دن ہے کہ رتی رتی کا حساب ہوگا۔ اور حساب بھی ایسا ہوگا کہ خود اعمال کرنے والے کو بھی معلوم نہ ہوگا۔ یاد نہ ہوگا کہ فلاں عمل میں نے کیا تھا؟ علماء کرام فرماتے ہیں کہ جس عضوء نے گناہ کیا ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ بولنے کی قوت ڈالے گا وہ اپنے کردہ گناہ کا خود اعتراف کرے گا۔ حضرت شیخ اکبرؒ یہ کبار اولیاء میں سے ہیں صاحب کرامت بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ زبان سے کیوں نہیں بلوایا جائے گا؟ وہ اس لیے کہ مجمع اتنا بڑا ہے کہ خود اپنی زبان سے اتنے بڑے مجمع میں گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تو اس شرم کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے دوسرے عضوء کو کہا کہ تم خود بولو۔ من ستر المسلم ستره الله۔ فرمایا کہ جس نے اپنے مسلمان بھائی کا عیب چھپایا اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔ اس کے عیبوں کو چھپائے گا۔ اسی لیے ہمیں دوسروں کے عیب نہیں کھولنے چاہییں۔

(۷) الحاقة۔ یہ بھی قیامت کا نام ہے۔ الحاقہ یعنی وہ دن جس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۸) واقعة۔ واقعہ یعنی ہونے والا واقعہ۔ کہ جب ہو پڑے گی ہو پڑنے

والی چیز جس کے ہو پڑنے میں کوئی تردد نہیں۔

(۹) الخافضة۔ کہ ذلیل کرنے والا دن۔ آج جو فرعون بے سامان بنے بیٹھے ہیں یہ خس و خاشاک سے بھی زیادہ ذلیل ہونگے۔ یہ ذلت سامان آخرت نہ ہونے کی وجہ سے ہوگی۔

(۱۰) رافعة۔ کہ بلند کرنے والا دن۔ آج جنہیں دنیا میں لوگ غریب اور بے عزت سمجھتے تھے یا لوگوں کی نگاہوں میں کم حیثیت رکھتے تھے آج قیامت کے دن وہ بلند مرتبے اور عزت والے ہونگے۔ اور بڑے بڑے بادشاہ ذلیل ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزتیں مسجدوں سے تقسیم ہوتی ہیں دفتروں سے نہیں ہوتی۔ آج جنہیں معاشرے میں عزت نہیں دی جاتی قیامت کے دن اللہ انہیں اتنی عزت دے گا کہ بڑے بڑے بادشاہ ہیچ ہونگے اور حیران رہ جائیں گے۔

مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت والے ایک مرتبہ راولپنڈی گئے۔ وزراء ان سے ملنے کے لیے آئے۔ وزراء کا تعارف کرایا گیا۔ آپؒ نے فرمایا کہ بڑے بڑے لوگوں اور وزراء کا تعارف کرایا گیا مگر دل کو تسلی نہیں ہوئی۔ یہ تعارف دنیاداری کا ہے ہمیں تو اس چیز سے تعارف کراؤ جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں تعارف ہو کہ یہ نمازی ہے۔ درس قرآن دیتا ہے یا سنتا ہے وغیرہ۔ فرمایا کہ حقیقت میں جو چیزیں عزت کا معیار تھیں ان کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ان کا تو نام ہی نہیں لیا جاتا۔ اکبر مرحوم

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا کوئی جینٹ کوئی جج ہے

یہ صرف دس نام قیامت کے اختصار کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ تو قیامت کے ناموں کی کثرتِ تعداد اس کی عظمت اور اہمیت کی دلیل ہے۔ تو جو کچھ بیان کیا ہے یہ نقل کا ایک پہلو تھا۔ ایک تو یہ بیان کیا کہ قرآن کا اکثر حصہ قیامت، دوزخ اور جنت وغیرہ کے بیان میں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اور تمام پیغمبروںؑ کا فیصلہ جو یقینی فیصلہ ہے وہ یہ ہے کہ قیامت وآخرت آنے والی ہے۔ افسوس تو یہ ہوتا ہے کہ آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کا حکم نامہ کسی چپڑاسی کے ہاتھ پہنچے تو اس میں لوگ شک نہیں کرتے۔ مگر ایک لاکھ اور چوبیس ہزار پیغمبر علیھم السلام مقدس ہستیاں جو پروانہ، حکم نامہ اور آرڈر لائے ہیں اس کی تعمیل میں شبہ کرتے ہو؟

ایک شبہ یہ ہے کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ قیامت دور ہے۔ ابھی اس کی تیاری یا اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔ اگر ایک شہر آٹھ میل لمبا ہے۔ اس کے ایک کونے میں آگ لگ جائے تو دوسرے کونے والا یہ کہے کہ ابھی آگ بہت دور ہے۔ تو یہ دھوکہ ہے۔ یہ شیطان کے دھوکے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ **من مات فقد قامت قیامته** ۔ فرمایا کہ جو شخص مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ یعنی جس کو موت آجائے سمجھ لو کہ اس کے لیے قیامت آگئی۔ قبروں سے زندہ اٹھنے تک قیامتِ صغریٰ جانو! اور جب اٹھیں گے تو قیامتِ کبریٰ ہوگی۔

حضرت شیخ اکبرؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ نامہ اعمال کا دکھلانا دو وقت میں ہوگا۔ ایک تو وہ آخرت میں ہے ہی سہی اور دوسرا نزع کے وقت میں ہوگا۔ کہ جب آدمی کو موت آتی ہے تو میت کو نامہ اعمال دکھایا جاتا ہے۔ اگر اعمال نامہ اچھا ہو تو پھر

اس خوشی کی انتہاء نہیں اور اگر نامہ اعمال بُرا ہوا تو پھر اس ندامت کی بھی انتہاء نہیں۔

فکشفنا عنک عظاء ک فبصرک الیوم حدید۔

قرآن شریف کا اردو میں سب سے پہلا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے لکھا ہے۔ علماء کرام اس ترجمے کو الہامی ترجمہ کہتے ہیں۔ کسی نے حضرت عبدالقادرؒ سے پوچھا کہ حضرت! جہان آخرت سامنے ہے اس کے لیے آپؒ نے کیا تیاری کی ہے؟ تو آپؒ نے فارسی میں جواب دیا۔

روزِ قیامت ہر کسے باخویش دارنامۂ
من نیز حاضر مے شوم تفسیر قرآن دربغل

کہ میں تو قیامت کے دن قرآن کی تفسیر لے کر جاؤ نگا اور کہوں گا کہ چاہے جنت میں بھیجو یا جہنم میں بھیجو! میں تو یہ لے کر آیا ہوں۔

دیکھو قرآن کی سفارش کبھی رد نہیں ہوتی۔ تو قیامت چونکہ سخت چیز ہے اس لیے اس کی تاکید بھی بار بار کی گئی ہے۔ مثلاً قرآن میں نماز کا ذکر ایک یا دو مرتبہ وغیرہ آیا ہے مگر قیامت کا ذکر بار بار آیا ہے تاکہ انسان اس سے غفلت میں نہ رہے۔

قیامت میں ایک تو جمع المتفر قات ہے۔ وہ یہ کہ قبر میں بدن کا ذرہ ذرہ ہوگیا۔ انہیں قیامت کے دن جمع کر کے ایک جگہ کیا جائے گا۔ اسی لیے اس کو جمع المتفر قات کہتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور شہداء کا جسم مستثنیٰ ہے انہیں مٹی متاثر نہیں کرتی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور شہداء کی قبروں کو بہت طویل زمانہ بعد کھودا گیا ہے تو ان کے اجسام صحیح سالم پائے گئے۔

(النعمانیہ فی اخبار دولتہ عثمانیہ) میں ذکر ہے کہ حضرت علاؤالدینؒ اسود جو وقایہ کے شارح ہیں۔ان کے شاگرد نے اپنے استاد سے یہ روایت سنی تھی کہ عالم دین کے بدن کو زمین نہیں کھاتی۔شاگرد بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔جب اس کے استاد وفات پا گئے تو عرصہ تین سال بعد اس شاگرد نے استاد کی قبر کھودی کہ زمین نے استاد کو کھایا ہے کہ نہیں؟ تو قبر کھود کر دیکھتا ہے کہ جسم اور کفن دونوں محفوظ ہیں۔بعد میں قبر سے آواز آئی کہ تجھے یقین ہو گیا؟ خدا تجھے اندھا کرے۔وہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ قبر کھودنا سخت گناہ ہے۔ بامر مجبوری فقہاء نے کھودنے کی اجازت دی ہے۔مثلاً دفن کرتے وقت رقم گر گئی ہو۔یا دریا وغیرہ کے بہالے جانے کا خطرہ ہو۔ وغیرہ۔

حضرات انبیاءؑ کے بعد اگر صحیح حدیث ہے تو وہ مؤذن کے بارے میں ہے کہ جو شخص بلا اجرت اذان دیتا ہو تو زمین اس کے جسم کو نہ کھائے گی۔شہداء اور علماء کی حدیث سے یہ قوی حدیث ہے۔تو قیامت میں بدن کے ذرے ذرے جمع ہو کر جسم بنے گا پھر اس میں روح پڑے گی تو اس لیے اسے جمع المتفر قات کہتے ہیں۔

دوم چیز قیامت میں۔تبدیلی حقائق ہو گی۔تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کے پہلو کو بار بار سمجھایا۔

(۱) پہلی دلیل افرأیتم ماتمنون ۔فرمایا کیا تم نے وہ نطفہ دیکھا ہے (جس سے تم پیدا ہوئے ہو) ائنتم تخلقونه ام نحن الخالقون ۔کیا تم نے اسے بنایا ہے یا ہم نے؟

تو نطفہ خون سے بنتا ہے۔ اور خون خوراک بنتا ہے۔ خوراک کہاں سے آئی؟ دارچین سے زیرہ۔ کرمان سے کالی مرچ۔ ہندوستان سے۔ گندم مختلف جگہوں سے وہ بھی جو دانہ تمہاری مقدر میں لکھا تھا اسے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے جمع کیا اور گوشت وغیرہ ایک جانور کے مختلف حصوں کو تمہارے لیے اکٹھا کیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے مختلف مرچ مصالحہ وغیرہ کو کہاں کہاں سے لا کر تمہارے دسترخوان پر جمع کر دیا اور تمہیں پتہ بھی نہیں کہ یہ کھانے کے اجزاء کہاں کہاں پھیلے ہوئے تھے کس طرح اکٹھے کر دیئے اور ٹھیک ایک پلیٹ میں جمع کر دیئے۔ تو ان متفرقات سے خون اور پھر خون سے نطفہ بنا۔ تو کیا روزمرہ یہ متفرقات جمع نہیں ہو رہیں؟ کیا یہ جمع المتفر قات نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے اجسام کے ذرات کے جمع کرنے کا بھی میں انتظام کر دونگا۔ تو اگر شیطان یہ شبہ ڈالے کہ قیامت میں بکھرے ہوئے اجزاء کس طرح جمع ہونگے؟ تو اس کے لیے یہ جواب کافی ہے کہ جن اسباب سے نطفہ بنتا ہے وہ کتنے بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نطفے سے جان بنی۔ نطفہ بے جان تھا اس سے ہم نے جان بنادی۔ اسی طرح جسم کے پھیلے ہوئے متفرق ذرات کو جمع کر کے زندہ کریں گے۔

درس نمبر ۱۰

اتوار ۔ ۱۲ مئی ۱۹۶۸ء

مُردوں کا زندہ کیا جانا

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا ...... اعدت للکفرین۔

ابھی اس مسئلے پر بیان باقی ہے کیونکہ یہ اہم مسئلہ ہے۔ اور اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ خود ہماری زندگی کی ایک حالت ہے۔ جو ہمیں مرنے کے بعد پیش آنے والی ہے۔ تو اس دنیاوی زندگی کے بعد جو حالات پیش آنے والے ہیں اور ان میں کوئی شک وشبہ بھی نہیں۔ ان میں سب سے پہلے جو مرحلہ آنے والا ہے وہ ہے۔

(۱) موت۔ (۲) قبر۔ انسان چاہے جل کر مرے یا غرق ہو جائے وغیرہ یہ سب قبر ہیں۔ (۳) حشر۔ یعنی قبروں سے زندہ اٹھنا۔ (۴) نامۂ اعمال۔ (۵) شہادت اعضاء۔ کہ اعضاء کا خود گواہ بن جانا۔ (۶) شہادت الارض۔ زمین کا وہ ٹکڑا جس پر عمل ہوا وہ گواہی دے گا۔ (۷) شہادتِ انبیاءؑ۔ ہوسکتا ہے کہ انسان یہ عذر پیش کرے کہ میرے پاس کوئی احکامِ خدا پہنچانے والا نہیں آیا۔ تو حضرات انبیاءؑ گواہی دیں گے۔

(۸) وزنِ اعمال۔ (۹) پل صراط سے گذرنا۔ یعنی عبور عن الصراط۔

(۱۰) قصاص مظالم یہ پل صراط گذرنے کے بعد ہوگا۔ (۱۱) جنت ودوزخ جو انسان کی زندگی کی آخری منزل ہے۔ شکم مادر سے جو سفر شروع ہوا تھا وہ جنت ودوزخ پر ختم ہوا۔ یہ آخری ٹھکانہ آگیا۔

موت اور قبر کے متعلق تو پہلے بیان گذر چکا ہے۔ تیسری چیز حشر ہے۔ حشر کے لیے تین چیزیں قابل ذکر ہیں۔ مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جانا اس کو حشر کہتے ہیں۔ آسمانی مذاہب سب اس کے قائل ہیں۔ یعنی اسلام، یہودیت اور نصرانیت تینوں اس بات کے قائل ہیں کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ مگر آج ایسی تعلیم دی جا رہی ہے یقینی چیزوں میں بھی شک پیدا ہونے لگا ہے۔

مُردوں کا قبروں سے زندہ کیا جانا اس کے تین بنیادی ٹکڑے ہیں۔ (۱) بحث بلحاظ اِمکان۔ (۲) بحث بلحاظ قدرت۔ (۳) بحث بلحاظ حکمت۔ یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے جو خالق ہے مخلوق کا کام نہیں۔ یہ فعلِ خداوندی ہے۔

(۱) کہ خود مردوں کا زندہ کیا جانا ممکن ہے کہ نہیں یعنی غیر ممکن؟ تو دو معنی ہیں۔ رواجی اور علمی۔

رواجی: یہ کہ عرف اور عام دستور کے لحاظ سے یہ کام ناممکن ہے حالانکہ علمی معنی میں امکان ہے۔ تو بحث بھی فلسفی اور علمی معنی کے لحاظ سے بحث ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کام ہوسکنے کے قابل نہ ہو وہ ہوسکتا ہے۔ اور وہ ناممکن کام صرف ایک کام ہے۔ سب متفق ہیں۔ مثلاً ایک آدمی کہے کہ میری جیب میں اس وقت روپے ہیں بھی اور نہیں بھی۔ یہ ناممکن بات کہی۔ مثلاً کوئی کہے دو دو نے پانچ۔ تو یہ بات ناممکن ہے۔ اس کا معنی ہے کہ

نہ پانچ پانچ ہیں۔تو گویا اس نے ناممکن اور ممکن دونوں کہے۔ ہمارے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ایک جدید تعلیم یافتہ بہت بڑے فلسفی نے لکھا کہ میں شق القمر کے معجزے کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ یہ میرے نزدیک ناممکن ہے۔

حضرت تھانویؒ نے جواب لکھا کہ میں دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم ناممکن کا معنی نہیں جانتے۔فرمایا ناممکن۔درحقیقت ایک وقت میں نفی واثبات کا جمع ہونے کو کہتے ہیں۔اور یہ چیز فلسفہ میں بالکل واضح ہے۔لیکن عرفی معنی میں مشکل اور دشوار کو ناممکن کہتے ہیں۔تو میں پہلے مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جانا ذکر کرتا ہوں کہ یہ کام بالکل مشکل اور ناممکن نہیں۔کیونکہ اب یہ دیکھنا ہے کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کیا جانا امکان ہے۔یعنی ممکن ہے۔تو ناممکن وہ ہے جو کسی وقت بھی نہ ہو سکے۔مگر مُردوں میں جان ڈالنا تو کام ہے۔جو اللہ تعالیٰ روزانہ لاکھوں بچے پیدا کر رہا ہے۔اور پیدا بھی پانی کے قطرے سے کر رہا ہے۔تو ایک مردہ قطرے سے انسانی زندگی پیدا کی۔آج شیطان قلب میں شبہ ڈالتا ہے کہ یہ کام یعنی مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جانا ناممکن ہے۔حالانکہ پیدائش کا کام تو روزانہ ہو رہا ہے۔اگر آپ یہ کہیں کہ اس پانی کے قطرے میں زندگی کے جراثیم ہیں۔تو جس خدا نے پانی کے قطرے میں زندگی کے جراثیم پیدا کئے ہیں وہ قبر کی مٹی میں زندگی کے جراثیم نہیں پیدا کر سکتا؟ کیا پیشاب کی جگہ میں جاندار کیڑے پیدا نہیں ہوتے۔ یہ مردہ کو پیدا کرنا نہیں ہے؟ تو امکان ظاہر ہے کہ پہلے ایک قطرۂ آب مردہ نطفہ سے پیدا کیا۔ **کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون** ۔فرمایا کہ تم کس

طرح اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے پس تمہیں زندہ کیا۔ پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کیسی صاف بات ہے۔ دیکھو اب امکان میں تو شک نہیں۔ بس اتنا کہتے ہیں کہ بڑا مشکل کام ہے۔ سوال یہ ہے کہ میرے اور سارے انسانوں کے لیے مردوں کو زندہ کرنا مشکل کام ہے۔ تو کام دیکھا جاتا ہے قوۃ پر۔ اب اللہ تعالیٰ کی قوت کا اندازہ نہیں لگاتے کہ اللہ تعالیٰ روزانہ کتنے مردوں کو زندگی دے رہے ہیں یہ شکل انسانی اور حیوانی پیدائش ہے۔ قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ۔ فرمایا کہ ان مردہ اور بوسیدہ ہڈیوں کو وہ زندہ کرے گا جس نے پہلے زندہ کیا۔ تو معلوم ہو گیا کہ مردوں کو زندہ کرنا ناممکن بھی نہیں۔ اور مشکل بھی نہیں۔ کیونکہ مشکل فاعل یعنی کرنے والے کے ذریعے ہوتا ہے جب کرنے والا ہی خدا تعالیٰ ہے۔ تو پھر مشکل کیا؟ مثلاً چیونٹی اور ہاتھی ایک برابر نہیں۔ آج اگر چیونٹی کو کہا جائے کہ ہاتھی ایک جانور ہے جو بیس من بوجھ اٹھاتا ہے تو وہ کہے گی کہ یہ جھوٹ ہے۔ تو جس طرح چیونٹی نے اپنی طاقت کے ترازو سے ہاتھی کی قوت کو تولا۔ اسی طرح سے آج کل کے فلاسفر بھی کہتے ہیں کہ ہم نہیں کرسکتے تو اللہ بھی نہیں کرسکتا۔ أانتم اشد خلقاً ام السماء بنٰھا رفع سمکھا فسوھا واغطش لیلھا واخرج ضحھا والارض بعد ذالک دحھا۔ کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اسے بنالیا اونچا کیا اس کا ابھار پھر اسے برابر کیا اور اس کی رات اندھیری کی اور کھول نکالی اس کی دھوپ اور زمین کو اس کے پیچھے صاف بچھایا وغیرہ۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا بنانا مشکل ہے یا کہ آسمان وزمین کا بنانا مشکل ہے۔ دیکھو اگر اربوں آسمان جمع کئے جائیں تو ایک سیارہ کے برابر وزن نہیں رکھتے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمان وزمین اور سیارگان کی پیدائش کو تو مانتے ہو کہ ان کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مگر یہ کیوں نہیں مانتے کہ یہ کام کہ دوبارہ خدا تعالیٰ زندہ کرے گا کیوں نہیں مانتے؟ اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں درزی کوٹ اور شیروانی تو بنا سکتا ہے مگر چادر نہیں سی سکتا۔ کیا ایسا کوئی درزی ہو سکتا ہے کہ مشکل کام تو کر سکے اور آسان کام نہ کر سکے؟ دیکھو یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ انسان جو چیز بنائے تو پہلی بار اس کا بنانا مشکل ہوتا ہے مگر بار بار بنانے سے وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ وھوا ھون علیہ ولہ المثل الاعلی فی السموٰت والارض وھوالعزیز الحکیم۔

عقلی دلائل پیش کرنے کے بعد اب اشکال کے اسباب کا ازالہ کرتا ہوں۔

انسان کے بنانے میں دو کام مشکل ہیں (۱) کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو روح اور جسم الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ بدن مٹی میں ذرہ ذرہ ہو کر خاک بن گیا۔ تو پہلا کام جو انسان کے لیے مشکل ہے وہ ہے مٹی میں سے بدن کے ذرات کو یکجا کرنا اسے جمع المتفرقات کہتے ہیں۔ اور (۲) وہ یہ کہ مٹی والی حقیقت سے جسم وغیرہ بنانا اور روح ڈالنا یہ کام انسان کے لیے مشکل ہے اسے تبدیلی حقائق کہتے ہیں۔ گویا گوشت و پوست کو انسانی حقیقت میں تبدیل کرنا۔ یہ دونوں کام انسان کے لیے مشکل ہیں۔ وقالوا اذا کنا عظاما ورفاتاء انا لمبعوثون خلقا جدیداً۔ کفار کہا کرتے تھے

کہ جب ہم مرجاتے ہیں تو ہماری روح دوسرا جسم اختیار کر لیتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد علمنا ماتنقص الارض منهم۔ فرمایا کہ ہمیں یہ پتہ ہے کہ جب زمین میں آدمی ڈالا گیا تو زمین نے اس سے کیا کیا؟ زمین نے اجزاء کو ختم نہیں کیا بلکہ انہیں دوسری ھیت میں تبدیل کیا ہے۔ اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس آدمی کے بدن کے کتنے ذرات ہیں اور کہاں کہاں ہیں اور کتاب میں بھی موجود ہے۔ یعنی ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی پڑی ہے۔ وعندنا کتاب حفیظ ۔ فرمایا کہ الٰہی دفتر میں بھی درج ہے کہ فلاں ذرہ فلاں جگہ ہے۔ تو بنیادی اشکال دو ہیں۔ (۱) کہ منتشر اور بکھری ہوئی چیز کو جمع کرنا۔ یعنی جمع المتفرقات اور دوم (۲) تبدیلی حقائق۔ کہ گوشت و پوست وغیرہ چڑھانا۔

حضرت امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں بحث فرمائی ہے۔

(۱) فرماتے ہیں۔ افرأیتم ماتمنون أنتم تخلقونه۔ فرمایا ہے کہ کیا تم نے اس قطرہ آب کو دیکھا ہے جس سے انسان پیدا ایا بنتا ہے؟ اس قطرے کو بنانے والا کون ہے؟ جہاں انسان بنتا ہے وہاں تو کسی کے ہاتھ کا جانا بھی ناممکن ہے۔ ام نحن الخالقون ۔ یا کہ ہم بناتے ہیں اس نطفے کو؟ تو اللہ رب العزت نے سمجھایا کہ نطفہ خون سے بنتا ہے اور خون خوراک سے اور خوراک زمین کے ذروں سے جمع ہوتی ہے۔ تو فرمایا کہ یہ نقشہ تو روزانہ تمہارے سامنے ہو رہا ہے کہ مصالحہ جات۔ جانوروں کا گوشت وغیرہ۔ گھاس کہاں پیدا ہوئی کس نے رکھوالی کی۔ پانی کہاں کہاں سے گذر کر آ پہنچا۔ گھاس کس نے کاٹی جو جو پودا یا شاخ اس بکری کے حصے میں تھی اس نے کھائی پھر اس

کے من بھر گوشت میں انسان کے لیے چھٹانک کے وزن برابر گوشت کس حصے کا تھا۔ بعض اوقات قصاب چند بکریوں وغیرہ کا گوشت ملا کر دیتا ہے۔ اسی طرح گندم کس کس کھلیان سے بوری میں دانے آئے اور اس آدمی کے حصے میں کون کونسا دانہ ہے وہ سب ایک وقت میں خدا تعالیٰ جمع کر دیتا ہے وغیرہ۔ یہ کام قدرت ہر وقت کر رہی ہے مگر یہ بندہ احسان فراموش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کرتا۔ تو مردوں کا زندہ کرنا وغیرہ اس ذات کے لیے مشکل چیز نہیں۔

(۲) افرأیتم الماء الذی تشربون أنتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون ۔ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے۔

اگر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسانا بند کر دے تو زمین پر ایک قطرہ پانی کا بھی نہیں ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس پانی برسانے میں بھی تمہارے لیے نمونہ موجود ہے جس سے تم مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے کے شک کو ختم کر سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سورج کی شعاعوں کا بھی محتاج نہیں بس وہ کام ایک قاعدے قانون کے تحت کرتا ہے کہ سورج کی شعاعیں سمندر میں پڑیں اس سے بخارات اٹھے تو بادل کی شکل بنا دی وغیرہ۔ تو جمع المتفرقات اور تبدیلی حقائق بھی فرما دی۔ تو جب تم بارش پر غور کرو گے تو اس میں جمع المتفرقات اور تبدیلی حقائق دونوں نظر آئیں گی۔ قرآن ہمیشہ عام فہم بیان کرتا ہے کیونکہ گہری سوچ وفکر والے اشخاص تو بہت کم ہوتے ہیں تھوڑی سمجھ بوجھ والوں کی اکثریت ہے اس لیے قرآن ان تھوڑی سمجھ بوجھ والوں کو مدنظر رکھتا ہے۔

تا کہ زیادہ تعداد فائدہ حاصل کرے۔

(۳) افرأیتم ماتحرثون أنتم تزرعونه ام نحن الزارعون ۔ بھلا دیکھو تو جو تم کاشت کرتے ہو کیا تم اس کو کرتے ہو کھیتی یا ہم ہیں کر دینے والے کھیتی۔

جو کچھ تم کاشت کرتے ہو تو ہم اس تخم کی حیثیت کو ختم کرتے ہیں۔ وہ جب تک گل سڑ کر ختم نہ ہو تو اس وقت تک پودا نہیں نکلتا۔ تو دانہ جب تک گل سڑ کر مٹی نہیں بنتا اور اپنے آپ کو فنا نہیں کر دیتا اس وقت تک پودا نہیں نکلتا۔ اسی طرح تمہارے بدن کا دانہ قبر میں مٹے گا تو پھر ہم اس کو پودے کی طرح زندہ کریں گے۔ مٹی کو پودا کیا تو یہ تبدیلی حقائق کی۔ تو اسی طرح تمہاری قبر کی خاک کو بھی تبدیلی حقائق کر کے تمہیں زندہ کریں گے۔ زمین امانتدار ہے خیانتدار نہیں۔ زمین کو تو تخم دیکر یہ واضح کرنا ہوتا ہے کہ ہم نے یہ چیز تم سے لینی ہے۔ دیکھو جب زمین گندم اور جو وغیرہ کا دانہ ضائع نہیں کرتی وہ انسان کے قیمتی تخم کو کسطرح ضائع کرے گی؟ لیکن وقت پر اگائے گی۔

(۴) افرأیتم النار التی تورون أنتم انشأ تم شجرتها ام نحن المنشئون ۔ بھلا دیکھو تو آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا تم نے پیدا کیا اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنے والے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آگ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ دیکھو کوئلہ یا لکڑی انہیں اگر انسان پیس کر بھی دیکھے تو آگ نظر نہ آئے گی۔ مگر اسے ذرا ماچس لگاؤ تو آگ نکل آئے گی تو اس میں تبدیلی حقائق تو یہ ہے کہ لکڑی میں آگ معلوم نہیں ہوتی مگر آگ اس سے پیدا کی اور پھر اس میں جمع المتفرقات بھی فرمایا۔

(۵) وانزلنا من السماء ماء فاحیینابه بلدة میتا ۔ فرمایا کہ ہم نے

بادل سے پانی برسایا ہے۔تو اس سے ہم نے ایسی بستی کو زندہ کیا ہے جو خشک سالی کی وجہ سے مردہ پڑی تھی۔

دیکھو زمین کے اندر لکڑی، گھاس وغیرہ کے تخم موجود تھے مگر یہ مردہ تھے۔ جب ان پر بارش پڑی تو یہ زندہ ہو گئے۔تو قیامت کے دن جب انسان کے متفرقات جمع ہو جائیں گے تو عرش معلیٰ سے بارش برسے ہوگی جس سے وہ خاکی قالب انسانی شکل میں آجائے گا۔ پھر یہ زندگی ہمیشہ رہے گی۔ کیونکہ عرش الٰہی کی بارش کے قطروں سے زندگی ملی جس طرح اللہ تعالیٰ لازوال ہے اسی طرح اب زندگی بھی لازوال ہوگی۔ تو جس طرح ہم نے پانی سے مردہ بستی کو زندہ کیا جو خشک سالی کی وجہ سے مردہ پڑی تھی۔اسی طرح ہم تمہیں بھی قبروں سے نکالیں گے۔ذالک یوم الخروج۔

اسی طرح تمہارا بھی قبروں سے خروج ہوگا۔

جہاں تک امکان کے سلسلہ میں معاملہ تھا وہ بھی صاف اور جہاں تک قدرت کے تحت تھا وہ بھی صاف ہو گیا۔اب اس کی حکمت کی بحث بعد میں بیان کرونگا۔ان مسائل سے اس لیے دلچسپی ہے کہ یہ خود ہماری انسانوں کی تاریخ ہے۔تو آخرت کو جاننا ایسا ہے کہ اسے اپنی تاریخ کو جان لینا ہے۔

درس نمبر ۱۱

جمعۃ المبارک۔ ۱۷ مئی ۱۹۶۸ء

اِعجازِ قرآن

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کم من دون اللّٰہ۔

پہلے آیت کا ترجمہ سُن لو۔ اللہ تعالیٰ منکرین اور کفار سے خطاب فرماتا ہے کہ اگر تم شک میں ہو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتاری ہے۔ تو اس کے برابر کوئی چھوٹی سی آیت لاؤ۔ اور اپنے شرکاء کو بھی بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں کر سکتے ہو۔ تو تم اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

حقیقت حال یہ ہے کہ قیامت کا قائم کرنا یا مردوں کا زندہ کیا جانا یعنی دوبارہ زندہ کیا جانا اور یہ فیصلہ ہونا کہ اس کے بعد ہمیشہ کا ٹھکانہ یا جنت ہو گا یا جہنم ہو گی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا آسان ہے جس طرح ہمیں بات کرنا آسان ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی قوت کو اپنی طاقت سے تولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے سمجھ انسان کو یہ مسئلہ ہر پہلو سے سمجھایا ہے۔ فو رب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون۔ سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔

ہمیں تو اللہ تعالیٰ کی وسعت معلوم نہیں۔ آج ہم جتنا قیامت کے قریب ہوتے جارہے ہیں اتنا اسی سے غافل ہیں۔ قرآن نے اس بات کی طرف پہلے اشارہ کردیا ہے۔ اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلةٍ وهم معرضون۔ نزدیک آگیا لوگوں کے ان کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر ٹلا رہے ہیں۔

دیکھو یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ سائنس دان ہونے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکے۔ امریکہ سیاروں کے بارے میں رپورٹ دیتا ہے کہتا ہے کہ ہمارے علم میں جو چیزیں نہیں آئیں وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ لیکن کائنات میں ڈیڑھ ہزار کھرب ایسے سیارے موجود ہیں جن میں زمین کی طرح آبادی پائی جاتی ہے۔ دیکھو صرف کہکشاں میں ایک سو ارب سے زائد سورج ہیں جو ہمارے سورج کی طرح ہیں۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت۔ اور خود سورج کتنا ہے؟ سورج ہماری زمین سے ۱۲ لاکھ اسی ہزار گنا سے بھی زائد ہے۔ وہ زمین بھی ملا لو جو پانی سے نیچے ہے۔ سورج بڑا ہے۔ دیکھو اللہ کی شہنشاہی کی وسعت۔ یہ یورپی سائنسدان اتنا جاننے کے باوجود بھی ایمان سے محروم ہیں۔ قرآن کا بیان حقیقت میں عقلی رنگ کا بیان ہے۔ چند آیتیں پہلے گذر چکی ہیں اب تقریباً چھٹی آیت بیان کرتا ہوں۔

(٦) أنتم اشد خلقاً ام السماء بنها رفع سمكها فسوها ۔ کیا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا اس نے اسے بنالیا اونچا کیا اس کا ابھار پھر اسے برابر کیا۔

ان دلائل کے بعد کون بدبخت مُردوں کو دوبارہ اٹھانے کا منکر ہوگا؟ یہ دوبارہ زندہ کرنا بھی ایک کام ہے اور سیارگان کی پیدائش بھی ایک کام ہے۔ ان دونوں

کاموں میں مشکل کام بلکہ مشکل ترین کام کھربوں سیارگان کی پیدائش ہے۔مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے سے یہ سیارگان والا کام مشکل ہے۔تو اللہ تعالیٰ کیلیے یہ دونوں کام انتہائی آسان ہیں۔

(۷)وھوالذی یبدؤالخلق ثم یعیدہ وھوا ھون علیہ ولہ المثل الاعلی فی السمٰوٰت والارض۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ کام کرنا تو مشکل کام نہیں بلکہ پہلی بار مشکل ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو دوبارہ کاروائی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ کام کرنے سے پہلی بارکام کرنا مشکل ہوتا ہے۔

پہلے بھی یہ آیت بیان کرآیا ہوں فورب السماء والارض انہ لحق مثل ماانکم تنطقون۔فرمایا کہ قیامت حق ہے جیسا تمہاری بات کرنا ہے۔یعنی جب تم کوئی بات ایک مرتبہ کہہ دیتے ہو کیا وہ بات تم دوبارہ نہیں کرسکتے؟ تو انسان جو قول وفعل پہلی بار کرتا ہے وہ قول وفعل دوبارہ بھی کرسکتا ہے۔تو کیا اللہ جل جلالہ (نعوذباللہ) دوبارہ فعل کرنے سے عاجز ہیں؟

(۸)وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ۔فرمایا کہ اللہ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہواوراپنے آپ کوبھول جاتے ہو کہ ایک ناچیز قطرے سے تمہیں کس طرح بنایا۔اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہواوراپنے آپ کوبھول جاتے ہو۔من یحی العظام وھی رمیم ۔کہ کون بوسیدہ ہڈیوں کوزندہ کرے گا؟قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلقٍ علیم ن الذی جعل لکم من

الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منه توقدون ۔تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار وہ سب بنانا جانتا ہے جس نے بنا کر دی سبز درخت سے تم کو آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو۔

عرب میں ایسے درخت ہیں کہ سبز درخت کو آگ میں ڈالو تو ایک طرف ان سے پانی ٹپکے گا اور دوسری طرف ان سے آگ بھڑکے گی۔ ہمارے ہاں بانس کے درخت کو دیکھو کہ یہ بھی جتنا سبز ہوگا اتنا زیادہ جلے گا۔تم نہیں دیکھتے ہو کہ موت اور زندگی ایک دوسرے کی مقابل چیزیں ہیں۔ کہ موت ہوگی تو زندگی نہ ہوگی اور زندگی ہوگی تو موت نہ ہوگی۔ اسی طرح پانی ہے تو آگ نہ ہوگی آگ ہوگی تو پانی نہ ہوگا مگر ہم نے اپنی قدرت سے وسیع کر کے دکھایا ہے کہ من الشجر الاخضر ناراً۔سر سبز درخت میں آگ اور پانی دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر دیا۔ فورب السماء والارض۔اس میں واؤ قسمیہ ہے یہ آیت جب ایک بدو نے سنی تو بیہوش ہو کر گر پڑا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ ہمارا رب قسم کھانے پر آ گیا ہے۔ یہ صرف ہمیں تاکید کی جارہی ہے کہ قسم ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ غافل نہ رہو۔

(۹) دلیل یہ ہے واذقال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔جب کہا ابراہیم نے اپنے رب کو کہ مجھے دکھاؤ کہ مردہ کو کس طرح زندہ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے یقین نہیں ہے۔عرض کی یقین تو ہے لیکن اطمینانِ قلب کے لیے۔ یہاں شبہ پڑتا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو یقین نہیں۔تو حضرت ابراہیمؑ کی پوزیشن صاف کر دی کہ سوال کس

طرح کا ہے؟قال اولم تؤمن ۔فرمایا کیا تجھے یقین نہیں قال بلیٰ عرض کی کہ یقین تو ہے ولکن لیطمئن قلبی ۔لیکن میں زندہ کیا جانے کا نقشہ دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ بے چین دل کو چین نصیب ہو۔حضرت ابراہیمؑ کا سوال کیفیت احیاء کا تھا۔یعنی پیدائش کی طرز کیا ہوگی۔اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک درزی بہترین جبہ سی سکتا ہے لیکن ایک شخص کہتا ہے ارنی کیف تخیط الجبۃ ۔کہ مجھے دکھادو کہ آپ جبہ کیسے سی سکتے ہیں۔باوجود اس کے کہ یہ شخص اس درزی کے جبہ بنانے کا قائل تھا مگر تسلی کے لیے کہا کہ مجھے دکھادو کہ تم جبہ کس طرح سیتے ہو۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایافخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ۔فرمایا کہ چار پرندوں کوٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ کہ تمہارا خدا بلا رہا ہے۔تو وہ تمہارے پاس آجائیں گے۔قدرت اگر چاہے کہ ساری کائنات خاکستر ہو جائے۔تو منٹ سے پہلے خاکستر ہو جائے۔اور اگر زندہ کرنا چاہے تو منٹ سے پہلے دوبارہ زندہ کردے۔

او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا ۔بخت نصر کے حملے سے بیت المقدس کھنڈرات بن چکا تھا۔ اس حال میں جب حضرت عزیرؑ کا وہاں سے گذر ہوا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟

فاماتہ اللہ مأۃ عام ثم بعثہ ۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں موت واقع کردی اور وہ سوسال اس حالت میں رہے پھر زندہ کردیا۔قال کم لبثت ۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ اے عزیر تم کتنا عرصہ ٹھہرے ہو۔ آپؑ نے عرض کی قال لبثتُ یوماً اوبعض یوم ۔ کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہونگا۔ قال بل لبثت مأة عامٍ ۔فرمایا کہ تو تو سوسال ٹھہرا ہے۔ فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنه ۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنی قوت اور قدرت کا مظاہرہ فرمارہا ہے۔ فرمایا کہ سوسال گذرنے پر بھی تیرے انگور اور انجیر تروتازہ پڑے ہیں ان کا شیرہ خشک نہیں ہوا۔ اور کچھ روٹیاں طعام تھیں وہ ویسے ہی گرم پڑی ہیں ۔ سبحان اللہ۔ وانظر الی حمارک ولنجعلک ایته للناس ۔ اور اپنے خچر سواری کو دیکھو کہ مرکر ڈھانچہ ہو چکا ہے۔ اور یہ لوگوں کے لیے ہم نے نشانیاں بنائی ہیں۔ وانظر الی العظام کیف ننشزھاثم نکسوھا لحما ۔ اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں۔ فلما تبین له قال اعلم ان اللّٰه علی کل شئی قدیر ۔ پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھے معلوم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳) تیسرا واقعہ حضرت موسیٰؑ کا مشہور واقعہ ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص کا چچازاد بھائی بڑا دولتمند تھا اور لاوارث تھا تو اس نے اپنے چچازاد بھائی کو قتل کر کے لاش دوسرے کوچے میں ڈال دی تا کہ بدنام وہ ہوں اور فائدہ مند میں ہوں۔ تو لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا گائے ذبح کرو۔ جس قوم میں جذبہ عمل نہیں ہوتا وہ ہمیشہ سوالوں کی بھرمار کرتی ہے۔ بنی اسرائیل سوال کرتے گئے اللہ تعالیٰ بھی انہیں سخت شرائط میں مقید کرتے گئے۔ اس میں بھی ایک خاص حکمت تھی۔

ایک شخص بہت نیک اور بہت اچھے کردار کا مالک تھا اس کی ایک گائے اور ایک بچہ ملکیت تھی وہ جب مرنے لگا تو اس نے کہا یا اللہ یہ بچہ اور یہ گائے تیرے حوالے کرتا ہوں تو ان کا محافظ ہو کہ اسے جنگل کے درندے نہ کھائیں۔ تو ان سخت شرائط پر صرف یہی گائے اتری۔ اس وقت ۳ درہم میں عمدہ گائے ملتی تھی بنی اسرائیل ۲۴ درہم دینے پر آمادہ تھے۔ اس بچے نے کہا میں والدہ سے پوچھ آؤں والدہ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے مطلع کر دیا تھا کہ تم زیادہ رقم کا مطالبہ کرنا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کذالک یحی اللہ الموتیٰ۔ فرمایا کہ جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا ہے اسی طرح قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تو گائے کے گوشت کے بغیر بھی زندہ کر سکتا تھا مگر خاص حکمتیں تھیں کہ یتیم کو فائدہ پہنچے اور اس کے دیندار باپ کی بات کی قدر کی جائے۔

(۴) چوتھا واقعہ سورۃ بقرہ میں ہے۔ وھم الوف حذر الموت ۔فرمایا کہ ہم نے اس پوری قوم کو حکم دیا کہ مر جاؤ ثم احیاھم ۔ پھر ہم نے پوری قوم کو زندہ کیا۔ پوری قوم وباء یا کسی اور وجہ سے گھر بار چھوڑ کر موت کے ڈر سے نکل پڑی تو اللہ کے حکم سے وہ سب مر گئے پھر سات دن بعد پیغمبرؑ کے دعا سے زندہ کئے گئے۔

یہ تو سب انسانی مردہ کو زندہ کرنا ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تو اپنے معجزہ سے مردہ لکڑی کو زندہ کیا۔ استن حنانہ۔ جس سے آپ ﷺ سہارا لیکر خطبہ فرمایا کرتے تھے جب منبر بن جانے کے بعد اسے چھوڑا تو وہ رونے لگا حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خطبہ چھوڑا اور اس کو آ کر بچوں کی طرح تھپکی دی۔ پھر فرمایا کہ تو انسان بننا چاہتا ہے یا جنت میں جانا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی جنت میں۔ تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے دفن کردو! تو وہ وہیں دفن کر دیا گیا۔ شارحین لکھتے ہیں کہ زندہ کرنے کا یہ معجزہ سب انبیاءؑ کے معجزوں سے بڑھ کر ہے۔ آسمانی شریعتوں کے مالک تین ملتیں ہیں۔ مسلمان، یہود، نصاریٰ۔ اور اجماع الانبیاءؑ یہ سب قیامت کے قائل ہیں اگر کرہ ارضی کے سب نیک اور سچے لوگ مل کر کسی چیز کی گواہی دیں اور دوسری طرف ایک پیغمبرؑ گواہی دیں تو پیغمبرؑ کی گواہی سچی اور انتہائی وزن دار ہوگی۔ عقل اور فلسفوں کی راہ سے خدا تعالیٰ کو کیا تلاش کرو گے؟ اسے تو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے تلاش کرو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی آواز ایک ہے اور فلاسفروں کی آوازیں مختلف ہیں۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کا قول ایک ہے اور فلاسفروں کے اقوال مختلف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کا تذکرہ تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ **قد افلح من تذکی و ذکر اسم ربہ فصلی بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم و موسیٰ۔** بے شک بھلا ہوا اس کا جس نے نفس کو پاک کیا یعنی پاک وصاف ہو کر اور اس نے اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی بلکہ تم بڑھاتے ہو دنیا کے جینے کو اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ لکھا ہوا ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحفیوں میں۔

ایک عباسی بادشاہ نے محل بنوایا محل بہت ہی خوبصورت تھا۔ اس نے اعلان کرایا کہ لوگ آ کر دیکھیں اور اگر کوئی نقص ہو تو اسے درست کر دیا جائے۔ خوشامدیوں

کی تو کمی نہ تھی سب نے تعریف کی مگر ایک اللہ والا درویش بھی آیا اس نے کہا کہ اس میں دو عیب ہیں (۱) یہ کہ جب تو مر جائے گا تو یہ تو رہے گا مگر تو نہ ہوگا یعنی یہ تیرا ہمیشہ ساتھ نہ دے گا اور (۲) دوسرا عیب یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے بادشاہ نے تجھے شکست دی تو یہ تیری زندگی میں ہی تیرے دشمن کو اپنے اندر جگہ دے گا۔

ہر کرا خوابگہ آخر مشت خاک است
گوچہ حاجت کہ برافلاک کشتی ایواں را
(حافظؒ)

ترجمہ: جس شخص کی آخری آرام گاہ قبر ہے اُسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنے محل کو آسمان تک اونچا لے جائے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بڑا سامان کیا ہے۔

طبقات الارض میں لکھتے ہیں کہ زمین کے اندر ۱۳سو درجہ کی گرمی ہے اور پانی کو ابالنے کے لیے ایک سو درجہ کی گرمی کافی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے اندر دوزخ ہے۔ اور دوم یہ کہ سمندر کا پانی کیوں کھاری ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نیچے دوزخ ہے۔

دوزخ کی حقیقت کے اسباب سب کے سب دنیا میں موجود ہیں۔ آپ ایک ہائیڈروجن بم کو دیکھ لیں کہ اس میں ایسی قوت ہے کہ پوری دنیا کی لڑائیوں میں اب تک جو بارود استعمال ہوا ہے اتنی قوت کا بارود صرف ایک ہائیڈروجن بم میں موجود

ہے۔ آخر بم بھی تو اسی زمین کے اجزاء سے بنا ہے۔ سورج کی ساری گرمی کے اگر دو سو کروڑ حصے بنائے جائیں تو ان میں سے صرف ایک ٹکڑے کی گرمی ہم تک پہنچتی ہے اور اب سورج ۹ کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن صرف ایک میل دور ہوگا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ ان تپش اور گرمی کے تمام ذرات کو بشمول سورج کی ساری گرمی کو حکم فرمادے کہ تم سب اکٹھے ہو جاؤ تو کیا یہ قیامت نہ ہوگی؟ تو دنیا میں قیامت کے اسباب موجود ہیں۔

تو بتانا یہ مقصود ہے کہ دنیا میں جتنی ردی چیزیں ہیں یہ جہنم میں ڈالی جائیں گی اور جتنی اچھی اور عمدہ چیزیں ہیں یہ جنت میں ڈالی جائیں گی۔

درس نمبر ۱۲

۱۹ مئی ۱۹۶۸ء

مرضِ کائنات

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا۔

قیامت کا بیان جاری تھا۔ آج ثبوتِ قیامت کے سلسلہ میں عقلی دلائل کا بیان ہے جبکہ نقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں۔ قیامت کا آنا یقینی ہے مگر اس کی تاریخ کا علم نہیں۔ جیسے موت یقینی ہے مگر اس کی تاریخ کا علم نہیں۔ کائنات کا مرنا اور ایک آدمی کا مرنا درحقیقت دونوں چیزیں ایک جیسی ہیں۔ مثلاً جب ایک آدمی فنا ہو جاتا ہے تو کہتے کہ مر گیا اور جب کائنات مر جائے گی یا فنا ہو جائے گی تو اسے قیامت کہتے ہیں۔ تو ہر شخص اور کل عالم دونوں کو موت ہے۔

(۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر جو انسان مرتا ہے تو اس کے بدن کو کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے جو رفتہ رفتہ مر جاتا ہے اور کبھی اچانک مرتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ قلب فیل ہو گیا۔ قلب کا فیل ہونا بھی ایک بیماری ہے۔ جس طرح ایک آدمی پہلے بیمار ہوتا ہے پھر وہ بیماری بڑھ کر ایسی حد پر پہنچتی ہے کہ وہ مرض لاعلاج ہو جاتا ہے تو پھر آدمی مر جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح کائنات مریض ہوگی اس کی بیماری بڑھتے بڑھتے ایسی حد کو پہنچے گی کہ اب اس کا علاج ممکن نہیں یعنی لاعلاج ہوگی تو پھر کل عالم یعنی

کائنات کو موت واقع ہوگی جسے قیامت کہتے ہیں۔

انسان۔ حیوانات۔ نباتات وغیرہ کی بیماریاں الگ الگ ہیں۔تو پوری کائنات کو ایک جسم مراد لیا جائے۔تو کائنات کو مرض آتا ہے۔ پھر لاعلاج ہوتا ہے پھر حکم ہوتا ہے کہ مر جائے۔تو کل تین حالتیں ہوئیں۔ (۱) مرض، (۲) لاعلاج ہونا، (۳) موت کی حالت۔تو کائنات کی بھی تین حالتیں ہیں۔ مرض، لاعلاج ہونا اور موت کی حالت۔ انسان اس وقت مرتا ہے جب اس کی جان نکل جاتی ہے۔اسی طرح کائنات کی بھی جان ہے جب اس کی جان نکلے گی تو اسے موت واقع ہوگی کائنات کے اس مر جانے کو قیامت کہتے ہیں۔ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اشراط الساعۃ کا باب باندھا ہے یعنی قیامت کی علامات۔ چاہے ہم سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر حضرات انبیاء علیہم السلام کی نگاہ مبارک گہری ہوتی ہے۔

لاتاتیکم الساعۃ الا بغتہ۔فرمایا کہ قیامت اچانک آئے گی۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ آدمی بازار کپڑا خریدنے گیا ہوگا ایک گز لپیٹ چکا ہوگا ابھی دوسرا گز نہیں لپیٹا ہوگا کہ قیامت آجائے گی۔ اچانک جو حادثہ ہو اس میں زیادہ ہیبت ہوتی ہے اور جو حادثہ رفتہ رفتہ آئے اس میں اتنی ہیبت نہیں ہوتی۔اور پھر فرمایا کہ **کلمح بالبصر او ھو اقرب**۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے میں کوئی وقت بھی نہیں لگے گا بلکہ آنکھ کی جھپک سے بھی پہلے آئے گی۔ باقی یہ نہیں بتلایا گیا کہ کب آئے گی؟ اس میں بھی خاص حکمت ہے۔

تو ایک انسان کی جان ہے جو تم جانتے ہو اور ایک کائنات کی کی جان ہے (وہ ہے بندگی) حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اپنی کتاب تقریر دلپذیر میں فرماتے ہیں کہ جب گھوڑا زخمی ہو جائے تو وہ سواری کے قابل نہیں رہتا۔ تو سائیس رکھا ہے گھوڑے کے لیے اور گھوڑا سواری کے لیے۔ اب اگر گھوڑا نہ ہو تو سواری ختم اور سواری ختم تو سائیس ختم۔ تو حضرت مولانا نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ زمین سے آسمان تک کی کائنات خدمتِ انسان کے لیے اور انسان بندگیٔ خدا تعالیٰ کے لیے جب بندگی ختم تو کائنات ختم۔ یہ بعینہ قرآن وحدیث میں ہے۔ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ۔فرمایا کہ ہم نے جن وانس کو عبادت کے لیے بنایا ہے۔ مگر آج اس انگریزی تعلیم کے دور میں سب سے فضول کام عبادت کو سمجھا جاتا ہے۔ کارخانے وغیرہ کا ملازم اگر نماز پڑھنے جائے تو کہتے ہیں کہ یہ وقت ضائع کرتا ہے۔ (نعوذ باللہ) قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے چاند وسورج اور زمین وآسمان تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے یعنی کائنات آپ کے کام میں لگا رکھی ہے۔ تو کائنات انسان کی خدمت کے لیے اور انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے۔ جب انسان بندگی ختم کر دے گا تو کائنات ختم کر دی جائے گی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب تک ایک آدمی بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہو گا اس وقت تک قیامت قائم نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ مقصد حل ہے کہ مقصد ہے عبادت وطاعت وہ ہو رہا ہے چاہے ایک شخص بھی ہو۔ تو جہان کی زندگی عبادت اور طاعت سے وابستہ ہے۔ انسان میں بندگی اور طاعت کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) زیادہ، (۲) کم۔ جس طرح گائے کو دیکھو کہ بچہ دینے

کے بعد شروع میں زیادہ دودھ دیتی ہے بعد میں رفتہ رفتہ تھوڑا کرتی جاتی ہے۔ بعد میں کم کر دیتی ہے مگر دودھ تو دیتی ہے نا! چاہے تھوڑا کیوں نہ ہو۔ تو اسے قصاب کے حوالے نہیں کرتے۔ تو اسی طرح کائنات میں بندگی کچھ نہ کچھ بھی رہ جائے تو کائنات کی جان رہے گی مگر جب مقصد بالکل ختم ہو جائے گا تو کائنات کو ختم کر دیا جائے گا۔

تو مرض کی علامت یا علامتیں ہوتی ہیں اسی طرح قیامت کی بھی علامتیں ہیں۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے کہ مریض میں کچھ علامات دیکھ کر ڈاکٹر کہدے کہ یہ مرجائے گا بچتا نہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ تم نیک اعمال میں سستی نہ کرو۔ شیطان تمہیں دھوکہ دیتا ہے کہ اب تو جوانی ہے بڑھاپے میں توبہ کرلیں گے۔ کیا ہمیں موت کا علم ہے کہ جوانی میں نہیں آئے گی؟ اور پھر بڑھاپے میں بھی توبہ نصیب ہوگی کہ نہ؟ کیونکہ بچپن کے گناہ سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے کارندوں کو حکم جاری کیا تھا کہ نماز اہم امور میں سے ہے جس نے اس کی حفاظت کی وہ دیگر امور کی بھی حفاظت کرے گا اور جس نے اسے ضائع کیا وہ دیگر امور کو ضائع کریگا۔ اسلام نے نماز کے علاوہ باقی امور میں سہولت برتی ہے مگر نماز میں انتہائی تاکید ہے۔ مثلاً روزہ کو لے لو یہ کتنا اہم عمل ہے مگر مرض اور سفر کی حالت میں رعایت رکھی گئی ہے۔ اسی طرح زکوۃ فرض ہے مگر سال میں کسی بھی وقت ادا کرے تو کرسکتا ہے یا ساری عمر زکوۃ نہیں ادا کرتا آخری عمر میں جاکر پچھلے سالوں کی زکوۃ اکٹھی ادا کر دیتا ہے تو فرض کی ادائیگی ہوگئی لیکن نماز کو دیکھو کہ

مرض کی وجہ سے ھیئت بدل کر پڑھے گا قضاء نہیں کرسکتا۔ بیٹھ کر، لیٹ کر، اور اشارے وغیرہ سے کسی نہ کسی صورت میں ادائیگی ضروری ہے۔ تو نماز اہم امر ہے۔

پہلے زمانے میں دین کی جستجو ہوتی تھی حضرت امام اعظمؒ کی والدہ ایک سادہ لوح عالم وقت کی معتقد تھیں ایک بار حضرت امام اعظمؒ کو فرماتی ہیں کہ ان سے فلاں مسئلہ پوچھ آؤ! جب حضرت امام اعظمؒ ان کے پاس پہنچے تو مولوی صاحبؒ نے کہا کہ میں آپ کو کیا بتلا سکتا ہوں تو حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا کہ مسئلہ میں بتلا دیتا ہوں آپ مجھے بیان کردیں میں جاکر والدہ صاحبہ کو بیان کردیتا ہوں۔ تو یہ تھی خواتین کو دین کی جستجو۔ مطلب یہ کہ تحقیق کی جاتی تھی۔

اسلام کی تعلیم کے جو اثرات انسان پر وارد ہوتے ہیں وہ دیگر کسی تعلیم سے پیدا نہیں ہوسکتے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نومسلم تھے ان کی والدہ سکھ تھی آپ کو کہتی کہ بوٹا سنگھ چلو مجھے گردوارے میں چھوڑ آؤ! ایک دن آپ مدرسے میں درس بخاری پڑھا رہے تھے والدہ کو پہنچانے میں دیر ہوگئی والدہ نے عین درس کے دوران جوتے سے پٹائی شروع کردی کہ تو نے دیر کیوں کردی! مارتے مارتے بیٹھ گئیں پوچھتے ہیں اماں جان آپ نے مارنا بند کردیا ہے یا کہ تھک گئی ہیں؟ والدہ نے کہا کہ تھک گئی ہوں۔ حضرت مولانا اٹھے والدہ کے ہاتھ پاؤں دبانے لگے یہ ہے اسلام کی تعلیم۔

قیامت کے قریب گھر گھر میں فتنے پیدا ہونگے۔ ان فتنوں کو رات کے ٹکڑوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح رات میں مکمل تاریکی ہوتی ہے اسی طرح تاریک فتنے پھیلیں گے۔ ایسے فتنے پیدا ہونگے کہ گمراہ کرنے والے اتنی تعداد میں

ہو نگے کہ ایک مرد صبح کے وقت ٹھیک ٹھاک مؤمن تھا مگر بری صحبت کی وجہ سے شام کو وہ کافر ہو جائے گا۔ دوسرا یہ فرمایا کہ دین کو دنیاوی فائدہ کے بدلے بیچ ڈالے گا جو معمولی سے فائدے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ تو اس صورت میں یوں سمجھو کہ انسان کی بندگی یا جہان کی بندگی مریض ہوگئی کہ ہمیشہ رہنے والی اخروی زندگی کو نہ رہنے والے دنیاوی زندگی کے بدلے فروخت کر دیا۔ یہ ہے مرض۔ مرض چاہے انسان کو لاحق ہو چاہے جہان کو۔ جب مرض لاعلاج ہو جائے تو موت آتی ہے اس طرح جہان کی بیماری جب لاعلاج ہو جائے گی تو قیامت آجائے گی۔

ایک صحابیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قیامت کب آئے گی؟

بخاری شریف: **قال اذا ضیعت الامنة فانتظر الساعة قال کیف اضاعتها قال اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔**

فرمایا کہ جب امانت ضائع ہو جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔ اس فرمان پر حضرات صحابہ کرامؓ حیران ہو گئے کیونکہ اس وقت تو کافر بھی خیانت نہ کرتا تھا۔ تو پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی عہدہ کسی نالائق کے سپرد ہو جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔

جس طرح آج کل امیروں کو عہدے دیئے جاتے ہیں چاہے وہ اس مسند کے لائق بھی ہو یا نہ ہو۔ پھر وزیروں کے اقارب کو دیئے جاتے ہیں پھر وزیروں کے دوستوں کو اس کے بعد ان لوگوں کو عہدے دیئے جاتے ہیں جو خدمت زیادہ کریں یعنی رشوت زیادہ کھلائے یہ صورت تو ہے نہیں کہ غریب جو لائق ہے اسے عہدہ دیدیا جائے

کیونکہ وہ نہ وزیروں کا رشتہ دار ہے اور نہ وہ رشوت دے سکتا ہے۔تو یہ جہان کا مرض ہوا جو قیامت کے آنے کا سبب بنے گا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بہت جلیل القدر صحابی ہیں فرماتے ہیں کہ میرا ایک رشتہ دار تھا اس نے کہا میری درخواست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کرو کہ یمن میں ایک آسامی خالی پڑی ہے وہاں مجھے تعینات فرمادیں۔ چنانچہ سفارش کی گئی مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قطعی جواب فرمادیا۔انا لا نولی علیٰ امرنا هذا ۔فرمایا کہ جو عہدہ کا طالب ہو اسے ہم محروم رکھیں گے کیونکہ وہ لالچی ہے عہدہ ملنے کے بعد کیا کرے گا؟

دوسری حدیث مبارک ہے۔ان یرفع العلم ویکثر الجهل ویکثر الزنا ویکثر شرب الخمر ویقل الرجال ویکثر النساء حتی یکون لخمسین امرأة القیم الواحد وفی روایة یقل العلم ویظهر الجهر ۔

ترجمہ: فرمایا کہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا(علماء کرام کی وفات کی صورت میں)جہالت بڑھ جائے گی زنا اور شراب نوشی کی کثرت ہوگی مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ علم علمِ دین کا نام ہے اور جب علمِ دین ختم ہوگا تو قیامت آجائیگی تو اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کا مٹنا یا ختم ہونا یہ کائنات کا مریض ہونا ہے اور جب مرض بڑھے گا تو کائنات کی موت واقع ہوگی جس کا نام قیامت ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی علامات میں سے ہے کہ لوگوں میں کفار کے طرز کی محبت بڑھے گی اور دین اور دین والوں کی طرز کی محبت کم ہوگی۔ دیکھو آج کل یہ نہیں ہو رہا کہ علماء صاحبان اللہ کا نسخہ شفاء بار بار پیش کر رہے ہیں مگر ہمارے مرض میں ایک فیصد بھی فرق نہیں آیا تو پھر اس کا یہ جواب نہیں کہ اب مرض لاعلاج ہے۔ مرنے کا وقت آ گیا ہے۔

یہ بعینہ اس طرح ہے کہ جب ڈاکٹر تمام طریقہ ہائے علاج مریض پر آزما لیتا ہے اور اسے شفاء نہیں ہوتی تو اسے کہتا ہے کہ اب تم لاعلاج ہو گھر چلے جاؤ۔ یہ حالت یورپ میں ہے الحمد للہ یہاں ابھی یہ نوبت نہیں پہنچی۔

درس نمبر ۱۳۱

اتوار ۔ ۲ جون ۱۹۶۸ء

قیامت میں کون کون گواہی دیں گے

(اور حقیقتِ پل صراط)

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتو بسورة من مثله............ وهم فیها خٰلدون۔

آخرت کی عظیم عدالت جو پیش آنے والی ہے اور ہم سب کو وہاں جانا ہے اس عدالت کی کاروائی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو فرمائی ہے اسے امورِ آخرت کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے۔

آخرت کی عدالت میں اللہ تعالیٰ کی شہادت اور گواہی کے ضابطہ سے بھی کام لیں گے اور جہاں تک قرآن وحدیث کا تعلق ہے تو آخرت کی ایک ایک چیز قرآن و حدیث نے پیش کی ہے۔

کل شہادتیں چار ہیں۔ (۱) شہادۃ الرسل۔ (۲) شہادۃ الملائکہ۔ (۳) شہادۃ الاعضاء۔ (۴) شہادۃ المکان۔ کہ جس جگہ پر گناہ کیا ہوگا زمین کا وہ ٹکڑا گواہی دے گا کہ یہ گناہ مجھ پر کیا گیا تھا۔

شہادۃ الرسل کے معنی: کہ قیامت کے دن کی سختی کو دیکھ کر کفار کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ ان تقولو ما جاءنا من بشیر ولا نذیر۔ کہ خوشخبری اور ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ فقد جاء کم بشیر و نذیر۔ پس تحقیق تمہارے پاس میرے پیغمبر آئے ہیں۔ فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید وجئنابک علی هؤلاء شهیدا۔ پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر گواہ۔

اور جو لوگ حضرات انبیاء علیھم السلام کی وقت نہیں تھے یعنی بعد میں پیدا ہوئے ان کی گواہی علماء کرام دیں گے۔ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا۔ پھر ہم نے وارث کئے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں میں۔

تو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے گا کہ ہمیں دین نہیں پہنچایا گیا۔ علماء کرام کی گواہی کو شہادۃ ابلاغ کہتے ہیں۔

دوسرے حضرات انبیاءؑ کی امتیں تو یقیناً انکار کر دیں گی کہ ہمارے پاس دین نہیں لایا گیا۔ کوئی نبی نہیں آیا۔ تو اللہ تعالیٰ ان انبیاءؑ سے فرمائے گا کہ تمہارے پاس کوئی گواہ ہے کہ تم نے انہیں احکام پہنچائے تھے تو وہ پھر اپنی گواہی امت محمدی ﷺ سے دلوائیں گے۔ وکذالک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس۔ فرمایا کہ تم دو گواہی باقی رسولوں کی امتوں پر اس لیے تم کو بہتر پیدا کیا ہے۔

مقدمے میں آگے چل کر گواہ پر جرح کی جاتی ہے۔ تو پھر جب امت پر جرح ہوگی تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمہاری گواہی دیں گے ویکون الرسول علیکم شهیدا۔ فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تمہارے معتبر

گواہ ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن خاص گواہ فرشتے ہونگے۔ وجاءت کل نفس معها سائق و شهيد ۔ فرمایا کہ ایک فرشتہ گھسیٹ کر لے جائے گا اور دوسرا فرشتہ اسے پیش کرے گا۔

شارحین کرام لکھتے ہیں کہ یہ فرشتے کراماً کاتبین ہونگے۔ فرشتے تو گناہوں سے پاک ہیں ان کی گواہی میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

شہادۃ الاعضاء: اليوم نختم على افواههم وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم بما كانوا يكسبون ۔ فرمایا کہ قیامت کے دن منہ پر مہر لگ جائیگی اور ہاتھ پاؤں اپنے کیے پر بولیں گے۔

جس دن ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے تو وہ لوگ کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیوں بول رہے ہو؟ وہ اعضاء کہیں گے کہ ہمیں بُلوانے والے خدا نے بولنے کا حکم دیا ہے اس کے حکم سے بول رہے ہیں۔

اس بارے میں قرآن یوں فرماتا ہے۔ وقالوا لجلودهم لم شهدتم علينا قالوا انطقنا الله الذى انطق كل شئى وهو خلقكم اول مرة واليه ترجعون۔

ترجمہ: اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو تم نے کیوں بتلایا ہم کو وہ بولیں گے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار اور اسی کی طرف پھیرے جاتے ہو۔

شہادۃ مکان۔اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا و قال الانسان مالھا یومئذٍ تحدث اخبارھا۔

ترجمہ: جب ہلا ڈالے زمین کو اس کے بھونچال سے اور نکال باہر کرے زمین اپنے اندر سے بوجھ اور کہے آدمی اس کو کیا ہوگیا اسی دن کہہ ڈالے گی وہ اپنی باتیں۔

یومئذ تحدث اخبارھا ۔فرمایا کہ جس دن زمین اپنے واقعات بتلائے گی۔حضرت مجاہدؒ نے فرمایا ہے تخبر عما عملوا بھا ۔فرمایا کہ وہ زمین خبر دے گی اس واقعے کی جو واقعہ اس پر ہوا۔

ایک علم کسبی ہوتا ہے اور ایک الہامی۔آسان مثال سے سمجھاتا ہوں کہ جب مرغی انڈوں پر بیٹھتی ہے تو اسے خدا تعالیٰ بذریعہ الہام خبر دیتا ہے کہ اب تیرا بچہ تیار ہوگیا ہے اب انڈے کو توڑ تاکہ بچہ باہر آئے۔تو میرا بتانا یہ مقصود ہے کہ قبروں سے اٹھنے کے ساتھ نامہ اعمال کا رسم الخط اور اس کا علم سب لوگوں کو الہامی طور پر سمجھا دیا جائے گا۔یہ کام خدا تعالیٰ کا ہے جو اس کے لیے آسان ہے۔اقراء کتابک کفی بنسفک الیوم علیک حیسباً۔

ترجمہ: پڑھ لے اپنی کتاب تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔

تو نامۂ اعمال دینے کے لیے ہر شخص کو اس کے دنیاوی نام سے پکارا جائے گا۔اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اچھے نام رکھو تاکہ اچھے ناموں سے پکارا جائے توحید والے نام رکھو شرک والے ناموں سے بچو۔مثلاً غوث بخش، پیر بخش وغیرہ

یہ نام بارگاہ خداتعالیٰ میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

قرآن نے آخرت کے تمام احکامات کو ذکر کیا ہے۔ **وان منکم الا وار دھا**۔ فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نے پل صراط پر سے گذرنا ہے۔ **کان علی ربک حتما مقضیا ثم ننجی الذین اتقوا ونذرُ الظلمین فیھا حبثیاً**۔ اس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر کہ بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گناہگاروں کو اس میں الٹے گرے ہوئے۔

اب ذرا پل صراط کے بارے میں مختصر عقلی بحث کرتا ہوں۔ قرآن وحدیث میں ہے کہ آخرت پر اعمال کی حکومت ہے۔ کہ وہاں جو کچھ ہوگا وہ عمل پر منسوب ہے۔ جیسا عمل ہوگا ویسا معاملہ ہوگا۔

لیلتہ المعراج میں جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جدامجد حضرت ابراہیمؑ سے گذرے جو جنت میں ایک درخت سے سہارا لگا کر بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ جنت کا رقبہ موجود ہے جوں جوں انسان عمل کرتا ہے ویسے ہی یہاں عمارت بنتی جاتی ہے۔ فرمایا کہ ہر ایک چیز ایک عمل کی شکل ہے۔ کوئی عمل نہر بنتا ہے اور کوئی درخت اور کوئی مکان وغیرہ۔ تو پوچھا گیا کہ جنت میں درخت کس عمل سے بنتے ہیں؟ فرمایا **سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر** پڑھنے سے درخت بنتا ہے۔

میں ھادی الارواح کتاب دیکھ رہا تھا اس میں لکھا ہے کہ جب آدمی سبحان اللہ کہتا ہے تو وہ ایک نورانی جسم بن کر عرش پر جاتا ہے اور عرش معلیٰ پر چکر لگاتا ہے اور

شہد کی مکھی کی طرح گنگناتا ہے اور وہ گنگنانا کیا ہوتا ہے وہ اس پڑھنے والے کی تعریف کرتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ ہادی الارواح میں لکھتے ہیں کہ جنت میں تمام عبادتیں ختم ہو جائیں گی صرف دو عبادتیں باقی رہیں گی۔

(۱) قرآن شریف کی تلاوت کیونکہ وہاں کے درجات قرآن شریف کی تلاوت پر ہیں۔

(۲) ذکر اللہ کیونکہ مسلم شریف میں ہے کہ دنیاوی زندگی سانس سے وابستہ ہے اور جنت کی زندگی ذکر اللہ سے وابستہ ہوگی۔ وہاں ذکر اللہ سانس کا قائم مقام ہوگا۔ جس طرح یہاں سانس بلا تکلیف لیا جاتا ہے اسی طرح وہاں ذکر اللہ بلا تکلیف لیا جائے گا۔ اس لیے تو وہاں کی زندگی کو بقا ہے کیونکہ ہوا کو بقا نہیں تو اس سے حاصل شدہ دنیاوی زندگی کو بھی بقا نہیں۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جنت اور جہنم میں جو کچھ ہیں یہ سب تمارے اعمال کے نقشے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ شریعت کو بھی ایک شکل میں تبدیل کرے جس طرح قرآن و حدیث کو حوض کوثر کی شکل میں تبدیل کیا ہے۔ آدمی کا جتنا علم ہوگا اتنا حوض کوثر سے پانی نصیب ہوگا۔ جسر ممدود علی ظهر جهنم۔ یہ پل صراط ہے۔ وكان علی ربک حتما مقضيا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ہر ایک نے پل صراط سے گذرنا ہے۔ تو اسے معلوم ہوا کہ یہ پل شریعت کی شکل ہے۔ دنیوی علم موت کی سرحد تک ہوتے ہیں یعنی قبر سے پہلے تک آگے ان کو دخل نہیں مگر حضرات انبیاءؑ کے علوم یعنی دینی علوم یہ موت کے آگے تک چلتے ہیں۔ تو

حدیث شریف میں ہے کہ پل صراط کا ایک تہائی حصہ چڑھائی اور ایک تہائی ہموار راستہ ہے اور ایک تہائی اترنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریلوے اسٹیشن کے پل کی طرح شکل ہے۔ ایک سرا موقت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کتاب کے لیے کھڑا ہونا ہے اور پل صراط کا دوسرا جنت کے کنارے پر ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بتلانا چاہتا ہے کہ جنت میں پہنچنے کے لیے صرف پل صراط کا راستہ ہے اس پر سے گذر کر جنت میں جانا ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ پل صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز دھار ہے۔ (بدور السافرہ) میں ہے کہ بعض کے لیے یہ پل صراط کشادہ ہو جائے گی اور بعض کے لیے بال سے باریک ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ شریعت پر چلنے کے مختلف انداز ہیں جیسے انداز ہونگے جیسے عمل ہونگے ویسی پل صراط کی شکل ہوگی۔ مثلاً ہم بھی شریعت پر چلتے ہیں عمل کرتے ہیں اور ایک چلنا حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ یا دیگر بزرگان دین کا بھی تھا ان حضرات کا چلنا شریعت پر سو فیصد تھا اور ہمارا تو ایک فیصد بھی نہیں۔ تو پل صراط کی شکل اعمال سے وابستہ ہے۔ تو تلوار سے تیز اور بال سے باریک والی صورت کفار کے لیے ہے کہ جس طرح دنیا میں کفار کے لیے شریعت پر چلنا ناگوار، مشکل اور ناممکن تھا تو وہی شریعت آج ان کے لیے بال سے باریک اور تلوار سے تیز پیش آئی جو آج اس پر گزرنا بھی ان کا ناگوار اور مشکل ہے اور گر کر جہنم میں ٹھکانا ہے۔ آج جو لوگ یورپ کی شریعت پر چلتے ہیں تو وہ پل صراط سے پریشانی کی صوت میں گذریں گے۔ پل صراط کے نیچے جہنم ہے اور اس پر سے گذرنے کے بعد جنت ہے۔ تو اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اگر اس شریعت پر سیدھا چلنا ہے یعنی

صحیح عمل کرنا ہے تو آگے جنت ہے اور اگر اس شریعت پر سیدھا نہیں چلنا دائیں بائیں چلنا ہے تو پل صراط سے گر کر جہنم میں جاؤ گے اور گذرنے کے وقت دونوں کناروں پر ملائکتہ اللہ کا ہجوم ہو گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیا آپ ﷺ ہمیں قیامت میں یاد کریں گے؟ فرمایا تین موقعوں پر کوئی کسی کو یاد نہیں کریگا؟ ایک اس وقت جب اعمال کا وزن ہوگا دوسرا جب نامۂ اعمال گریں گے کہ کون سے ہاتھ میں آتے ہیں تیسرا جب پل صراط سے گذریں گے ان وقتوں میں یاد نہ ہونگے۔ ان اوقات میں کوئی کسی کو یاد نہ کریگا۔

اھدنا الصراط المستقیم۔ ان ھذا صراطی مستقیماً۔ فرمایا کہ یہ خالق کائنات کی راہ ہے اس پر سیدھے چلو۔ **اھدنا الصراط المستقیم۔** میں ہم حیران تھے کہ یہ دعا کے لیے کیوں سکھایا گیا ہے؟ کہ یہ راستہ صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے نہ کہ کفاروں کا۔

ایک مشہور شبہ تھا وہ یہ کہ مولوی صاحب نے یہ تو فرمادیا کہ پل صراط سے باریک اور تلوار سے تیز دھار ہوگی انہیں یہ علم نہ تھا کہ عمل کے لحاظ سے کشادہ ہوگی۔ تو ایک آدمی نے اعتراض کردیا کہ مولانا اگر بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگی تو کون گذرے گا؟

اگر اس معترض والی صورت بھی ہو نیکوکار کے لیے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں نے یہ مسئلہ اپنی کتاب علوم القرآن میں وضاحت سے لکھا ہے کہ جہانِ آخرت جہانِ

دنیا سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے وہاں کشش اور میلان کا مرکز بدل جائے گا۔ دنیا میں کشش کا مرکز زمین ہے کہ پتھر پھینکو تو نیچے کی طرف آئے گا اور مشک میں ہوا بھر کر سمندر میں ڈالو تو اوپر کو رہے گی۔ اب قدرتی بات ہے کہ جن لوگوں نے جنتی اعمال کئے ہیں تو جنت اوپر ہے اس لیے ان کی کشش کا مرکز اوپر کو ہوگا اور جنہوں نے جہنم کے اعمال کئے ہیں تو جہنم نیچے ہے تو ان کی کشش کا مرکز نیچے کی طرف ہوگا۔ تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ پل صراط سے جب گناہگار گذرے گا تو وہ زخمی ہو جائے گا کیونکہ اس کا زور نیچے کو پڑا وہ زخمی ہو جائے گا اور جو جنتی ہونگے ان کو کشش اوپر ہوگی وہ آسانی سے گذر جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ نیکوکار کو پل صراط پر کوئی نقصان اور اندیشہ نہ ہوگا۔

اعمال بد ایک جراثیم ہیں یہاں ان پر پردہ ہے وہاں ان کی اصل شکل ہوگی۔ کفار کے جو نقشے یہاں ہیں وہاں ان سے مختلف شکلیں ہونگی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ کافر کا ایک دانت احد کے پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اب جب دانت پہاڑ کے برابر ہوگا تو باقی جسم کی کیا صورت ہوگی؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ کافر جب بیٹھے گا تو مکہ اور مدینہ شریفین کا درمیانی فاصلہ پُر کر لے گا۔ کیا عجیب شکل ہوگی۔ بداعمال قبر میں بھی اپنا کچھ اثر دکھائیں گے۔

تو پل صراط کی حقیقت مختصراً بیان کر دی گئی۔

درس نمبر۱۴

۸ستمبر ۱۹۶۸ء

قرآن کے دو نتیجے

وانْ کنتم فی ریب .... وھم فیھا خٰلدون۔

اس آیت میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے کہ اگرتم کو اے انسان کلامِ الٰہی قرآن میں شک ہے تو سارے انسان ملکر ایک سطر کی چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔ اگرتم سورۃ کے بنانے سے عاجز ہوتو پھر یہ عاجز ہونا ایسا ہے جیسا کہ تم سورج کے بنانے سے عاجز ہو۔ تو سورج اللہ کا بنایا ہوا ہے اور قرآن بھی۔

تو یہ کتاب طاقچے میں نہ پڑی رہے گی بلکہ اس میں دو چیزیں ہیں۔

ایک یہ ہے کہ اس کتاب سے اربوں انسانوں کا فیصلہ ہوگا اور ایسا ہوگا کہ اس فیصلے یعنی انجام میں رہو گے۔ وہ دو نتیجے ہیں۔

۱۔انکاری نتیجہ۔ ۲۔ایمانی نتیجہ۔

۱۔انکاری نتیجہ: اس کتاب قرآن کا جس نے عقیدۃً اور عملاً انکار کیا تو اس کا نتیجہ ایسی عظیم مصیبت کی شکل میں رونما ہوگا جس سے ساری مصیبتیں کم ہیں۔ وہ ہے دوزخ۔ آغازِ دنیا سے انتہا تک اگر ساری مصیبتیں جمع کی جائیں تو دوزخ کا عذاب

اس سے کئی بنا بڑھ کر ہے اور یہ عذاب موت کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گی۔ یہ ہے انکاری نتیجہ۔

۲۔ایمانی نتیجہ: ایمانی نتیجہ یہ ہے کہ جو اس کتاب قرآن کو عقیدۃً اور عملاً مانے تو اسے تمام نعمتوں کی کنجی مل جائے گی۔ جسے جنت کہتے ہیں۔جس طرح دنیا کی تمام مصیبتیں دوزخ کے آگے ہیچ ہیں اسی طرح نعمتیں جنت کے آگے ہیچ ہیں۔اور یہ بھی سن لو کہ ان دو نتیجوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں صرف انسان کے لیے نفع ہے۔

ان اللّٰہ غنی عن العلمین۔ہم پر جتنا اللہ مہربان ہے اور کوئی نہیں۔ اس میں انسانوں کا نفع ہے۔اس نفع کی کئی شکلیں ہیں تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

یقین آخرت: یقین آخرت جو مظہرِ قرآن ہے۔تو قرآن کے نتائج کا ظہور آخرت میں ہوگا۔قرآن کے نتائج کچھ تو دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں مگر آخرت کے مقابل کم۔

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃً ضنکاً۔ جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا اس کی زندگی تنگ ہوگی۔تنگ کا معنی یہ نہیں کہ مال نہ ہوگا۔مال ہوگا مگر غم ہوگا خوشی نہ ہوگی۔یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ دولتمند زیادہ خودکشی کرتے ہیں۔معلوم ہو گیا کہ اللہ کے تعلق سے خوشی ہوتی ہے نہ کہ مال و دولت کی کثرت سے۔

ونحشرہ یوم القیمٰۃ اعمی۔اور میدانِ قیامت میں اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔اور مقامِ قیامت میں آنکھ کی بہت ضرورت ہوگی کیونکہ خطرہ کا

مقام ہوگا۔

قال رب لم حشرتنی اعمٰی وقد کنت بصیرا ۔تو وہ بولے گا کہ میں تو بینا تھا مجھے بینائی کیوں نہیں دی۔

تو خدا تعالیٰ فرمائے گا۔قال کذالک اتتک ایتنا فنسیتھا وکذالک الیوم تنسیٰ ۔جس طرح تو نے دنیا میں میری آیات کو بھلا دیا تھا آج ہم تجھے بھول گئے ہیں۔

آج تیری طرف کوئی توجہ نہ ہوگی جس طرح تو نے ہماری آیتوں سے منہ موڑا تھا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں بھی قرآن کو چھوڑ کر غمی و تنگی ہوگی۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی میرے پاس چالیس دن رہے پھر میں اسے قسم دیکر پوچھوں گا بتاؤ خوشی یہاں ہے کہ دولتمند کے پاس ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خوشی کا مقام کچھ اور ہی ہے۔آپ نے کسی والے کو کبھی خودکشی کرتے نہ دیکھا ہوگا۔خودکشی اکثر ارب پتی لوگ کرتے ہیں۔

(الابذکر اللّٰہ تطمئن القلوب) والقرآن ذی الذکر ۔اللہ کے ذکر میں اطمینانِ قلب ہے اور ذکر قرآن کا بھی نام ہے۔

تو اللہ کے ذکر سے چین نصیب ہوتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ہے کہ ایک شخص کو شوق تھا کہ حضرت خضرؑ کو دیکھوں۔ان کا نام بلیا بن ملکان ہے یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بہت

پہلے گذرے ہیں۔

کتاب وسنت کے لحاظ سے اپنے وقت پر فوت ہو چکے ہیں۔ بعض صوفیاء کرام ان کی زندگی کے قائل ہیں (جو غلط ہے) اگر زندہ ہوتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جہادوں میں بھی شامل ہوتے وغیرہ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں آنا تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ باقی صوفیاء کرام کو کسی مشکل میں نورانی چہرے والے شخص نے مشکل کے حل کرنے میں امداد کی وہ اللہ کی قدرت سے فرشتہ تھا۔ حضرت امام مجدد الف ثانیؒ کو ان کے مرید نے خط لکھا کہ حضرت یہ فرماویں کہ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ زندہ ہیں کہ نہیں؟ جواب فرمایا کہ مجھے کچھ تحقیق کرنے کا ارادہ تھا تو میں نے ان دونوں کی روحوں کو حاضر کیا تاکہ خود ان سے پوچھ لوں تو انہوں نے فرمایا ہم اموات سے ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ جنگل میں ایک آدمی نمودار ہوتا ہے جو پریشان لوگوں کی دستگیری کرتا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جب ہم سے کام لیتا ہے کہ فلاں شکل میں جا کر فلاں کا کام کردو۔

ایک آدمی کو شوق تھا کہ حضرت خضرؑ کو ملوں تو اسے حضرت نے کہا پہلی صف میں فلاں نشانیوں والا تیسرا آدمی ہوگا۔ تو کئی روز جاتے رہے ان اوصاف کا آدمی نہ پایا۔ آخر ایک روز ایک نورانی چہرے والا ان اوصاف کا مالک آدمی آیا۔ اس کو پکڑ کہتا ہے کہ آپ خضرؑ ہیں اس نے کہا کہ تمہیں تو خبط ہے کسی دوسرے روز پوچھ لینا وہ بضد رہا کہ میں تو پوچھ کر رہوں گا تاکہ چین نصیب ہو۔ تو اس شخص نے کہا کہ تم دہلی میں چلے

جاؤ جو امیر ترین شخص ہو اس کو دیکھ آؤ تا کہ میں دعا کر دوں شاید اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح کر دے۔ تو دہلی میں جا کر ایک امیر چوہدری صاحب کو دیکھا جیسے اس بزرگ نے کہا تھا تو دل میں سوچا کہ میرا انتخاب درست ہے کہ غلط؟ خیر اس امیر آدمی کو سارا واقعہ سنایا کہ مجھے حضرت خضرؑ ملے ہیں انہوں نے تمہارے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے دیکھ آؤ میں تیرے لیے دعا کر دوں شاید اللہ تعالیٰ تجھے ویسا کر دے۔ تو اس پر اس امیر آدمی نے کہا تو بہ توبہ میرے برابر کی دعا نہ کرانا مجھ جیسا تو کوئی تباہ و برباد نہیں ہے۔ وہ یوں کہ ابھی نئی شادی کی ہے اور میں نامرد ہوں۔ دوسری تکلیف یہ ہے کہ دودھ کے سوا دنیا کی اور کوئی نعمت نہیں کھا سکتا۔ تیسری چیز یہ ہے کہ ساری ساری رات نیند نہیں آتی۔ تو پھر جب اس شخص کو حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوئی تو کہا کوئی امیر آدمی منتخب کر آئے ہو تا کہ میں اس کے برابر کی تیرے لیے دعا کر دوں؟ تو اس نے کہا بس حضرت میرے لیے دنیا کی دعا نہ کرو یہ دعا کر دو کہ اللہ مجھے چین نصیب کر دے۔ تو اس پر حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ اب تو نے بہت اچھی دعا کا انتخاب کیا ہے۔

۱۸۵۷ء میں انقلاب آیا بڑے بڑے لوگ قتل ہوئے۔ بڑے بڑے امراؤں کے خاندانوں کے نام و نشان مٹ گئے ایک گدڑی والے فقیر تھے انہیں کسی نے کہا کہ انقلاب آ گیا ہے۔ انہوں نے اپنی گدڑی اٹھائی اور کہا کہ چلو دہلی نہیں لاہور سہی۔ (بسیار دنیا فراواں غم است) دیکھو صرف ایک گدڑی تھی نہ بنگلہ تھا نہ کار تھی تو کتنی سہولت سے دہلی چھوڑ کر چلے گئے۔ دنیا کی پیاس تو بجھتی نہیں۔ اگر پانچ مربع زمین ہے تو چاہتے ہیں کہ دس مربع ہو جائے۔ یہ تو کھجلی کے مانند ہے جتنی کھجلواتی

بڑھے گی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ دنیا کی ضرورت بھی ہے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ زندگی باقی رکھنے کی ضرورت ہے۔ لیکن ضروری چیز کو اس کی ضرورت کے مطابق رکھا جائے۔ جس طرح قضاء حاجت کے بعد آدمی ایک منٹ بھی بیت الخلاء میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ تو اصل یہ ہے کہ دنیا بھی حاصل کرو مگر آخرت کی فکر اور کوشش کہیں زیادہ کرو۔

مومن کا دل اللہ کا گھر ہے
گھر کی رونق نہیں مالک کے بغیر
(اکبرؒ)

صرف اللہ کو اپنے گھر میں بساؤ۔ یہ عجیب بات ہے کہ قلب میں اللہ اس وقت آتا ہے کہ جب دل میں اور کوئی محبوب نہ رہے۔ طلب اور چیز ہے محبوب اور چیز ہے۔ خواہش بڑی کرو مگر دل کے کمرے میں اللہ کو رہنے دو۔ جب دل میں کوئی اور چیز ہو تو پھر اللہ قلب میں نہیں آتا۔ خواجہ عزیز الحسنؒ مجذوب کا شعر عمر کے آخری حصے میں حضرت تھانویؒ ہر وقت پڑھا کرتے تھے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ دنیا کا فائدہ ہے تمام انسانوں کی حرکتیں۔

محبتیں اور کاوشیں چین حاصل کرنے کے لیے ہیں۔ مگر چین صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ تو مضطرب انسان کے لیے یقین آخرت سہارا بنتا ہے۔

آج کل یہ کہا جاتا ہے کہ اصلاح معاشرہ ہو۔ ہر شخص کے منہ پر یہ الفاظ ہیں اور ہم بھی متفق ہیں کہ اصلاحِ معاشرہ ہو۔ لیکن جو تدبیر بتلاتے ہیں وہ علاج غلط ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قانون کے ذریعے اصلاح کی جائے اور بعض کہتے ہیں کہ لائبریریوں کے ذریعے اور بعض کہتے ہیں کہ پند و نصائح کی ذریعے معاشرہ کی اصلاح کی جائے۔ ایک انجینئر صاحب جو نیک آدمی ہیں انہوں نے اصلاح معاشرہ پر کچھ اچھی چیزیں لکھی ہیں مگر بنیادی چیز انہوں نے بھی نہیں لکھی جو میں نے انہیں زبانی بتادی ہے۔ اگر قانون کے ذریعے تم معاشرہ درست کرنے لگو تو سب کو پتہ ہے کہ معاشرہ کو خراب کرنے کے لیے رشوت ایک زہر ہے اور رشوت کے لیے قانون بھی ہے اور اس پر سخت سزا بھی ہے جیل وغیرہ اور اس کے ختم کرنے کے لیے با قاعدہ ایک محکمہ بھی ہے۔ ''خود اس محکمے کا آفیسر بھی اسی رشوت کے معاشرہ کی پیداوار ہے''

اگر اسی طرح بتدریج آفیسر پر آفیسر مقرر کیا جائے تو کیا رشوت ختم ہو جائے گی؟ نہیں ہوگی۔ بلکہ رشوت در رشوت ہوتی چلی جائے گی۔ تو میں نے پشاور کے اجلاس میں کہا کہ اس طرح رشوت بند نہ ہوگی بلکہ مسلسل ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ رشوت بند کرنا نہ آفیسران کا کام ہے اور نہ یہ قانون اور سزا سے بند ہو سکتی ہے۔ رشوت کا انسداد صرف دل بدلنے سے ہو سکتا ہے۔

آجکل بڑے بڑے لیڈروں کو اور ارباب اقتدار کو ایک بیماری لاحق ہوگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ علماء کرام کو کہتے ہیں کہ دین اسلام کو دورِ حاضر سے فٹ کرو (یعنی یورپی معاشرے کے مطابق) میں نے کہا کہ ان ارباب اقتدار کی بات سمجھ سے باہر ہوتی ہے۔ اگر یورپی ہنر مراد ہے تو اسلام کو یورپی ہنر سے فٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ فٹ اسے کیا جاتا ہے جو پہلے فٹ نہ ہو۔ اسلام تو ۱۴ سو سال سے فٹ ہے۔ اللہ نے بتلا دیا تھا کہ تم فٹ جاؤ۔ **واعدوالھم مااستطعتم من قوۃ من رباط** ۔ کہ تم قوت اور تمام ضروریات میں اپنی پوری طاقت صرف کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تو شروع سے فرمادیا کہ اسلحہ، غلہ، بار برداری وغیرہ کسی چیز میں بھی تم دشمنوں سے کم نہ ہو بلکہ ان سے کئی گنا زیادہ تیاری کرو تاکہ تم اللہ اور اپنے دشمنوں کا پوری طرف دفاع کرسکو۔ اللہ نے لفظ (قوۃ) عالمگیر فرمایا کہ طاقتور بنانے والی سب چیزوں کا جوڑنا بنانا فرض ہے اس میں کوتاہی کرنا مسلمانوں کی بربادی ہوگی۔ اور فرمایا **مااستطعتم** ۔ کہ جتنی طاقت ہوسکے اتنی پیدا کرو۔ اس کے بعد اب بھی تم مولوی کو کہو گے کہ دین کو دورِ حاضر سے فٹ کرو۔ اگر فٹ کرنے سے مراد یہ ہے کہ نعوذ باللہ اللہ کو یورپ کے شیطان سے فٹ کرو۔

تو قرآن کہتا ہے کہ شراب حرام ہے اور یورپ پیتا ہے۔ زنا قرآن اسے حرام قرار دیتا ہے اور یورپ اسے تفریح قرار دیتا ہے۔ سود کو قرآن حرام کہتا ہے اور یورپ کی زندگی کی گھٹی ہے۔ خنزیر قرآن میں حرام ہے اور یورپ کے عوام تو عوام پادری بھی اسے شوق سے کھاتے ہیں۔ تو اب تم کہو مولویو! قرآن کو یورپ کے مزاج سے فٹ

کر دو۔ سن لو! مولوی ہزار بار تختہ دار پر لٹکنا قبول کریگا مگر قرآن میں ردو بدل ہرگز قبول نہیں کریگا۔

پاکستان کے عیاش ارباب اقتدار کو شرم نہیں آتی کہ ایک تو سامان قوت کی تیاری میں غفلت برتی اور دوسرا گناہگاری چاہتے ہیں اگر گناہگاری آ گئی تو اس صورت میں تو پھر بربادی ہی بربادی ہے۔

اگر معاشرہ کی اصلاح چاہتے ہو تو وہ صرف دل بدلنے سے ہوگی اور کوئی صورت نہیں۔

قرآن پاک میں دو قسم کی سورتیں ہیں (۱) مکی۔ (۲) مدنی۔

مکی سورتوں میں صرف دل بدلنے کے احکامات ہیں۔ ان میں ذات الٰہی۔ امورِ الٰہی اور آخرت کا ذکر ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا زیادہ وقت قلب کے سدھارنے پر صرف ہوا ہے۔

ہجرت کے بعد چونکہ قلوب بدل چکے تھے (سدھر چکے) تو مدنی زندگی کے کم وقت میں انسانی صورت میں اللہ کے فرشتے حضرات صحابہ کرامؓ زمین پر پھر رہے تھے۔ تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر دل بدل جائے (یعنی قلب سدھر جائے) تو انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔

کیا تمہارے ملک میں یہ قانون نہیں بنا ہوا کہ رشوت مت کھاؤ؟ کیا اسکی سزائیں مقرر نہیں؟ کیا اس کے انسداد کے لیے لاکھوں روپے کے محکمے قائم نہیں؟ تو بتلاؤ رشوت ختم ہو گئی ہے؟ کوئی آفیسر اس لعنت سے بچا ہوا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ

قانون جاری کرنے والے کا قلب سیاہ ہے بگڑا ہوا ہے۔ بدبختو ملک اسلام کے نام پر لیا۔ کھا اسلام کے نام سے رہے ہو۔ کرسیاں بھی تمہیں اسلام کے نام سے ملیں۔ اقتدار بھی تم اسلام کے نام پر لیتے ہو۔ پھر کام بھی اسلام کے خلاف کرتے ہو؟ کوئی شرم ہے! نصاب تعلیم میں اسلام نام کو نہیں۔ درس قرآن نہ سنتے ہو اور نہ ان بزرگوں کی صحبت میں بیٹھتے ہو بلکہ جو لوگ دیندار ہیں دین کی خدمت کررہے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہو۔ یہی حالت رہی تو بدبختو خدا سے بچ کر کہاں جاؤ گے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اسمبلی کا اجلاس درس قرآن سے شروع ہوتا۔ بدبختو کھاتے اسلام کے نام پر ہو اور اس کے لیے تمہارے پاس وقت ہی نہیں؟ ہمارے پہلے بھی قرآن سے سدھرے تھے اور اب بھی اسی قرآن سے سدھر سکتے ہیں۔

درس نمبر ۱۵

۱۴ ستمبر ۱۹۶۸ء

اصلاحِ معاشرہ کا دار و مدار قلب کے سدھرنے پر ہے

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... وھم فیھا خٰلدون۔

اس سے پہلے درس میں معاشرہ کی اصلاح کا تذکرہ تھا۔ معاشرہ کا معنی یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ کیسی زندگی گذارے؟ اگر اچھی زندگی گذارے تو اچھا معاشرہ ہوا ورنہ برا ہے۔ معاشرے کی اصلاح ہر انسان کو مقصود ہے لیکن اصلاح معاشرہ کا طریقہ حضرات انبیاءؑ سے سیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اصلاح کے لیے حضرات انبیاءؑ کا سلسلہ جاری رکھا۔ تو اللہ کا انتخاب ہر طرح درست ہوتا ہے تو اصلاح کے لیے خدا تعالیٰ کا پیغمبروںؑ کو چننا یہ تو انتخاب درست ہے۔ اور یہی حضرات انبیاءؑ ہی اس فن (اصلاح) کے ماہر اور قابل ہیں۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

فرمایا کہ میں انسان کی فطرت کا خالق و مالک ہوں میں ہی جانتا ہوں کہ نبوت کا عہدہ کس کو عطا کروں۔ حضرات انبیاءؑ کا کام تو خدا کے حکم کو بیان کرنا ہوتا

ہے۔ لیکن عام لوگ جو اصلاح کرتے ہیں وہ اپنے ذہن سے اصلاح کی تدبیر سوچتے ہیں۔ اس کو رائج کہتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد وہ تدبیر غلط ثابت ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ انسان اصلاح کا طریقہ ہی نہیں جانتے۔ مثلاً ایک درخت کے لیے ہم چاہیں کہ یہ بڑا پھل دار اور عمدہ شاخوں والا ہو۔ تو ہم اس کی شاخوں پر کھاد کا تھیلا لٹکا دیں اور شاخوں پر پانی چھڑکنا شروع کر دیں اور اس کی جڑ سے بے نیازی اختیار کی جائے تو یقینی بات ہے کہ اس درخت کی اصلاح نہ ہوگی۔ کیونکہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا کہ اس کی جڑ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حضرات انبیاءؑ چونکہ اللہ کے شاگرد ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم حاصل کرتے ہیں اس لیے ان کے بتلائے ہوئے طریقہ سے معاشرہ کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ مجموعہ آبادی انسانوں کی تب درست ہوسکتی ہے جب ایک ایک مسلمان درست ہو جائے مگر اب ہمارے زمانے میں ہر ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتا ہے اور اپنے نفس میں نہیں دیکھتا کہ میں کیا کرتا پھرتا ہوں۔ اپنی خامی کو نظر انداز کرتا ہے اور دوسرے کی اصلاح کرتا ہے۔ اگر ہر ایک نے اپنی اصلاح کر لی تو سب درست ہو جائیں گے۔

حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ایک مرتبہ میرے ساتھ کشتی میں سوار تھے ان کی صحبت سے دل کو خوشی ہوئی۔ جب کنارے پر پہنچے تو میں نے عرض کی کہ کوئی مختصر سی نصیحت فرمائیں تو فرمایا۔

یکے آنکہ برخویش خود بیں مباش
دگر آنکہ برغیر بد بیں مباش

ایک یہ کہ اپنے آپ کو کچھ سمجھ کر گھمنڈ میں نہ آ جاؤ۔ اور دوسرا یہ کہ دیگر کسی کو حقیر سمجھ کر اس سے نفرت نہ کرو۔

حضرت حذیفہؓ کو صاحب السر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ سلم کے راز دان تھے آپ ﷺ نے انہیں اپنے زمانے کے ایک ایک منافق کا حال بتایا تھا۔

تو حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ ایک مرتبہ میرے پاس آئے فرمایا کہ حذیفہؓ اگر میرے اندر کوئی عیب ہو تو مجھے بتاؤ تا کہ میں اس سے باز آجاؤں۔ تو میں نے کہا کہ آپؓ کے اندر کوئی بُرائی ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم آپؓ کی تعریف نہ کرتے۔ پھر فرمایا مجھے بتاؤ کہ لوگ میرے متعلق کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سخت گیر ہیں۔ تو اس پر فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ میری ساری سختی دین کے لیے ہوتی ہے نہ کہ اپنے لیے خیر پھر بھی کوشش کرونگا۔

یہ وہ حضرت عمرؓ ہیں جن کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہوتا تو میرے بعد عمر نبی ہوتا۔ اتنی عظیم شخصیت بھی نفس سے بے پروانہ تھی اور ایک ہم ہیں کہ نفس کا احساس تک نہیں۔

تو پھر فاروق اعظمؓ نے حق المہر کے مقرر کرنے کا اپنا واقعہ سنایا۔ کہ میں نے قانون بنایا کہ ازواج مطہرات امہات المومنینؓ کی جو حق المہر بنتی ہے اس سے زائد حق المہر نہ لی جائے وہ پاکستانی ۱۲۷ روپے بنتے تھے۔ فرمایا جب میں خطبہ دے رہا تھا تو ایک بوڑھی عورت آئی میرے گریبان سے پکڑ کر کہا کہ خطاب کے بیٹے چپ کر تم

کون ہو حق المہر کم کرنے والے؟ جبکہ قرآن نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

کتب احادیث اور سیرت کے مطابق ازواج مطہراتؓ کا حق المہر بالعموم پانچ سو درھم رہا جو ۱۳۱ تولے وزن چاندی بنتی ہے۔

واتیتم احدھن قنطاراً۔ اور تم ان میں سے ایک کو بہت سا مال دے چکے ہو۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حق المہر کی زیادتی جائز ہے۔ تو فرمایا فاروق اعظمؓ نے۔

اصابت المرأة واخطأ ابن الخطاب۔ کہ عورت نے درست کہا اور خطاب کا بیٹا غلطی پر تھا۔

یہ ہے جمہوریت۔ تمہاری جمہوریت جو شیطانی جمہوریت ہے اس میں ایسا کوئی واقعہ ملتا ہے؟

آجکل تو یورپ کی تقلید میں صحیح اور صریح حرام کو بھی دین میں زبردستی شامل کیا جا رہا ہے۔ بس جس کی اللہ نے اجازت دی اس کو منع کرو اور جس کی اجازت نہیں دی اسے دین میں زبردستی شامل نہ کرو۔

مداخلت فی الدین کئی صورتوں میں ہوتی ہے۔ ایک چیز بہتر ہے اور ایک جائز ہے۔ مثلاً اگر حق المہر کم رکھے تو بہتر ہے اور اگر زیادہ کرے تو جائز ہے اور اگر کوئی سختی سے حق المہر کی کمی کے متعلق کچھ کہے تو یہ غلط ہے۔ اس واقعہ سے تیسری بات یہ نکلی کہ مسلمان کی شان ضد کر کے اڑ جانا نہیں بلکہ شان اس میں ہے کہ صحیح بات کو تسلیم کرے۔ دیکھو امیر المومنینؓ یہ خیال کرتے کہ ایک تو میں امیر المومنین ہوں دوسرا میں بہت بڑا عالم ہوں یہ عورت مجھے کیا سمجھاتی ہے۔ لیکن آپؓ نے اس کی بات کو درست

قرار دیا اور تسلیم کیا اور اپنا رائج کردہ قانون واپس لیا۔

آجکل بہت سے لوگ ہیں کہ غلط مسئلے بیان کرتے ہیں اگر انہیں کہا جائے کہ میاں اس مسئلے سے اعراض کرو آپ نے غلط مسئلہ بیان کیا ہے۔ تو وہ بالکل نہیں مانتے ضد کر جاتے ہیں۔ علماء میں بھی اختلاف ہیں تو سارے علماء تو درست نہیں کہتے کوئی ایک درست ہوگا مگر سب اپنی بات پر ضد کر کے اڑے ہوئے ہیں۔ یہ غلط بات ہے۔

حضرت تھانویؒ کے پاس ایک بوڑھا شخص میراث کا مسئلہ پوچھنے آیا آپ نے اپنا مسئلہ لکھ دیا وہ چلا گیا بعد میں یاد آیا کہ مسئلہ تو غلط لکھا ہے تو بہت تلاش کیا گیا مگر بوڑھا نہ ملا۔ تو حضرتؒ لکھتے ہیں کہ میں نے مصلے ڈال کر رو رو کر نماز پڑھنا شروع کردی اور دعا کی تو خدا تعالیٰ کی شان دیکھو کہ بوڑھا آ گیا کہنے لگا مولوی صاحب فتویٰ پر مہر تو لگا دو۔ تو مہر بھی لگائی اور فتویٰ بھی درست کر دیا تو پھر حضرت تھانویؒ نے یہ قاعدہ بنایا کہ سفر میں کسی فتویٰ کا جواب نہ دونگا اور اگر گھر پر بھی دیا تو دوسرے دن ایک رات کے بعد فتویٰ دیا کرونگا تاکہ غور سے لکھا جائے۔ آپؒ نے بکریوں کی زکوۃ کے متعلق اپنی کتاب بہشتی زیور میں ایک مسئلہ لکھا جیکب آباد سندھ کے مولانا عبدالغفورؒ ہمایونی نے اعتراض کیا کہ حضرت تھانویؒ نے یہ مسئلہ غلط لکھا ہے۔ تو گھوٹکی سندھ کے علاقے میں مولوی شیر محمدؒ صاحب رہتے تھے جو حضرت تھانویؒ کے شاگرد اور مرید تھے انہوں نے حضرتؒ کے پاس تھانہ بھون ساری صورتحال خط میں لکھی۔ تو حضرت تھانویؒ نے جواب دیا کہ مولوی عبدالغفورؒ ہمایونی کا مسئلہ درست ہے اور میرا مسئلہ درست نہیں۔ غلط ہے۔ پھر آپ نے یہ کتاب **المغتنم فی زکوۃ الغنم** ۔ کہ یہ کتاب بکریوں کی

زکوۃ کے بارے میں غنیمت ہے۔ آپؒ نے یہ کتاب اپنی غلطی کے بارے میں چھپوا کر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی اصلاح کر لی جائے نہ کہ اس پر ضد کر کے اڑ جائے۔ پھر حضرت نے تھانہ بھون سے مستقل ایک رسالہ نکالا جس کا نام ترجیح الراجح تھا۔ اس میں آپؒ نے اپنے بیان کردہ غلط مسائل کی تصحیح کر دی۔

حضرت امام مالکؒ سے ایک مجلس میں چالیس مسئلے پوچھے گئے آپؒ نے صرف چار مسائل کا جواب دیا اور ۳۶ کا نہ دیا فرمایا لاادری۔ مجھے علم نہیں۔ دیکھا مسائل بتلانے میں کتنی احتیاط برتی جاتی تھی۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ مسائل کا پتہ نہیں جو کچھ ذہن میں آیا بتلا دیا خاموشی اختیار نہیں کرنی یہ نہیں کہنا کہ مجھے مسئلہ نہیں آتا۔ کسی عالم سے دریافت کر کے بتلا دونگا یا کتاب دیکھ کر بتلا دونگا۔

تو بہر حال بتلانا یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ میری سختی دین کے لیے ہے اور دین کے لیے سختی کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ لوگوں کو ایسی تربیت ہوئی ہے کہ وہ کفار پر تو از حد سخت ہیں مگر آپس میں خوب رحمدل ہیں۔ یہ وہی حضرت فاروق اعظمؓ والی بات نکلی کہ میری سختی دین کے لیے ہے۔ مگر آج الٹا معاملہ ہے کہ کافر سے ڈرنا اور دبنا اور مسلمان پر شیر بن جانا ظلم کرنا۔

تو کہنا یہ تھا کہ اصلاح معاشرہ اپنے نفس کی اصلاح سے ہوتا ہے۔

ان فی الجسد مضغۃً اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذافسدت فسدالجسد کلہ الاوھی القلب ۔تو حکومت خارجی کے ساتھ دل بدلنے کے لیے حکومت داخلی بھی ہو۔ وہ ہے خدا تعالیٰ کا خوف۔ حضرات انبیاءؑ سب سے پہلے قلب کی اصلاح کا کام کیا کرتے تھے۔ ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی نصف سے زیادہ مکی زندگی میں قلب بدلنے کا کام کیا۔ پھر جب قلوب بدل گئے تو سب کام درست ہو گئے۔

آزاد کشمیر سے ایک مولوی صاحب نے لکھا ہے کہ یہاں حکمران کہتے ہیں کہ اسلامی سزائیں وحشیانہ ہیں۔تو میں نے اسلامی سزا کی حکمت لکھی ہے جو عنقریب البلاغ کراچی میں چھپ جائے گی۔ بدبخت یہ نہیں جانتے کہ جس فعل کی سزا مقرر کی ہے اسلام نے وہ فعل بھی وحشی ہے کہ نہیں؟ ان بدبختوں کو اتنا بھی علم نہیں۔ جیسا فعل ہوگا ویسی ہی سزا ہوگی۔

آج عیسائی دنیا بھی اسلام کو ماننے لگ گئی ہے۔ پاکستان کے عیسائی چیف جسٹس صاحب نے یہاں بہاول پور میں اقرار کیا ہے کہ اسلامی سزاؤں کے علاوہ معاشرہ درست نہیں ہوسکتا۔ یعنی اسلامی سزاؤں کے علاوہ معاشرہ کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق ہے اور فطرت ساز ہے وہی ہی جانتا ہے کہ کونسی سزا سے فلاں جرم رک سکتا ہے۔آج تم خود انصاف سے کہو کہ انسانی قانون نے جرائم بڑھائے ہیں کم نہیں کیے؟

اس سے معلوم ہو گیا کہ علاج مرض کے مطابق نہیں۔ سعودی عرب کے سفیر صاحب نے ملاقات کے دوران کہا کہ پچیس برس کی حکومت میں صرف پندرہ ہاتھ کٹے ہیں مگر ملک سے چوری کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ میاں یہ وحشیانہ سزائیں نہیں بلکہ مناسب ہیں۔

میاں پندرہ سے زائد تو ہسپتالوں میں بھی کٹ جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار (پتھراؤ) نہ کیا جائے بلکہ قتل کیا جائے؟ میں نے کہا شادی شدہ زانی نے اپنی عورت کے ہونے کے باوجود نطفہ کو ضائع کیا۔ یہ ایک قتل کا مرتکب ہوا۔ دوسرا یہ کہ حرام کی اولاد کو اسقاط کیا جاتا ہے۔ اور سنگساری اس لیے رکھی گئی کہ اس شخص نے صرف ایک جرم نہیں کیا کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی بلکہ اس عورت زانیہ کے خاندان کے تمام افراد کو بے عزت کیا۔ اور اپنی عورت کے جائز محل ہونے کے باوجود اس نے زنا کیوں کیا؟ تو سزا یوں رکھی گئی کہ باؤلے کتے کی طرح مارا جائے تا کہ یہ اس سے بھی زیادہ ذلیل ہو۔

تو بات چل رہی تھی کہ اسلام نے سب سے پہلے قلب سدھارنے کا انتظام کیا کہ یہ درست ہو جائے تو پھر سارا معاشرہ درست ہو جائے۔ تو معاشرہ کی اصلاح علی نہج الانبیاءؑ یعنی انبیاءؑ کے طریقے پر ہو سکتی ہے۔

ولیشھد عذابھما طائفة من المؤمنین۔ کہ مؤمنوں کے گروہ کے سامنے سزا دی جائے تا کہ عبرت ہو۔

تو سزا بھی لوگوں کے سامنے دی جائے تا کہ عبرت ہو اور آگے جرم کا دروازہ بند ہو جائے۔ یہ نہیں کہ جیل کی چار دیواری میں سزا دی جائے۔ اسلام میں قتل کی سزا

قصاص ہے۔ یا پھر مقتول کے ورثاء کو دیت دلائی جائے مثلاً اگر اونٹ ہوں تو ایک صد اونٹ یا ان کی قیمت دلائی جائے۔ اور اگر قتل عمد ثابت نہ ہو خطاء ہو تو اس صورت میں قصاص نہیں دیت ہے۔ اور شرعی دیت دس ہزار درہم بنتے ہیں یعنی ۲۶۲۵ تولے وزن چاندی بنتی ہے۔ لیکن یہاں برطانوی رائج قانون میں اگر قاتل نے قتل کیا حکومت نے اسے عمر قید کی سزا سنادی اب وہ روٹی اور کپڑے پر حکومت کو سستا ملازم مل گیا مقتول کے ورثاء تو ویسے کے ویسے رہے انہیں کیا ملا۔

اس لیے اسلام ایک خارجی حکومت کو کافی نہیں سمجھتا کہ قانون سے معاشرہ درست کیا جائے بلکہ وہ داخلی حکومت بھی چاہتا ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی قہاریت و جباریت کا تصور بھی ڈالا جائے کہ اے انسان جو کچھ تو اس دنیا میں کر رہا ہے وہ سب اللہ کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا تو تم برباد ہو جاؤ گے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کی اوصاف قہاری و جباری انسان کے قلب میں جمع ہو جائیں تو کیا انسان جرم کر سکتا ہے؟

ایسی جماعت حضرات صحابہ کرامؓ کی پیدا ہوئی تھی کہ ہر وقت قلب میں خدا کا خوف رہتا تھا اور آنکھوں میں آنسو رہتے تھے۔ اس وقت جرم کا تو نام ہی نہ تھا۔ تو قرآن نے ہی آ کر معاشرہ کی اصلاح کی۔ مگر آج ہم نالائق مسلمانوں نے قرآن کو صرف منزل پڑھنے کے لیے رکھا ہوا ہے اور اس پر عملی زندگی ختم کر دی ہے۔ اس لیے پھر زندگی بھی تو پریشان ہے۔ کرۂ ارضی پر کہیں مسلمان کو چین نصیب ہے؟ یہ صرف قرآن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

درس نمبر ۱۶

اتوار۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۶۸ء

یقینِ آخرت سے
عمل میں چستی پیدا ہوتی ہے نمبر ۱

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... وھم فیھا خلدون۔

یقینِ آخرت کے ثمرات تو بعد میں بیان ہونگے اب آیت مذکور کا پورا ربط بیان کرنا ہے۔

ترجمہ: کہ اے انسانو! اگر تمہیں شک ہے قرآن میں تو اس کی ایک چھوٹی سی آیت بنا لاؤ۔

ربط: یہ جو اللہ نے فرمایا۔ و قـــو د۔ کے معنی وہ چیز جس سے آگ بھڑ کائی جائے مثلاً کوئلہ اور لکڑی وغیرہ سے آگ بھڑ کائی جاتی ہے۔ دوزخ کی آگ کی ایک تو شدت ہے دوسرا اس کا رنگ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ تم انسانوں کی دنیوی آگ دوزخ کی آگ کا ۷۰ واں حصہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ دوزخ کی آگ کو ایک ہزار سال بھڑ کایا گیا تو اس کا رنگ سُرخ ہو گیا پھر ایک ہزار سال بھڑ کائی گئی تو اس کا رنگ سفید ہو گیا پھر تیسری مرتبہ

ایک ہزار سال بھڑکائی گئی تو اس کا رنگ بالکل سیاہ ہوگیا۔ تو اب وہ مجرموں کے لیے درست ہوئی۔ اس کا ایندھن پتھر اور انسان ہونگے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جنت اللہ کی رحمت اور دوزخ اللہ کے قہر کا مقام ہے۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ دوزخ میں سب مصیبتیں ہوتیں اور صرف ایک اللہ کا قہر نہ ہوتا تو شاید دوزخ کی تکلیف قابل برداشت ہوتی۔ تو اللہ کا قہر اور مہربانی دونوں قاعدہ کے تحت ہیں۔

وقودھا الناس والحجارۃ۔ کہ اس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔

مطلب یہ کہ دوزخ کی آگ کا بھڑکاؤ لوگ ہیں۔ لوگوں کی جان مراد نہیں بلکہ خاص صفات ہیں۔ انسان کے اندر تین صفتیں تباہ کن ہیں۔

۱۔ شہوت اور خواہش: یہی صفتیں انسان کو رشوت، سود، زنا وغیرہ پر آمادہ کرتی ہیں۔

۲۔ غضبِ نفس: یعنی غصہ کی حالت میں انسان پاگل ہوجاتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے کہ جن کی وجہ سے اللہ کا قہر آجاتا ہے۔

۳۔ ھویٰ۔ یعنی اتباع ھویٰ: کہ ایک بات جو آدمی کہدے تو اس کی عقل اس کو فٹ یعنی درست نہ جانے تو وہ اس میں شک پیدا کرے۔

تو ہر وہ چیز جو انسان کو یقین سے ہٹا کر شک میں ڈالے اس کو ھویٰ کہتے ہیں۔ واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ۔ جس نے اللہ کے خوف سے اپنے نفس کو بُرائی سے روک لیا اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

ایک بار ایک بزرگ قلات میں آئے (قاری محمد طیب صاحبؒ دیوبندی) انہوں نے بہت عمدہ تقریر کی۔ میں بھی تھا۔ نواب قلات بھی تھے اور ایک بہت بڑا مسلم لیگی شخص تھا وہ کہنے لگا نوابصاحب مولانا نے کوئی اچھی تقریر نہیں کی۔ میں نے کہا کہ تقریر کرنے والا ایک ہوتا ہے اور سننے والے بہت اور مختلف الاذھان لوگ ہوتے ہیں کوئی سیاسی اور کوئی مذہبی تقریر پسند کرتے ہیں ہر ایک کے جذبات الگ الگ ہوتے ہیں اس لیے یہ ضروری نہیں کہ اچھی تقریر ہر ایک کو پسند ہو۔ اگر یہی معیار رکھتے ہو کہ ہر ایک کو پسند ہو تو قرآن خدا کی تقریر ہے یہی تقریر مؤمنین کو تو بھلی لگی اس لیے وہ ایمان لائے اور کافروں کو بُری لگی اس لیے وہ ایمان نہ لائے۔ تو جس وقت خدا کی تقریر بھی مقبول عندالکل نہ ہوئی تو ایک آدمی کی مقبول عندالکل کیسے ہوسکتی ہے۔ بس اچھی تقریر وہ ہے جسے خداتعالیٰ اچھی کہے لوگوں کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ انسان کے دل اور دماغ میں شیطان کے داخل ہونے کے تین دروازے ہیں۔ ھویٰ۔ قہر۔ غصہ کے دروازے۔ تو شیطان ہر وقت تاک میں رہتا ہے کہ فلاں شخص کی خواہش نفس ابھر چکی ہے پھر کیا بس ھویٰ کا دروازہ کھلا اور شیطان اندر داخل ہوا وغیرہ تو ان تین چیزوں سے ہمیں بچنا چاہیے۔ اب اللہ فرماتا ہے۔

وقودھا الناس۔ کہ دوزخ کی آگ لوگوں سے بھڑکتی ہے۔

تو بقول شاہ عبدالعزیزؒ کہ ان تین وجوہ سے بھڑکتی ہے جو پہلے ذکر ہوچکی ہیں۔ ھویٰ قہر، غصہ۔

لا الہ الا اللہ ۔بس اس کا معنی یہ کہ اس کلمہ کے پڑھ لینے کے بعد خدا چاہا کریں گے جی چاہا نہ کریں گے۔تو جب ھویٰ قہر اور غصہ کی وجہ سے اللہ چاہا ختم اور جی چاہا ہو گیا تو پھر قہر الٰہی سے دوزخ کی آگ بھڑکتی ہے۔

والحجارۃ۔کہ دوزخ کا ایندھن پتھر ہونگے۔حضرت شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ پتھر سے کچھ لوگ بت بنایا کرتے تھے تو پتھر بھی بت ہیں تو جو پتھر سے محبت کرتے ہیں۔اسی طرح سونا چاندی بھی پتھر ہیں اور جو سونا چاندی سے محبت کرتے ہیں۔تم نے اے انسانو! اپنی خواہش سے سونا چاندی بنایا ہے۔تو جنہوں نے آخرت کو ترک کر کے سونا چاندی کو پسند کیا تو یہ پتھر ہیں۔

اگر کردی نظر بر پارۂ سنگ ....

زفیض آرزوئے تو گُہر شد

بذر خود را مسنجہ بندہ ذر

کہ زر از گوشۂ تو زر شد

تو قیامت کے دن سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ کائنات کا پورا سونا اور چاندی لاکر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تا کہ لوگوں کے سامنے اس کی ذلت ظاہر ہو جائے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ میدانِ حشر میں سونے چاندی کے بڑے بڑے انبار موجود ہونگے جب آدمیوں کو نظر آئیں گے تو دیکھتے ہی منہ موڑ لیں گے۔تو پتھر کے بت اور بت پرستی سے آگ بھڑکتی ہے اور زر پرستی سے بھی آگ بھڑکتی ہے۔

اورایک پتھر وہ ہے جوانسان کے سینے میں ہے۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فهی کالحجارة او اشد قسوہ ۔ان کے دل سخت ہو گئے پتھر کی طرح یا اس سے بھی سخت کیونکہ بعض پتھروں سے تو چشمے نکلتے ہیں سیرابی کرتے ہیں اور فائدہ پہنچاتے ہیں۔

وان من الحجارة لما یتفجر منه الانهار وان منها لما یشقق فیخرج منه الماء ۔ان میں سے بعض پتھر ایسے ہیں جن سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔تو جس دل سے لوگوں کو فائدہ نہ ہو تو وہ دل گناہ کا سرچشمہ ہے۔

بت کے حجارہ۔زر کے حجارہ اور سنگدلی کے حجارے سے خدا محفوظ رکھے۔

ھویٰ سے شک پیدا ہوتا ہے اور شک تمام گناہوں کی جڑ ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ مجھے شک سے بچا۔

اللھم انی اعوذبک من الشک بعد الیقین ۔اے اللہ مجھے یقین کے بعد شک سے بچا۔

اعدت للکفرین ۔کہ وہ آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (دوزخ)

اعدت ۔ماضی کا صیغہ لایا گیا کہ دوزخ قرآن کے نزول سے کافی پہلے تیار کی گئی ہے کافی پہلے موجود ہے۔کہیں انسان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ انسان کی اصلاح کے لیے خیالی دوزخ کا ذکر ہے کہ خیالی دوزخ سے انسان کی اصلاح کی گئی ہے۔نہیں۔ماضی کا صیغہ لا کر یہ واضح کر دیا کہ حقیقی دوزخ ہے جو قرآن کے نزول سے کافی پہلے تیار ہے۔

معتزلہ کو غلطی لگی ہے۔ اعدت للکفرین ۔ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جہنم کے لیے ہے اور اعدت للمتقین ۔ یہ جنت کے لیے ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ جو آدمی نہ کافر ہو اور نہ متقی ہو تو وہ ان دونوں سے خارج ہوگا۔ یعنی نہ جنت میں جائے گا اور نہ جہنم میں جائے گا۔ معتزلہ پر فلسفہ کا اثر تھا ان کا خیال تھا کہ چھوٹے گناہ کرنے سے دوزخ میں نہ جائے گا اور بڑے گناہ کرنے سے جنت میں نہ جائے گا کیونکہ جنت متقین کے لیے ہے۔ نہیں۔ گناہگار مسلمان اپنی سزا جہنم میں جھیل کر مقررہ وقت تک پھر جنت میں منتقل کیا جائے گا۔

دوزخ اصل تو کافروں کے لیے تیاری کی گئی ہے لیکن ضمنی طور پر یہاں گناہگار مسلمان بھی رہے گا۔ جس طرح مکان میں مالک بھی رہتے ہیں اور ضمنی طور پر مہمان بھی رہتے ہیں۔

وبشر الذین امنوا عملوا الصلحت ۔ کہ ایمان والوں اور عمل صالح کرنے والوں کو خوشخبری دو اللہ انسان کو مغموم نہیں بنانا چاہتا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ترہیب بیان کرتا ہے تو ترغیب بھی ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ تو مذکورہ آیت میں بھی یہی صوت ہے کہ جس طرح قرآن کے خلاف چلنے کا نتیجہ دوزخ ہے اسی طرح قرآن کے موافق چلنے کا نتیجہ جنت ہے۔ تو ساتھ جنت کی خوشخبری بھی سنا دی گئی۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ ایک قرآن نے دو متضاد عمل کیوں چھوڑے ہیں کہ اس پر عمل کرو تو جنت اور نہ کرو تو دوزخ۔ مثلاً ایک آدمی بیمار ہے ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا طبیب نے بتلا دیا کہ دوا کرو اور فلاں فلاں پرہیز کرو۔ تو اگر طبیب کے کہنے پر عمل کیا تو

مرض ختم اور اگر خلاف ورزی کی تو مرض بڑھ جائے گا۔ تو دیکھو ڈاکٹر کا علاج ایک ہے جو اس پر عمل کرے تو اسے فائدہ ہوگا اور جو عمل نہ کرے اسے نقصان ہوگا۔

وننزل من القرآن ماھو شفاء و رحمة للمؤمنین ولا یزید الظلمین الاخسارا۔ کہ ہم نے مؤمنوں کے لیے قرآن سے شفاء اور رحمت اتاری ہے اور ظالموں کے لیے نقصان۔

تو قرآن کے دو متضاد اثر ہیں اس پر عمل کرنے سے رحمت ملے گی اور عمل نہ کرنے سے نقصان ہوگا۔

تو جنت کا بیان چل رہا تھا کہ وہاں ابدالآباد رہنا ہے وہاں مرنا نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ زندگی اسے کہتے ہیں کہ بدن میں جان ہو اور مرنا یہ کہ بدن سے جان نکل جائے۔ تو جان اگر بدن میں رہ بھی سکے اور نکل بھی سکے جس طرح دنیا میں ہے۔ آخرت کا معاملہ جدا ہے آخرت موت کا جہان نہیں اللہ نے آخرت میں ایسی جان ڈالی کہ پھر نکلے گی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب جنتی اور دوزخی اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے جائیں گے تو جنتی دل میں سوچیں گے کہ شاید موت کی وجہ سے یہ نعمت ہم سے چھین نہ جائے اور دوزخی سوچیں گے شاید موت کی وجہ سے ہم اس عذاب سے نجات پالیں۔

یُوتیٰ بالموت فی صورة کبش ۔موت کو ایک دنبے کی شکل میں لایا جائے گا۔ وہ دنبہ پکار اٹھے گا کہ دنوں گروہ جنتی اور دوزخی سن لو میں موت ہوں آج مجھے ذبح کیا جارہا ہے اور آج کے بعد موت ختم ہوگئی۔

تو فرشتہ کہے گا خلود و لا خروج ۔ کہ اب موت کبھی نہ آئے گی۔ تو کہتے ہیں کہ اس فقرے سے اہل جنت کو اسقدر خوش ہوگی جو پہلے ایسی خوشی کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ تغلق ابواب جھنم۔ جہنم کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔

یقین آخرت کے ثمرات: کہ دنیا و آخرت کا ایسا جوڑ ہے کہ دنیا میں یقین آخرت کے بغیر خوشی نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے آخرت کا وہ یقین بخشو کہ اس کے ثمرہ میں دنیا کی مصیبت ہلکی اور ختم ہو جائے۔

مثلاً بیٹا مر گیا تو آخرت پر یقین ہو کہ آخرت میں اس سے بڑھ کر کروڑہا نعمتیں ملیں گی۔ تو ایسی صورت میں خود بخود صبر آ جائے گا۔ نعمت کے چھن جانے کا نام مصیبت ہے تو اگر کوئی یہ کہے کہ بہاول پور میں دس ہزار لیتا ہوں اور کل لاہور میں دس لاکھ لوں گا تو کون بیوقوف ہوگا جو یہ نہ کرے گا۔ تو عقیدہ آخرت سے غم ختم ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی صرف ایک آخرت کا غم رکھے باقی غم اللہ دور کر دیں گے۔

اکبر مرحوم کو ایک دوست ملنے آیا اس نے چٹ بھیجی اسی پر لکھ کر بھجوا دیا۔

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا
اب فکرِ آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

حضرت بی بی رابعہؒ بصریہ سے حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ آپ نے سارے نیک کام کیے ہیں صرف ایک کام نہیں کیا (شادی) تو جواب فرمایا شادی کا معنی خوشی ہے اور مجھے ایک غم ہے اگر وہ دور ہو جائے تو شادی کرلونگی۔ کہا کہ جب نزع کا وقت ہو تو آدمی کے سامنے جنت اور دوزخ کے نقشے دکھائے جائیں گے اور ٹھکانہ بھی بتلا دیا جائے گا کہ تیرا فلاں ٹھکانہ ہے۔ مجھے پتہ نہیں کہ میرا کونسا ٹھکانا ہوگا۔ دوسرا غم یہ ہے کہ میدانِ حشر میں اعمال نامہ کون سے ہاتھ میں آئے گا اور وزن اعمال میں پلڑا کونسا بھاری ہوتا ہے۔ ان تین فکروں نے نڈھال کر دیا ہے۔

یہ مسئلہ نہیں بلکہ بتلانا یہ مقصود تھا کہ پُرانے زمانے کے بزرگ فکرِ آخرت کس حد تک رکھتے تھے۔ حضرت رابعہؒ بصریہ کا اپنا مقام ہے ہر ایک کو اجازت نہیں۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی آخری عمر استغراق میں گذری ان کے ایک خادم تھے مولوی ادریسؒ صاحب ان دونوں میں صرف وہی ہی حضرت شاہ صاحبؒ سے بات کر سکتے تھے اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت رفع حاجت کے لیے جا رہے ہیں مولوی ادریس صاحب نے لوٹا اٹھا رکھا ہے حضرت شاہ صاحب پاخانے پہنچنے تک راستے میں کئی بارے بیٹھ جاتے تھوڑی دیر سوچتے پھر فرماتے درست ہے پھر چل پڑتے پھر بیٹھ جاتے اسی طرح واپسی پر بھی تو مولوی ادریس صاحب نے کہا حضرت یہ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ کوئی مسائل درپیش ہیں جب ان میں سے کوئی حل ہو جاتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں درست ہے۔ یہ تھی فکر۔

تخفیف غموم کا فائدہ نمبر۲۔ فائدہ یہ ہے کہ ترغیب فی الاعمال۔ کہ عمل میں چستی بھی آخرت کے یقین سے ہوگی۔ مثلاً ایک ملازم نماز یا درس قرآن میں پابندی میں کمزور ہے تو اس ملازم کو کہا جائے کہ اگر تم نے نماز کی پابندکی تو ایک دن کی پابندی میں تمہاری تنخواہ میں تین صد روپے کا اضافہ کر دیں گے۔ کیا وہ پابندی نہ کرے گا؟

تو اگر آخرت پر یقین ہو تو عمل میں چستی پیدا ہوگی۔

درس نمبر ۱۷

اتوار ۲۲ ستمبر ۱۹۶۸ء

یقینِ آخرت سے
عمل میں چستی پیدا ہوتی ہے نمبر ۲

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... وھم فیھا خٰلدون۔

آج کے درس میں اسلام کے اس بلند اور بنیادی عقیدہ کا ذکر ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک بلند تر آخرت کی زندگی آنے والی ہے جس میں مجازاتِ اعمال ہوگی۔ اس میں صرف تین چیزیں عرض کرنی ہیں۔ دوم اس بنیادی عقیدہ کی تاثیر کا بیان۔ سوم اُخروی زندگی کی برتری وعظمت کا بیان۔ چہارم اخروی زندگی کی حقیقت کا بیان۔

بیانِ تاثیر: آدمی کے دل میں اس وقت تک ایمان سویا ہوا ہوتا ہے کہ جب تک آخرت کا یقین اس کو بیدار نہ کرے اور انسان کے دل میں اس کے ذریعہ سے ایک ایسی مشین پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان سے حیرت انگیز واقعات رونما ہو جاتے ہیں۔ جو اس یقین آخرت کے بغیر صادر ہونا ناممکن تھے۔ وہ یہ کہ دین کی راہ میں ہر دکھ کو سکھ اور راحت سمجھنے لگتا ہے اور دین کے خلاف ہر شئی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

یوم الفرقان یعنی جنگ بدر کے دن: اس وقت کی جنگ کے لیے کھلے میدان اور تلواروں کے سائے میں ہوا کرتی تھی کوئی آج کی طرح مورچوں میں چھپ کر نہیں لڑی جاتی تھی۔ جنگ بدر حق و باطل کی پہلی جنگ تھی۔ ابھی تک اللہ کی امداد مسلمانوں نے نہیں دیکھی تھی صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صحبت اور یقین آخرت کا اثر تھا۔ تو جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو علم ہوا کہ کفارِ مکہ حملہ آور ہو رہے ہیں تو آپ ﷺ اور مہاجرین مدینہ طیبہ میں پردیسی تھے تو آپ ﷺ نے پہلے انصار مدینہ سے مشورہ لیا کہ ہم آپ کے ہاں پناہ لینے کے لیے آئے ہیں سنا ہے کہ کفارِ مکہ حملہ آور ہو رہے ہیں تمہارے ذمہ میدانِ جنگ میں لڑنا تو فرض نہیں کیا تم ہمارا ساتھ دو گے؟ تو اس پر انصار کے سرداروں نے تقریریں کیں ان میں ایک تقریر مقداد بنؓ اسود کی ہے۔ انہیں آخرت پر پختہ یقین تھا تو تقریر میں فرمایا۔

مقداد بن اسودؓ: عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! ہم نے آپ ﷺ کو پورے یقین کے ساتھ پیغمبرؐ مانا ہے اور جنت اور دوزخ حق ہے ان میں کوئی شک نہیں۔ خدائے آسمان کی قسم اگر آپ ﷺ ہم سے سارا مال لینا چاہیں تب بھی ہم خوش ہیں اور جو مال ہم سے لیں گے اس پر خوش ہونگے اور جو ہمارے ہاں چھوڑیں گے اس کی ہمیں خوشی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ہم جان پر بھی بازی کھیلنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ یقین آخرت کا مقام ہے۔

کون بیوقوف ہوگا جو جنت کی عمدہ زندگی کو چھوڑ کر دنیا کی گدلی زندگی کو پسند کرے گا؟

سعد ابن معاذؓ: دوسری تقریر حضرت سعد ابن معاذؓ کی ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہم بنی اسرائیل نہیں کہ جب انہیں جہاد کے لیے کہا گیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ کو کہا فاذھب انت وربک وقاتلا انا ھھنا قعدون ۔ کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو گھروں میں بیٹھے ہیں۔ یہ جواب دیا تھا بنی اسرائیل نے کہ اے موسیٰ ہم لڑنے نہیں جاتے تو اور تیرا خدا جا کر لڑے ہم تو اپنے گھروں میں بیٹھیں گے۔

پھر حضرت سعد ابن معاذؓ نے ایک بہت قیمتی جملہ فرمایا۔ عرض کی خدا کی قسم اگر آپ ﷺ امتحان لیں اور یہ فرماویں کہ سمندر میں چھلانگ لگاؤ تو ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی نہ ہوگی۔ یہ تھا یقین آخرت کا اثر۔

حضرت خیصمہؓ اور ان کے بیٹے دونوں نے عرض کی کہ ہم دونوں اس جنگ میں شرکت کریں گے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کا گھر پر رہنا ضروری ہے۔ باپ نے عرض کہ میں بوڑھا ہوں آخرت سدھر جائے گی۔ بیٹے نے عرض کی میں جوان ہوں جنگ کے لیے موزوں ہوں کارآمد ہوں۔ قرعہ اندازی کی گئی بیٹے کا نام نکلا۔

رافع بن خدیجؓ نے چال چلی کہ نابالغ بچہ جہاد میں چلا گیا۔

حضرت انسؓ بن نضر جو بدر کی جنگ کی حاضری سے محروم رہے۔ جب جنگِ احد کا اعلان ہوا تو آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے آسمان پہلی جنگ میں مجھے محروم رکھا گیا اب اس دوسری جنگ میں تو دیکھے گا کہ انسؓ بن نضر کیا کرتا ہے۔ یہ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا تھے۔ اس جنگ میں معمولی سی غلطی سے جیتی ہوئی جنگ ہاری۔ جس میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور ۷۰ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دو

دندان مبارک بھی شہید ہوئے۔ عین اس وقت جب میدان میں کفار کا پورا غلبہ تھا ان کی پوری گرفت تھی تو حضرت انسؓ بن نضر تلوار لیکر میدان کی طرف لپک رہے ہیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ نے کہا کہاں جا رہے ہو؟ کہا **والذی نفسی بیدہ انی لاجد ریح الجنۃ من وراء احد**۔ میدانِ جنگ میں کود پڑے خوب جنگ لڑی جسم کے اگلے حصے یعنی چھاتی پر ۹۰ زخم کھا کر شہادت پائی۔ یہ صرف یقین آخرت کے سبب تھا۔

مسلمانوں کی تمام فتوحات اس یقین آخرت اور یقین جنت کے سبب ہوئی ہیں۔ ورنہ مقابل کی فوجیں ہر لحاظ یعنی تعداد اور اسلحہ کے لحاظ سے قوی ہوتی تھیں مگر ان میں یقین آخرت نہ تھا۔ جب یہ یقین آخرت پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ کا ارادہ ان کے وجود میں کام کر رہا ہوتا ہے جب یہ صورت پیدا ہو جائے تو پھر ایک آدمی بھی سیکڑوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ایک صحابیؓ تازہ مسلمان ہوئے تھے کئی دن کا فاقہ تھا کھجور کا دانہ کھا رہے تھے جب پتہ چلا کہ شہادت کے بعد فوراً جنت ہے تو کھجور کے دانے پھینک دیئے میدان جنگ میں لڑنے لگے اور شہادت پائی۔ یہ تھی دین کی حمیت اور غیرت۔ آج تو دین کی غیرت ختم ہوگئی ہے۔

تو اسلام یقین آخرت کی بدولت عظیم انقلاب لایا۔ جنگ بدر میں قریش کا سردار عقبہ جو مارا گیا یہ بہت خوبصورت شخص تھا بیٹا پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی فوج میں تھا جب ان کفار کی لاشوں کو گڑھے میں ڈالا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دیکھا کہ عقبہ کے بیٹے کا چہرہ مرجھایا ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس کے بیٹے سے پوچھا کیا یہی وجہ ہے کہ تیرا باپ مارا گیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ نہیں۔ کاش کہ باپ کو میں قتل کرتا۔

عبداللہ بن ابی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حق میں ایک مرتبہ گستاخی کی کہا کہ تم نے ان پردیسوں کو بسایا اب یہ لوگ یہاں اونچے ہوتے جاتے ہیں حالانکہ تم لوگوں نے ہی انہیں رہنے کو جگہ اور گذر اوقات کے لیے مال و دولت دی۔ ہمیں

جب موقعہ ملا تو ہم انہیں یہاں سے نکالیں گے۔تو اس کے فرزند جن کا نام عبداللہؓ تھا انہوں نے جب یہ سنا تو تلوار لیکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے واقعہ سنایا اور عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے میں اپنے والد گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا سر قلم کردوں اور خدا تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو جاؤں۔آپ ﷺ نے فرمایا میں قتل کا حکم نہیں دیتا۔

وتقطعت بهم الاسباب۔اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔

بہر حال یہ یقین آخرت ہی تھا کہ مدینہ سے الجزائر اور کاشغر تک ایمان پھیلا۔ اگر یہ یقین آخرت پیدا ہو جائے تو ہر گناہ سے بچنا اور ہر نیکی میں شریک ہونا آسان ہو جاتا ہے۔اور زندگی بن جاتی ہے۔

مختصراً بیان کرتا ہوں کہ تأثیر کا بیان یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کی پابندی یا اولاد و مال و جان کی قربانی صرف آخرت کے پختہ یقین سے حاصل ہو جاتی ہے اور تمام مصیبتیں آسان ہو جاتی ہیں۔نعمتوں کا چھن جانا یہ مصیبت ہے مگر آخرت کے پختہ یقین کے سبب یہ مصیبت مصیبت نہیں رہتی بلکہ یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ جو نعمت اللہ نے لی ہے اس کے بدلے میں آخرت میں اس سے لاکھ گنا زیادہ ملے گی۔

حضرت زینبؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی صاحبزادی ہیں ان کے بیٹے کو نزع کی حالت طاری ہوئی آپ ﷺ کو بلوایا آپ ﷺ تشریف بھی لے گئے اور فرمایا بھیجا کہ تم صبر کرو جو کچھ اللہ نے دیا ہے وہ اس کا ہے اور اللہ کو حق ہے کہ وہ اپنا دیا ہوا لیلے۔

للہ ما اخذ و لہ ما اعطیٰ۔جو کچھ دیا ہے وہ اللہ کا ہے اور اسے حق ہے کہ دیا ہوا لے لے۔

دوم اخروی زندگی کی عظمت۔ اگر ہم نے اس دنیا کی فرصت کو ضائع نہیں کیا اور برباد نہیں کیا دنیا کے لہو ولہب میں تو پھر اس کے عوض وہ چیز ملے گی جو دنیا کی پوری زندگی اس زندگی کے ایک سیکنڈ کے برابر بھی نہ بن سکے گی۔ بس دین میں زندگی لگادو کیونکہ دنیا کی زندگی تو چنگاری کی چمک کے برابر ہے اس زندگی کو عظمت جانو اخروی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔

جنت کی ایک گز زمین دنیا کی پوری زمین سے قیمت میں برتر ہے۔ عرش معلّٰی سے لیکر پوری کائنات زمین و آسمان سیارگان سب کے سب جنت کی ایک گز زمین سے کم ہیں۔ آج اس قیمتی کام (یعنی دین) کے سکھانے کو مُلاّ پن کہتے ہیں۔

سب سے اول صحت ہے۔ آدمی دنیا میں دس سال تندرست نہیں رہتا بار بار ہسپتال وغیرہ جانا پڑتا ہے۔ مگر آخرت کی زندگی جو لازوال ہے اور ہمیشہ ہے اس میں سیکنڈ بھی مرض نہ ہوگا۔ جنت کا مزاج ہی کچھ ایسے طریقے کا بنایا ہوا ہے کہ صحت ہی صحت ہوگی مرض نام کو نہ ہوگا۔

دوم پھر شباب۔ کہ جنت میں ہمیشہ جوانی ہوگی بڑھاپا نہ ہوگا۔ لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً۔ کہ جاننے کے باوجود کچھ نہ سمجھے۔

یہ بڑھاپے کا مرض ہے تو جوانی کا مرکز جنت کی زندگی ہے کہ اربوں سال جوانی رہے گی۔ تو دوامِ حیات۔ اگر آج پتہ چل جائے کہ دوامی زندگی ہے تو انسان پوری دنیا بھی دینے کو تیار ہو جائے۔

سوم لقاء اقارب۔ کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ میرے والدین دادا وغیرہ رشتہ دار قریب ہوں مگر دنیا میں ہر آدمی بڑوں کے قرب سے محروم ہے اور جنت میں ان سب سے

یکجا ملاقاتیں ہونگی کیونکہ تمام گذشتگان اور تمام آنے والوں کی زندگی کا ایک ہی مرکز صرف جنت ہے اگر وہاں تم حضرت آدم علیہ السلام تک دیکھنا چاہو تو آپ دیکھ سکیں گے۔

چہارم لقاء الانبیاء و المقبولین ۔تمام پیغمبرؑ اور مقبولین کی زیارات جنت میں ہونگی۔

مثلاً حضرت عبد القادر جیلانیؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ سب کی زیارات ہونگی۔

پنجم: لقاء الملائکہ۔ کہ وہاں فرشتوں سے ملاقات ہوگی۔ دنیا میں فرشتوں سے ملاقات صرف انبیاءؑ کی ہوئی ہے اور کسی کو ملاقات نہیں ہوئی۔ وہاں ملاقات تو ملاقات رہی۔

سلام علیکم طبتم فادخلوھا خلدون ۔سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو سو داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہنے کو۔

کہ فرشتگان مسلمانوں کی خدمت کے لیے پابند ہونگے۔ جو شخص ایسی جنت کی نعمتوں سے محروم رہے اور دنیا میں چاہے پانچ ہزار تنخواہ لے ہم ایسی تنخواہ پر تھوکتے ہیں۔

چھٹی ۔چھٹی چیز جنت میں جو سب سے بڑی نعمت ہوگی وہ دیدار الٰہی کہ زندگی کی ارب ہا ارب لذتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے نصیب ہونگی۔ دیدار الٰہی صرف جنت میں ہوگا۔ دنیا جیسی گدلی جگہ پر تو حضرت موسیٰؑ جیسی جلیل القدر شخصیت کو بھی نصیب نہ ہوا۔

ساتویں۔ ساتویں چیز نعمت محبتِ احباب ہے۔ اگر آدمی ایک محلے میں رہتا ہو اور محلے والے اس کے دشمن ہوں تو اس کے لیے مرغ پلاؤ بھی نعمت نہیں اور زندگی گذارنا عذاب بن کر رہ جائے گا اور اگر اہل محلہ محبت و پیار سے رہیں تو دال بھی نعمت ہوگی اور زندگی خوشگوار گذرے گی۔

۞اخوانا علی سررٍ متقبلین ۔ بھائی بن کرتختوں پر بیٹھے آمنے سامنے کہ جنت میں ہر آدمی بھائی بھائی بن کر رہے گا۔ جب ہر ایک بھائی بھائی بن کر رہے گا تو اس سے اوپر چین پھر کیا ہو گا۔

حقیقت۔ حقیقت کا بیان۞ یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی زندگی کی حقیقت نہیں جانتے ایسے لوگ عجیب سوالات کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ کھانا ہو گا مگر پاخانہ جنت میں نہیں ہو گا۔ یا یہ کہ کپڑے میلے نہ ہونگے۔ یہ ان لوگوں کے خیالات ہیں جو اسلامی حقائق سے محروم ہیں۔ حدیث پاک ہے کہ جنت میں کھانا ہو گا مگر پیشاب پاخانہ نہ ہو گا۔

حضرت یحی ابن اکثمؒ بغداد کے قاضی تھے آپ ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار تھے کہ ایک بد دین شخص نے گھوڑے کی لگام پکڑ کر سوال کیا کہ قاضی صاحب جنت میں کھانا ہو گا آپ نے فرمایا ہاں اس نے پھر کہا کہ پھر جنت میں پیشاب اور پاخانہ ہو گا۔ آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ قاضیؒ صاحب نے فرمایا کہ تم روزانہ کتنا دن کھانا کھا لیتے ہو! اس نے کہا سیر بھر پھر فرمایا پاخانہ کتنا کرتے ہو کہ پاؤ بھر تو آپؒ نے فرمایا جو تین پاؤ غائب کر سکتا ہے وہ ایک پاؤ بھی غائب کر سکتا ہے۔

علمی جواب یہ ہے کہ دنیا کی کثیف غذا سے جو گندے اجزاء پیدا ہوتے ہیں ان گندہ اجزا کو معدے کی مشین باہر پھینک دیتی ہے۔ مگر جنت کی غذا سب نورانی۔ لطیف اور عمدہ ہو گی اس میں کوئی کثافت نہ ہو گی جب کثافت نہ ہو گی تو غلاظت بنے گی ہی نہیں۔

وہاں قدرت کا نظام عجیب ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت مین کھانا کھانے کے بعد ایک ڈکار آئے گا جس سے کھانا ہضم ہو جائے گا۔ اور جو پانی وغیرہ پیا ہو گا وہ بدن سے پسینہ بن کر نکل جائے گا اور اس پسینے کی خوشبو کستوری سے بڑھ کر ہو گی۔

مطلب یہ ہے کہ جنت کی نعمت بدلۂ اعمال ہے اور نیکیوں میں گند نہیں تو نیکیوں کے بدلے میں جو نعمت ملے گی وہ بھی لطیف اور پاکیزہ ہوگی۔ دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور آخرت کی زندگی کا دارومدار اعمال پر ہے۔ جنت میں ایک آدمی کی قوت ایک سو آدمی کے برابر ہوگی۔ جنت میں نیند نہیں ہوگی۔ نیند کمزوری کی علامت ہے۔ ملائکہ قوی ہیں انہیں نیند نہیں۔ نیند تو تھکاوٹ اتارنے کے لیے ہے اور جنت کی زندگی تو سراپاء لطافت اور چستی وغیرہ سے بھرپور ہوگی۔

دنیا کی عورتیں بھی ہونگی تو نیک عورت کا انتخاب کرنا چاہیے۔ اہل کتاب کے ساتھ نکاح جائز ہے تو اہل کتاب عورت کا وہ عقیدہ ہونا چاہیے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں اہل کتاب کا ہوا کرتا تھا۔ آج یہود ونصاریٰ کا وہ پہلے والا عقیدہ نہیں اسی لیے اب ان لوگوں سے نکاح جائز نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ انسان نکاح یا تو مال کی وجہ سے کرتا ہے یعنی مالدار عورت سے کرتا ہے یا عورت کی خوبصورتی کی وجہ سے کرتا ہے۔ یا پھر حسب ونسب کی وجہ سے کرتا ہے اور یا پھر عورت کی دینداری کی وجہ سے کرتا ہے۔ تو تم دیندار عورت کے ساتھ نکاح کرنا اللہ تعالیٰ تم پر بہت خوش ہوگا۔ آج تو انگریزی تعلیم کے معیار پر شادی ہوتی ہے۔ یہ معیار غلط ہے کیونکہ اگر وہ اس تعلیم کی وجہ سے متاثر ہوکر بے دین ہو جائے تو پھر اخروی زندگی میں جدائی ہو جائے گی۔

درس نمبر ۱۸

جمعۃ المبارک ۲۷ ستمبر ۱۹۶۸ء

جنت میں رفاقت کا انداز

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا...... وھم فیھا خلدون۔

اخروی زندگی کی حقیقت کے سلسلے میں چند اجزاء پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ حقیقت میں آخرت کی کامیابی بے مثال دولت ہے اور اس دولت کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بے اندازہ محبت تھی۔ حضرت ثوبانؓ مجلس سے اٹھ کر گھر گئے ہی تھے کہ چند منٹ بعد واپس آ گئے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں تو چند منٹ کی جدائی بھی گوارا نہیں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کس طرح ہوگی؟ کیونکہ آپ ﷺ کا مقام تو بہت ہی اونچا ہوگا اور ہم تو کم درجہ میں ہونگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

ومن یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا۔

ترجمہ: جس نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی تابعداری کی سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہے۔ کہ وہ نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت ہیں اور ان کی رفاقت اچھی ہے۔

بس اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ کو چین نصیب ہوا۔

(دنیا کی سب نعمتیں اس چین کی نعمت پر قربان کر دی جائیں تو چین کی نعمت نصیب نہ ہوگی) اس کا دارومدار تو خلوص اور اعمال صالحہ پر ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے خلوص اور اعمالِ صالحہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ باقی سوال یہ ہے کہ رفاقت کس انداز میں ہوگی؟

تفسیر مظہری میں ہے کہ عمل کے مطابق تو ہر ایک کے مقامات مقرر ہونگے لیکن آمد و رفت اور میل میلاپ کی بندش نہ ہوگی۔ مثلاً امیر کے گھر میں غریب لوگ بھی تو رہتے ہیں یا ملاقات کے لیے آتے جاتے رہتے ہیں۔

مظہری نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی ان کے مقام میں تشریف لے جایا کریں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اطاعت کا جوڑ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہے یہ دائمی اور ابدی ہے اور جو آپ ﷺ کی اطاعت وغیرہ سے کٹ گیا وہ پھر آخرت کی ساری زندگی میں بھی آپ ﷺ سے کٹ گیا۔

رفاقت مع الآباء۔ کہ بسا اوقات باپ بہت نیکوکار ہوتا ہے اور بیٹا کم درجہ کا ہوتا ہے تو یہاں بھی مقام کا فرق ہے۔ تو آیت نازل ہوئی۔

والذین امنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنابهم ذریتهم۔

ترجمہ: اور جن ایمان والوں کی اولاد ایمان کی حالت میں ان کی اتباع میں چلی تو ان کی اولاد کو ان تک ہم نے پہنچا دیا۔

تو ہم ان کو بطور فضل اور مہربانی کے ان کی اولاد کو ان کی صحبت میں بھیج دیں گے۔ اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے یہ معاملہ ہوگا۔ اس میں ایک پہلو تھا کہ اگر کم درجہ کے آدمی کو بڑے آدمی کے برابر کیا جائے تو اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص کے دو نوکر ہیں ایک زیادہ محنتی اور وفادار ہے اور دوسرا اس سے کچھ کم درجے کا ہے تو مالک زیادہ محنتی کو زیادہ تنخواہ دیتا ہے اور کم محنتی کو کم تنخواہ دیتا ہے۔ تو اب اگر کم تنخواہ والا مالک سے کہے کہ میری تنخواہ بھی بڑھا دی جائے تو مالک اگر زیادہ تنخواہ والے سے کچھ رقم لیکر اس کو دیدے تو برابری تو ہوسکتی ہے مگر اس صورت میں اس کی تنخواہ میں کمی آجائے گی۔ تو مہربانی اور فضل وکرم یہ ہوگا کہ اس کی تنخواہ اپنی طرف سے بڑھا دے۔

وما التنھم من عملھم من شئی۔ اور ہم نے ان کے عمل سے کچھ کمی نہیں کی۔

کہ والدین کے اعمال سے کمی نہ کرونگا بلکہ اپنی طرف سے فضل وکرم سے مزید نعمت دیکر برابری کردونگا۔

حقیقت آخرت کے سلسلے میں ایک آیت ہے اس میں ایک بنیادی چیز ہے دوام حیات یہاں کی زندگی فانی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ یہ جہان جہانِ تغیر ہے فنا ہے اس لیے یہاں ہمیشہ نہیں رہنا اگر یہاں سب کا رہنا ہوجائے تو اس تنگ زمین پر تو پھر ایک بالشت زمین بھی چلنے کو نہ ہوگی کیونکہ یہاں پیدائش کا سلسلہ جاری ہے اور جنت میں پیدائش کا سلسلہ نہ ہوگا۔ ایک آدمی بیدار ہے

اور ایک نیند میں ہے دونوں میں روح موجود ہے لیکن بیدار آدمی کے جسم سے جان کا مضبوط تعلق ہے اور سویا ہوا نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے نہ چل سکتا ہے وغیرہ یہ خداتعالیٰ کا عجیب نظام ہے۔ تو ایک ہی جان ہے مگر اللہ نے بیدار کے ساتھ روح کا تعلق زیادہ رکھا اور خوبیداہ کے ساتھ کم رکھا۔ لیکن بیدار آدمی میں جو روح کا تعلق ہے وہ خوابیدہ سے تو زیادہ ہے لیکن بیداری میں مرض وموت وغیرہ سے مانع نہیں۔

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔

ترجمہ: اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہدیں روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخرت میں جو روح ڈالونگا وہ بہت مضبوط ہوگی کہ پھر نہ مرض ہوگا اور نہ موت ہوگی۔ یہ کیوں؟ کہ دنیا میں جو روح بدل میں ڈالی گئی تھی وہ نماز وغیرہ سے مزین نہیں تھی تو اس میں اتنی طاقت نہیں تھی۔ اور جب یہ روح دنیا سے گذر کر گئی تو نماز اور اعمال صالحہ کی وجہ سے زوردار بن گئی تو پھر نہ موت ہے اور نہ مرض ہے۔ چوتھی چیز پھر وہاں کے نقشے کے مطابق فرمایا۔

کلما رزقوا منھا من ثمرة رزقاقالو اھٰذالذی رزقنا من قبل واتوابہ متشابھا۔ جب وہ رزق دیئے جائیں گے پھلوں سے تو کہینگے یہ تو وہی (پھل) جو ہمیں پہلے ملا تھا۔ اور انہیں ایک صورت کے پھل ملیں گے۔

اس میں کچھ حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں جس کو کوئی پھل ملے گا تو وہ بول اٹھے گا کہ ایسا ہمیں پہلے مل چکا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جنت کا پھل دنیا کے پھل کی شکل میں ہوگا مگر لذت مزہ جدا جدا ہوگا۔ اب تک مفسرین کی دو تفسیریں ہیں۔ صحیح تفسیر شاہ عبدالعزیزؒ کی ہے۔

مفسرین نے ایک تفسیر یہ کی ہے کہ جب پھل لایا جائے گا تو جنتی کہیں گے کہ یہ پہلے کی طرح ہے۔ تو ایک صورت یہ ہے کہ جنت میں جو اس سے پہلے کی طرح کا کھایا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر قرآن کے مفہوم کے خلاف ہے۔ کلما رزقو امنہا من ثمرۃ رزقا۔ معنی یہ بنتا ہے کہ جو پھل ملے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں جو سب سے پہلے پھل ملا ہے اس کے متعلق تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پہلے کی طرح ہے۔ تو مفسرین نے دوسری تفسیر اختیار کی کہ جنت کا پھل نہیں بلکہ دنیا کا پھل مراد ہے۔ مطب یہ ہوا کہ دنیا میں جو پھل ملا تھا اس کا رنگ اسی طرح کا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اس میں بھی کمی ہے کہ ہر پھل جو ملے گا تو بول اٹھیں گے کہ یہ ہم نے کھایا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جنت میں اور پھل نہیں۔

فلاتعلم نفس مااخفی لھم من قرۃ اعینٍ جزاءً بما کانوا یعملون ۔ پس کوئی نہیں جانتا جو چھپی ہے ان کے لیے آنکھ ٹھنڈک۔ وہ جزا ہے ان کے اعمال کی۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں نئے پھل ہونگے جو مؤمن کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔

حدیث شریف میں بھی اسی طرح آیا ہے کہ جنت میں جدید نعمتوں کے انبار ہونگے جو انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں گذرے ہونگے۔

تو شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا ہے کہ کلما رزقوا۔ کا معنی یہ ہے کہ جنت میں بسنے والے اکثر غریب لوگ ہونگے اور مالدار کم ہونگے۔ دیکھا نہیں ہے کہ نماز پڑھنے مسجد میں غریب لوگ بہت اور امیر کم آتے ہیں۔ بلکہ یہ دیکھو کہ حج جو محض امراء کے لیے ہے وہاں بھی غرباء کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ غریبوں کے پاس دنیا میں رقم تو تھی نہیں اور انہوں نے دنیا میں تو پھل کھائے نہیں وہ کیسے کہیں گے کہ یہ ویسا ہے جس طرح ہم نے پہلے کھایا ہے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں لوگوں نے تفسیر فتح العزیز جلا دی اس تفسیر کے چند حصے موجود ہیں حضرت شاہ جی کشمیریؒ فرماتے تھے کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہوتی تو باقی کسی تفسیر کی ضرورت نہ ہوتی۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جنت میں دو چیزوں کا نتیجہ ہے اور وہ کیا ہیں؟ وہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایمان ایک ہے اور اعمال متعدد ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ متعدد ہیں پھر نماز میں فرق ہے فرض الگ سنت الگ نفل الگ جنازہ کی نماز الگ ہے۔ اسی طرح روزہ وغیرہ۔ تو اعمال متعدد ہوئے لیکن عمل اور نیکی۔ نیکی اس وقت بنتی ہے کہ آدمی ایمان کی حالت میں ہو کفر کی حالت میں نیکی باقی نہیں رہتی۔ نیکی اس وقت ہے جب تک نیکی کرنے والے کا ایمان قائم ہو۔ کافر کی نیکی کا بدلہ دنیا میں ہوگا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن۔ تمہیں اورتم سے پہلے (پیغمبروں) کووحی ہوچکی ہے کہ اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین۔ اگرتم نے شرک کیاتوتم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہونگے۔

ایمان سب سے قیمتی چیز ہے۔ (یا اللہ ہمارا عقیدہ نہ بگڑنے دیجیو)۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جنت کا جونتیجہ دیکھوگے تو یہ تمہارے ایمان اوراعمال صالحہ کا نقشہ ہوگا۔ اسی طرح فرمایاوبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت ان لھم جنتٍ تجری۔ ایمان اورعمل صالح والوں کو جنت کی خوشخبری دیدو۔

ایمان اورنیک اعمال نے جنت کی نعمتوں کی شکل اختیارکی ہے۔ تو یہ اللہ کی قدرت ہے جس پر وہ قادر مطلق ہے کیا اس کی قدرتیں دنیا میں نہیں دیکھ رہے ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ جوکچھ ہے جنت میں یہ سب کچھ اعمال صالحہ اورایمان کا نتیجہ ہے۔ اس لیے فرمایا کہ کوشش کرنی چاہیے کہ جنت کی نعمتوں میں اضافہ ہو۔

وھل تجزون الا ماکنتم تعملون ۔وان لیس للانسان الاماسعیٰ ۔ انما ھی اعمالکم ترد الیکم ۔(الحدیث) تمہارے اعمال جنت میں تمہیں لوٹادیئے جائیں گے جب جنت میں داخل ہوجائیں گےتو اللہ پاک فرمائے گا کہ یہ تمہارے اعمال تھے جو ہم نے تمہیں دیدیئے۔

لیلتہ المعراج میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جب حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ جنت کا رقبہ موجود ہے عمل کروتو کھیتی ہوگی۔ وہاں سورج نہیں ہوگا صرف اللہ تعالیٰ کے عرش کی تجلیات کی روشنی ہوگی تو

اس روشنی سے جنت کے درخت کا سایہ بھی ہوگا۔تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک درخت کا سایہ سو سال کی مسافت کا ہوگا۔تو بتاؤ اتنے بڑے درخت کا پھل کتنا زیادہ ہوگا؟ یہ پھل دار درخت ایک بار سبحان اللہ والحمد للہ پڑھنے سے بنتا ہے اور جنت کی ایک بالشت زمین کی قیمت کل دنیا کی پوری زمین نہیں بن سکتی۔تو اب اگر اللہ اللہ کرنے والے کو بیوقوف کہا جائے تو پھر کہنے والے خود بیوقوف ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ نقشہ تو ایک ہوگا مگر اللہ تعالیٰ ذہن میں ایسے ایسے علوم ڈالے گا کہ حیران ہونگے۔جیسے مکڑی جو جالا بناتی ہے وہ ایک ماہر انجینئر بھی تیار نہیں کرسکتا۔

جنت میں جو چیز کھائیں گے اس کا رنگ تو ایک ہوگا کیونکہ ایمان ایک ہے مگر لذت وغیرہ علیحدہ علیحدہ ہوگا کیونکہ اعمال متعدد ہیں تو اللہ تعالیٰ جنتی کو علم دے گا وہ جب کھائے گا تو لذت و مزہ سے اسے معلوم ہوگا کہ یہ میرا فلاں عمل ہے جو ہم پہلے کھا چکے ہیں۔ تو رزق جو سابق دنیا گذر چکا ہے وہ کھانا پینا نہیں بلکہ وہ اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔

آم کی کتنی قسمیں ہیں اور قیمت میں بھی فرق ہے اسی طرح نیکی میں بھی فرق ہے کہ اخلاص سے نیکی ہو تو مٹھاس ہوگا اگر اخلاص میں کمی ہوگی تو مٹھاس میں بھی کم ہوگا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس انداز میں کرو کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یا پھر اس انداز سے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیکی کو عمدہ طریقہ پر کرو۔

درس نمبر ۱۹

۱۱۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء

عقیدۂ آخرت اور انسانی اصلاح

وبشر الذین امنوا و عملوا الصلحت...... وهم فیها خلدون۔

عقیدۂ آخرت کا بیان تھا آج عقیدہ آخرت کی اصلاح انسانی کو بیان کرتا ہوں۔ اللہ نے مسلمان کے لیے جو عقیدہ ٹھہرایا ہے وہ حقیقت میں انسان کی دوستی اور اصلاح کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اور جو برکتیں اور نور عمل میں نظر آتے ہیں وہ عقیدہ کی (مانند) ہیں۔ آخرت کا عقیدہ یہ آمادہ کرتا ہے کہ ہمیں سفر درپیش ہے۔ یہاں ہمیشہ رہنا نہیں۔ یہ دنیا ایک عظم الشان ہوٹل ہے۔ اللہ کے ہوٹل وغیرہ میں ہمیشہ رہائش نہیں ہوتی۔ اور ایک وقت ایسا ہوگا کہ یہ دنیوی ہوٹل بھی ختم ہو جائے گا۔ تو ہمیں چندروز کے لیے رکھا گیا ہے۔ اور کسی مقصد کے تحت رکھا ہے۔

الست بربکم قالو بلیٰ ۔کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں (روحوں نے) کہا ہاں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہماری روح کو ہمارے جسم میں آنے سے پہلے معلوم تھا کہ خدا ہمارا رب ہے مگر جسم نہ تھا جس سے آخرت کمائی جاتی۔ وہ جسم اس دنیا میں آکر ملا۔ آخرت کی کمائی کا سامان جسم کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ تلاوتِ قرآن کے لیے زبان کی ضرورت ہے تو روح کے پاس زبان وغیرہ کہاں ہے۔ اسی طرح حج اور زکوۃ مال پر

ہوتی ہے اور روح اور جسم دونوں ملکر مال کماتے ہیں۔ تو آخرت کمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے روح کو بدن کی سواری عطا فرمائی کہ روح اس پر سوار ہوکر آخرت کمائے اور موت۔ آخرت کمانے کے لیے یہ ایک گھنٹی ہے تو موت آخرت کے آنے کے لیے گھنٹی ہے۔ جب آپ کو موت اور آخرت کی حقیقت معلوم ہوئی کہ ہمیں سفر درپیش ہے اور خالقِ کائنات کے پاس جانا ہے اور موت کا وقت اس نے ہمیں نہیں بتایا۔

تو سب سے پہلا انسان پر جو آخرت کے عقیدے کا اثر پڑتا ہے وہ کثرتِ توبہ اور استغفار پڑھنا ہے۔ کیونکہ جو گناہ اس دنیا میں نہ مٹا وہ آگے گیا یعنی آخرت میں انسان کے ساتھ گیا اور آخرت میں وہ پھر مٹے گا نہیں۔

تو سفر درپیش ہے۔ اس کی مثال ہے کہ اگر ایک انسانی بادشاہ اعلان کردے کہ تمہیں مجھے ملنا ہوگا۔ تو یقینی بات ہے کہ اگر انسان کے کپڑے میلے اور داغ دھبے ہوں ان پر اور جسم میلا اور چہرے پر میل کے داغ ہوں تو ان حالات میں وہ انسان بادشاہ سے ملنا پسند نہ کریگا۔ وہ ان تمام عیوبات کو مٹا کر حاکم یعنی بادشاہ سے عمدہ حالت میں ملاقات کریگا۔ یعنی کپڑے عمدہ اور صاف ستھرے پہنے گا نہائے گا وغیرہ۔

اور کثرت توبہ کا مطلب یہ ہے کہ نہ معلوم اللہ سے ملنے کا وقت کب آتا ہے۔ تو توبہ اور استغفار پڑھنے سے داغ دھبے مٹ جاتے ہیں۔ میں نے تو داغ کا لفظ لیا ہے وگرنہ گناہ تو پاخانہ سے بھی گندی چیز ہے۔ اس لیے عقیدہ آخرت جس کا حاصل سفر الی اللہ ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے تمام گناہوں کو مٹائے۔

اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ صفائی کا سامان رکھا ہے بطور صابن کے وہ ہے (توبہ) اور استغفار۔ تو توبہ کے بعد گناہ نہ کیا جائے اگر ہو بھی جائے تو پھر توبہ کرے۔ اگر توبہ اور استغفار سے گناہ مٹا تو لیا اور پھر وہی گناہ کیا اور گندی حالت ہوگئی اور اسی دوران میں موت آ پہنچی تو کوئی فائدہ نہیں۔ وہی پہلے والی حالت رہی۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ میاں نفس گناہ چاہتا ہے اس بدبخت کو گناہ کا مزہ نہ چکھاؤ اگر اس نے ایک بار چکھ لیا تو پھر گناہ چھوڑنے میں تکلیف ہوگی۔ اسے شروع میں ہی لگام ڈالو چند دن تکلیف ہوگی پھر نفس تابع ہو جائے گا۔

بعض اوقات شیطان لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ جی بھر کر گناہ کرلو جب جی گناہ سے اکتا جائے گا تو پھر گناہ ترک کر دیگا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے کیوکہ گناہ ایک قسم کی کھجلی ہے کہ جتنا زیادہ کھجلو گے اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

کیا نشہ کی عادت آسانی سے چھوٹتی ہے؟ پہلے تو چھوٹتی نہیں اگر چھوڑا بھی جائے تو لاکھوں جتن کرنے پڑتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب نفس کی خواہش کرلے تو انسان عقل سے سوچ لے کہ اب لوٹ کا وقت آ گیا یعنی آخرت کو لوٹنا ہے۔ تو نفس سے مقابلہ و مجاہدہ کر کے جنت کو لوٹو۔ جب نفس سے مقابلہ کرے گا تو اصلاح کا ارادہ بھی کرے تو پھر اللہ نصرت فرماتے ہیں۔

ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم ۔اگر تم نے نفس کا مقابلہ کیا تو اللہ تمہاری امداد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

حضرت مولانا نانوتویؒ فرماتے تھے کہ اللہ بندے کی امداد کرے تو اس کی مثال گاڑی جانو اور بندہ جو نفس کا مقابلہ کرے تو اس کی مثال سبز جھنڈی سمجھو کہ جھنڈی کے ہلنے سے گاڑی چل پڑتی ہے۔تو جب انسان نفس کی اصلاح کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کی امداد عرش سے چل پڑتی ہے۔اللہ والوں سے جو بیعت کرتے ہیں یہ بھی توبہ کی نشانی ہے اور ایمان کی مضبوطی کی علامت ہے۔

۱۔ تو عقیدہ آخرت کا پہلا اصلاحی اثر یہ ہے کہ توبہ و استغفار سے گذشتہ گناہ دھل گئے اور اس سے آئندہ کی بھی اصلاح ہو جاتی ہے۔ ہر گناہ ایک تاریکی پیدا کرتا ہے اور پھر دوسرے گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ ۔جس نے توبہ کی وہ اسکی مثل ہے جس کے گناہ ہیں ہی نہیں۔توبہ سے دل کی تاریکی ختم ہوگئی اور انسان آئندہ کرنے سے بچ گیا۔

۲۔ دوسری چیز جو اصلاح انسانی میں مؤثر ہے وہ موت کو کثرت سے یاد رکھنا ہے۔اس تصورِ موت سے بھی عقیدہ کی اصلاح ہوتی ہے۔

موت ایک بہت بڑا انقلاب ہے عظیم انقلاب آجاتا ہے کہ یا تو آدمی بادشاہ تھا جب موت آئی تو آج ایک قبر میں پڑا ہے۔اور موت کے بعد دنیاوی تمام عظمتیں ختم ہوگئیں۔ملکیت ملکیت نہ رہی وغیرہ۔تو چونکہ موت کے پُل سے گذر کر آخرت کو

جاتا ہے تو موت کا ذکر کثرت سے ہو۔ (الحدیث) اکثروا ذکر ھاذم الذات الموت۔ کہ تم موت کو بہت یاد کیا کرو جو تمام مزوں کو مٹانے والی ہے۔

موت کے یاد کرنے سے آدمی دنیاوی پروگرام لمبے نہیں بناتا بلکہ مختصر کر کے قلب کو آخرت کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ موت حقیقت میں انسانی پروگرام کو ختم کر دیتی ہے۔

یکے بگور غریباں شہر سیر کن
ببیں کہ نقش عملہا کہ باطل

موت کو یاد رکھنے سے پروگرام کی تکمیل ہر گز نہیں ہو سکتی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک بار صحابہ کرامؓ کو ایک نقشہ بنا کر دکھایا چار کونہ کی لکیر کھینچ کر چوکور نقشہ بنایا فرمایا کہ اس کے درمیان انسان ہے اور اس چوکور کے باہر ایک لکیر کھینچی فرمایا کہ یہ انسان کی امید ہے اور پھر ایک اور لکیر کھینچی پھر فرمایا کہ یہ اس کی موت ہے۔ کہتے ہیں کہ امید کے پہنچنے سے پہلے موت آ جاتی ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے دل کے ارمان پھر بھی کم نکلے

(اکبر مرحوم)

عقیدہ آخرت کا اصلاحی اثر کیا پڑے گا کہ ہر آدمی زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھے گا۔ یہ ہے موت کو یاد کرنے کا اثر۔ تو ایسی صورت میں یقیناً مالک کی رضا کے کام ہونگے۔ جب یہ سمجھے گا کہ یہ میرا آخری دن ہے اور اللہ سے ملنا قریب ہے تو پھر

اللہ کی رضا کے کام کرے گا۔ اللہ نے موت کا دن نہیں بتایا۔ اگر بتا دیتا تو انسان دنیا کا کاروبار چھوڑ کر عمر کے دن شمار کرتا رہتا جب دن کم رہ جاتے تو پریشان رہتا۔ تو اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے موت کا وقت نہیں بتایا۔ دنیا کا کاروبار بھی تو چلانا مقصود ہے۔

مثلاً گورنر تمہیں کہدے کہ میں نے تمہیں بلانا ہے اور وقت نہ بتائے تو آدمی ہر وقت متفکر رہے گا کہ کس وقت بلا لے۔ تو اسی طرح اس عقیدہ سے آدمی ہر وقت موت و آخرت کے لیے تیار رہتا ہے۔

تو آخرت کے سفر کا سامان یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں سے توبہ کی جائے اور آئندہ کے لیے گناہوں سے پرہیز کی جائے اور اگر کسی کا حق ہو تو یا ادا کرو یا پھر بخشوالو۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا کتب خانہ دیوبند کے کتب خانہ کو وقف کر دیا صرف ایک قرآن شریف اور ایک کتاب جمع الفوائد اپنے پاس رکھی۔ مال جو تھا وہ اللہ کی راہ میں دیدیا۔ کپڑے ایک جوڑا پہنا اور ایک بدلنے کے لیے رکھا۔ کسی نے کہا کہ حضرت گنگوہیؒ نے تو اپنے پہننے کا جوڑا بھی ایک مولوی شریف صاحب تھے انہیں دیدیا تھا پھر عاریۃً ان سے لیکر پہنا اور انہیں فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد لے لینا۔ یہ ہے موت کو یاد رکھنے کا اثر۔

تو یاد رکھو عقیدہ آخرت تو بہت بڑی نعمت ہے۔

(الحدیث) اعمل لاخرتک کانک لموت غداً۔

کہ آخرت کی ایسی تیاری کرو گویا کہ تمہیں کل موت آنے والی ہے۔

یایہا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ ولتنظر نفس ماقدمت لغدٍ۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور ہر ایک دیکھ لے کہ کل (قیامت) کے لیے کیا بھیجتا ہے۔

تو خدا تعالیٰ نے بھی قیامت کو (کل) کے نام سے پکارا ہے۔

قرآن کا بڑا نور ہے لیکن وہ محروم ہے جس کے قلب میں تکبر ہو۔

محض عربی جاننے سے بھی فائدہ نہیں کیا ابو جہل عربی کا جاننے والا نہ تھا۔ عربی کا ادیب نہ تھا؟ عربی تو اس کی مادری زبان تھی۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ایک مولوی صاحب آئے انہوں نے اپنی کچھ بڑائی بیان کی یعنی خود ثنائی۔ تو حضرت تھانویؒ نے انہیں ڈانٹ پلائی تو انہوں نے کہا کہ میں حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہا ہوں انہوں نے تو مجھے کبھی ڈانٹ نہیں دی تھی۔

اے لقاء تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

حضرت تھانویؒ نے مولوی صاحب کو جواب دیا کہ ان بزرگوں کے پاس برکت تھی یہاں برکت نہیں ہے حرکت ہے۔ تو ان مولانا کو فرمایا کہ یہاں مسجد میں سب کے جوتے سیدھے کیا کرو۔ تو مولوی صاحب نے کہا یہ کام میرا شاگرد کیا کرے گا۔ تو پھر مولوی صاحب نے کہا کہ مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں کیا کرونگا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ ظہر اور عصر کی نمازوں میں تاکہ دن کی صورت میں لوگ بھی دیکھیں۔ مولوی صاحب نے چند دن جوتے سیدھے کیئے آخر بڑی محبت سے

جب سیدھے کرنے لگے تو پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اب بس کرو اب دل سے فرعونیت نکل چکی ہے۔

تواضع بہت عمدہ چیز ہے۔ جنہوں نے تکبر کیا وہ رشتہ داری کے باوجود ایمان سے محروم رہے اور جنہوں نے تواضع کی وہ صحابہ کرامؓ بنے۔

اصلاح کی چوتھی صورت۔ حفاظتِ ایمان ہے۔

الایمان بین الخوف والرجاء۔ (الحدیث) ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔

انسان نہ اتنا ڈرے کہ خدا سے ناامید ہو جائے اور نہ اتنی امید رکھے کہ گناہ کرتا رہے۔

انہ لاییاسُ من روح اللّٰہ الا القوم الکفرون فلایأ من مکراللّٰہ الا القوم الخٰسرون ۔ بیشک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر کافر۔ سو بے خوف نہیں ہوتے اللہ کے داؤں سے مگر نقصان میں پڑنے والے۔

انسان کی فتح و کامرانی اس وقت ہوگی جب یہ یقین ہو جائے کہ موت کے وقت ایمان تھا۔ تو خوف اور رجاء (امید) ایمان کے محافظ ہیں۔

حضرت تھانویؒ اس موضوع پر بار بار تقریر فرماتے تھے تو لوگوں میں آخرت کی ہیبت کی وجہ سے پریشانی پیدا ہوگئی۔ آپؒ نے ایک بزرگ کا واقعہ دورانِ تقریر سنایا کہ ایک بزرگ ساری عمر ہنسے نہیں تھے تو لوگوں نے ان سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے تو بزرگ نے جواب دیا کہ جسے یہ پتہ نہیں کہ اس دنیا سے ایمان کی حالت سے جاؤں گا یا

کہ نہیں تو ایسا شخص کیسے ہنس سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ پتہ نہیں کہ دنیا سے ایمان کی حالت سے جاؤنگا؟ تو وہ ہنسے کیسے۔ جب وہ بزرگ فوت ہوئے تو تختہ پر جب نہلا رہے تھے تو وہ ہنسے۔ تو اس سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ ایمان کی حالت میں گئے ہیں۔ (ہنسی کا نکلنا کرامت تھی) تو ہمیں موت علی الایمان کی دعاء کرنی چاہیے۔

تو جب حضرت تھانویؒ کی بار بار تقریر سے لوگوں مین پریشانی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی تو لوگوں نے حضرتؒ سے تسلی کے لیے تدبیر پوچھی۔ تو حضرتؒ نے حضرت حافظؒ کا یہ شعر پڑھا۔

بہوش باش کہ ہنگامہ باد استغناء

ہزار خرمن طاعت بنیم جو دہند

تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ خوف اور امید ایک قسم کے قائد اور سائق ہیں۔ قائد کھینچنے والا اور سائق پیچھے سے ہانکنے والے کو کہتے ہیں۔ تو خوف اور امید میں سے ایک کھینچنے والا اور ایک پیچھے سے ہانکنے والا ہے تو دونوں سے تعلق ہو۔ اور ساتھ یہ فرمایا کہ ایمان اللہ کی بخشش ہے اور جب عادل بادشاہ کوئی چیز دیدتا ہے تو پھر چھینتا نہیں ہے لیکن اگر ہم خود پھینکیں تو پھر چیز چلی جائیگی۔

عقیدہ آخرت کا ایک اثر تحفظ ایمان ہے۔ اور تحفظ ایمان کے لیے بزرگوں کی صحبت ضروری ہے۔ جب حضرت تھانویؒ اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھانوی میرے کتب خانے کی کتابیں بھی ساتھ لیتے جاؤ! تو عرض کی کہ آپ کے سینے میں

جو چیز ہے وہ دیدیں کتابیں تو مل جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت ایمان کی پہرہ دار ہے۔

حضرت مظہر جان جاناںؒ صاحب کرامت بزرگ تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کے ہمعصر تھے حضرت شاہ صاحبؒ جب مریض ہوتے تو لاعلاج ہونے کی صورت میں حضرت مظہر جان جاناںؒ سے عرض کرتے کہ اپنی قلبی توجہ سے مرض کا علاج کریں۔ ان کی باطنی توجہ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مرید کو لکھا کہ تمہارے خط کا جواب تاخیر سے دیا ہے اس لیے کہ روزانہ باطنی توجہ سے پانچ سو مریدوں کے قلوب کو پاک کرتا ہوں۔ یہ بزرگ شیعہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔

حضرت جاناںؒ کے بارے میں شاہ عالم بادشاہ نے کہا کہ اگر ایسے بزرگ موجود ہیں تو شیعہ مذہب نہیں پھیل سکے گا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو بھی سخت تکالیف دی گئیں کیونکہ آپؒ نے شیعہ کے رد میں جو تحفہ اثناء عشریہ لکھی ہے قیامت تک اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

حضرت حنظلہؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم جب ہم آپ ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں تو دل کی کیفیت بہت عمدہ ہوتی ہے اور جب ہم اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں تو پھر وہ کیفیت نہیں رہتی۔

فرمایا (حدیث): لو دُمتم علی ما تکونون عندی لصا فحتکم الملائکة ۔ اگر تمہاری وہی حالت رہے جو میرے پاس ہوتی ہے تو پھر تم سے ملائکہ مصافحہ کرتے۔

تو حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری وہی حالت رہے جو میری مجلس میں ہوتی ہے پھر تو ملائکہ تمہارے ساتھ مصافحہ کرتے۔

حضرت تھانویؒ کے پاس ایک آدمی آیا اس نے پوچھا کیا موت کے وقت شیطان ایمان سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے؟ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ میں نے دل میں سوچا اسے کہتا ہوں ہاں تو شاید یہ شخص سوچے کہ ایسے دین کے لیے شب و روز محنت ہی کیا کرنی جو ہر وقت خطرہ میں ہو۔ تو آپؒ نے اسے یوں فرمایا کہ جس وقت شیطان بہکانے کے لیے آئے گا تو یا آدمی بیہوش ہوگا تو جب آدمی بیہوش ہوگا تو شیطان جو کچھ بکتا رہے بکتا رہے کوئی اثر نہیں ہوگا اور یا پھر ہوش میں ہوگا تو باہوش کو شیطان بہکا ہی نہیں سکتا۔

حضرتِ تھانویؒ کا قول ہے کہ ایک ہے منبع یعنی سرچشمہ جہاں سے دریا نکلتا ہے یا دریا سے جہاں نہریں نکلتی ہیں اور دوسرا مورد ہے یعنی جہاں پانی پہنچے۔ تو فرمایا جہاں پستی ہوگی وہاں پانی پہنچے گا اور جہاں پستی نہیں ہوگی وہاں پانی نہیں پہنچے گا۔ تو جہاں تکبر ہوگا وہاں اللہ کی رحمت نہیں چڑھے گی اور جہاں تواضع ہوگی وہاں اللہ کی رحمت پہنچے گی۔

درس نمبر ۲۰

۱۳۔ اکتوبر ۱۹۶۸ء

کفار کا ناقص معارضہ

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت...... ویقطعون ماامر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک هم الخسرون۔

ان اللہ لایستحی ان یضرب مثلا مابعوضة فما فوقها۔
اللہ تعالیٰ مکھی مچھر یا ان سے بھی کم درجہ کی چیز کے بیان کرنے کو عیب نہیں سمجھتا۔

اللہ نے قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی واضح دلیل فرمائی کہ اگر یہ کتاب اللہ کی نہیں۔ تو تم سب مل کر چند سطور بنا ڈالو! تو وہ نہ بنا سکے اور نہ ہی اب تک کوئی بنا سکا اور نہ ہی کوئی آئندہ بنا سکے گا۔ تو اس سے معاملہ طے ہوا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

تو جب کفار کے پاس اس چیلنج کا جواب نہ تھا تو انہوں نے ایک معارضہ پیش کیا یا اپنے خیال کے مطابق قرآن پاک میں نقص نکالا۔ (وہ معارضہ یہ ہے

کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو کہاں اتنا بڑا خدا اور کہاں اتنی چھوٹی سی چیز مچھر یا مکھی کی مثال دینا)

مفسیرین کے ارشاد کے مطابق سورۃ بقرہ سے پہلے سورۃ حج اور سورۃ عنکبوت میں قرآن نے ایک مضمون ذکر کیا ہے۔ کہ ایک آدمی اللہ کے بغیر کسی دوسرے سے مقصد برآری سمجھے تو یہ غلط ہے۔ یعنی اللہ کے بغیر کسی دوسرے سے اپنی مشکلات کے حل کے لیے کوئی دوسرا سہارا ڈھونڈے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مکڑی کے جالے کو گھر سمجھ کر اس کو سردی اور بارش ہٹانے کے لیے کافی سمجھے تو یہ نادانی ہے۔

وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت ۔تمام کمزور گھروں میں سے مکڑی کا جالا کمزور گھر ہے۔ تو اگر آدمی اس جالے سے سردی اور گرمی دور کرنے کی امید رکھے اور اسے بارش سے محفوظ رکھنے کو کافی سمجھے تو یہ اس شخص کی نادانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے مقصد برآری کرنا غلط ہے۔

اور بتوں کے متعلق سورۃ حج میں ہے۔ لن یخلقوذ بابا ولواجتمعوا له وان یسلبهم الذباب شیئاً لایستنقذوه منه۔

ترجمہ: وہ ہرگز ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ سب مل جائیں اور اگر ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔

مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کو تم کارساز سمجھتے ہو ان پر خوشبو وغیرہ ڈالتے

ہو مکھی ان پر بیٹھ کر وہ خوشبو وغیرہ اڑا لیتی ہے وہ بچارے اپنے سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتے۔تو طالب اور مطلوب یعنی بت اور بت پرست دونوں کمزور ہیں۔

بس کفار کو ان دو باتوں سے موقعہ مل گیا کہ خدا ہو کر اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثال دیتا ہے؟ قرآن کے اس چیلنج کا تو جواب نہ دے سکے کہ بس چند سطور کی چھوٹی سے سورۃ بنالاؤ تو قرآن ہار گیا۔خود اہل زبان تھے غیر عرب کو عجمی کہتے تھے مگر قرآن کے اس دعوے کے سامنے عاجز تھے تو پھر ایسے کمزور بہانے تلاش کرنے لگے۔

آج یورپ بھی قرآن کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ اسلام کے خلاف فتنے پھیلانے پر تو ایک رپورٹ کے مطابق سالانہ سات ارب روپے خرچ کر رہا ہے مگر وہ بھی چند سطور کی چھوٹی سی آیت نہیں بنا سکا یہ آسان راستہ تھا قرآن کو مغلوب کرنے کا۔تو ان کے اربوں روپے خرچ کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ قرآن کے مقابلے میں سورت لانے سے عاجز ہیں۔

عیسائی ان عربوں سے عربی دینی کتابوں کا ترجمہ انگلش میں لکھ کر اپنی طرف سے غلط حوالے بنا کر درج کرتے ہیں۔یا تو وہ حوالہ اصل میں ہوتا ہی نہیں یا پھر سیاق و سباق نکال کر لکھتے ہیں تاکہ آدمی پھنس جائے اور شروع شروع میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعریف بھی کریں گے۔کیونکہ اس طرح اس تعریف کے پردہ میں اسلام کے خلاف جو بات کریں گے اسے لوگ مستحکم سمجھیں گے۔

دیکھو آج سائیکل بن رہی ہے۔ ہوائی جہاز و دیگر مصنوعات بن رہی ہیں۔ مگر کسی کارخانے میں سورج تو نہیں بن رہا۔ اسی طرح جو انسان بنا سکے وہ انسان کا اور جو انسان نہ بنا سکے وہ خدا کا۔ تو بس اتنی سی دلیل بھی کافی ہے۔

تو کفارِ مکہ نے معارضہ پیش کیا کہ اگر یہ قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو خدا مکڑی یا مچھر یا مکھی کا ذکر کرتا؟ کہاں اتنا بڑا خدا اور کہاں اتنی سی چھوٹی چھوٹی چیزیں۔

اصول یہ ہے کہ جہلاء۔ عوام الناس ایسی باتوں سے بہکتے بھی ہیں۔

چھوٹائی اور بڑائی کا سوال ہوتا تو پھر تو اللہ تعالیٰ کو چاہیے کہ وہ کسی چیز کا نام بھی نہ لے۔ کیونکہ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز بھی اللہ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ جو ستارے نظر آتے ہیں وہ سائنسدانوں کے نزدیک سولہ ارب ہیں اور جو نظر نہیں آتے وہ ان سے کہیں بہت ہیں۔ اور یہ تمام ستارے سورج سے بڑے ہیں۔ سورج چونکہ قریب ہے اس لیے بڑا نظر آتا ہے۔ اور سورج دو لاکھ اسی ہزار حصہ زمین سے بڑا ہے۔ تو جو ذات ان کے بنانے والی ہو تو ان چیزوں کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے۔

وما قدروا اللہ حق قدرہ ۔ اللہ تعالیٰ کی قدر اس کی شان کے مطابق نہیں کی۔

تو اگر بڑائی کا معاملہ ہوتا تو اللہ کے سامنے عرش اور زمین و آسمان سے

سب مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتے۔تو پھر تو خدا تعالیٰ کو خاموش رہنا چاہیے؟ تو کفار کی طرف سے یہ کوئی اعتراض نہیں یا کوئی دلیل نہیں جو ذرا بھی عقل کے مطابق ہو۔

باقی رہا یہ کہ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثال بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تو دیکھو مقرر کا طریقہ ہوتا ہے کہ دورانِ تقریر یا مصنف دورانِ تحریر جو بڑی چیز کو بڑے موقعہ پر اور چھوٹی چیز کو چھوٹے موقعہ پر بیان کرتا ہے۔اگر تحقیر کے موقعہ پر بڑی اور عزت دار چیز کا نام لیا جائے تو یہ مفسر اور مقرر کی کم علمی کی دلیل ہے۔تو جب خدا تعالیٰ کا مقصود بت پرستی اور بت کی ذات بیان کرنا ہے تو اس لیے چھوٹی چیز موقع و مطلب کے مطابق بیان کی۔تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو بیوقوف ہیں (یعنی کافر)۔

ان اللّٰہ لا یستحی ان یضرب مثلاما بعوضۃً فما فوقھا۔

کہ تم (کفار) تو مکھی اور مکڑی پر اعتراض کرتے ہو تو اگر ان سے بھی کم چیز مچھر کے بیان کرنے کا موقعہ آیا تو میں اس کے بیان کرنے میں بھی عیب نہیں سمجھتا۔

مطلب یہ کہ ہر چیز موقعہ کے مطابق استعمال کی جائے۔

واما الذین کفروا فیقولون ماذا ارادللّٰہ بھذا مثلا یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔

(ترجمہ) کافر کہتے ہیں کہ ایسی مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے۔ اس سے بہت گمراہ ہوتے ہیں اور بہت ہدایت پاتے ہیں۔ توفما فوقها میں دو تفسیریں ہوئیں۔ کہ اللہ کم چیز کی مثال دینے میں عار نہیں سمجھتا۔

فیعلمون انه الحق من ربهم ۔ جنہوں نے اسے اپنے رب کی جانب سے حق سمجھا۔

جنہوں نے یہ سمجھا کہ یہ حق ہے ہمارے رب تعالیٰ کی طرف سے تو وہ ہدایت پا گئے اس مثال سے اور دوسری یہ کہ جن لوگوں نے اس مثال پر اعتراض کیا **یضل به کثیرا** ۔ تو وہ گمراہ ہو گئے اس مثال سے۔ تو قرآن کے دو متضاد اثر ہوئے کہ جنہوں نے عمل کیا ان کے لیے شفاء اور رحمت بنی اور جنہوں نے اس کا انکار کیا وہ خسارے اور نقصان میں رہے۔

وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنين ولايزيد الظالمين الا خسارا۔

ہم نے قرآن سے مؤمنوں کے لیے رحمت اور شفاء نازل کی اور ظالموں کے لیے نقصان اور خسارہ ہے۔

(حدیث) **ولكن اخشى عليكم الدنيا ان تبسط عليكم كما بسطت على من كان قبلكم فتنا فسوها كما تنافسوها وتهلككم كما اهلكتم**۔

میں خوف کرتا ہوں تم پر کہ دنیا تمہارے پاس زیادہ ہو جائے گی۔ تم اس میں رغبت کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ رغبت کرتے تھے تم ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح یہود و نصاریٰ ہلاک ہوئے۔

(حدیث) لكل امة فتنة و فتنة امتی المال۔

ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری امت کے لیے مال فتنہ ہے۔

(حدیث پاک) ماترکت بعدی فتنةً اشد علی امتی من النساء۔

میں نے اپنی امت کے لیے عورت سے زیادہ سخت کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ میں اپنے پیچھے عورت سے بڑھ کر اور کوئی بڑا فتنہ نہیں چھوڑے جا رہا۔

انگریز مورخ لکھتا ہے کہ اس وقت دنیا میں ۲۲ واں تمدن و تہذیب چل رہی ہے اور ۲۱ تباہ ہو گئی ہیں۔ تو نظر ڈالی گئی کہ سابقہ ۲۱ کیوں تباہ ہوئیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ ۲۱ کی ۲۱ تہذیبیں عورت کو آزادی دینے کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں۔ عورت کی آزادی اور عریانی تہذیبوں کی تباہی کا سبب بنی۔

آج مسلمان کو اسلام اتنا پیارا نہیں جتنا اسے عورت کو بے پردہ بنانا پیارا ہے۔ یہ ذہن یورپ کی تقلید میں جا رہے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام میں عورت کا مقام کم ہے۔نہیں۔ بلکہ اسلام نے ہی آ کر عورت کو بلند مقام عطا کیا۔ باقی تمام قوموں نے عورت کو جانور سمجھا (بنا) رکھا تھا۔

اسلام نے عورت کو قیمتی جانا اسے عزت بخشی اور اس کے لیے قوانین دیئے۔ اسلام نے عورت کو وراثت وغیرہ کا حق دیا۔ جہاں زوج کے حقوق ہیں وہاں زوجہ کے بھی حقوق ہیں۔

ایک صحابیؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کرتے ہیں کہ والدین میں سے زیادہ بھلائی زیادہ احسان کس سے کروں؟ تین مرتبہ سوال کیا اور آپ ﷺ نے بھی تین دفعہ جواب فرمایا کہ ماں سے زیادہ بھلائی واحسان کرو۔ اور چوتھی مرتبہ سوال کے جواب میں فرمایا کہ باپ سے۔

اس لیے محدثین فرماتے ہیں کہ ماں کے مقابلے میں باپ کا چوتھا حصہ ہے احسان اور بھلائی میں۔

پردہ کا حکم عورت کی بھلائی اور عزت کے لیے ہے اور عورت کے تقدس کے لیے ہے۔ عورت کا تقدس پردے میں ہے بے پردگی میں نہیں۔

یورپ اور امریکہ کے نزدیک عورت نکمی چیز ہے وہ کہتے ہیں کہ عورت صرف عیاشی کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ لیکن خدا نے فرمایا کہ یہ سوا آدمؑ کے تمام پیغمبروں کی ماں ہے تو ایسی پاک ہستی کو گندی نگاہوں سے کیوں کوئی دیکھے۔

ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت اقدس میں سوال ہوا کہ ہم میں بہتر کون ہے؟

(حدیث) خیر کم خیر کم لاھلہ وانا خیر کم لاھلی۔

تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل (عورت) کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لیے بہتر ہوں۔

یورپ کا حال سنو ۱۸۹۶ء میں یورپ نے کانفرنس قائم کی اس میں یہ سوال رکھا گیا کہ کیا عورت میں جان ہے کہ نہیں؟ بتاؤ یہ بیوقوف ہیں کہ نہیں؟

یہ تو اسلام اندلس میں گیا تو وہاں عورت عورت بن گئی اور اسے تقدس ملا۔ انگلستان اور روما کا قانون ہے کہ عورت عدالت میں دعویٰ قائم نہیں کرسکتی۔ اور عورت عدالت میں گواہی نہیں دے سکتی۔ عورت مال کی خرید وفروخت نہیں کرسکتی۔ یہ قوانین تھے۔ یہ تو اسلام آیا اور عورت کو بتدریجاً یہ مقام ملا۔ اسلام نے عورت کے لیے جو کچھ کیا وہ عورت کو تقدس بخشنے کے لیے کیا۔

فساد کا ہے فرنگی میں ظہور۔ کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں۔

لڈوسی ماہر نفسیات گذرا ہے اس نے لکھا ہے کہ دنیا میں اتنی خودکشی کبھی نہیں ہوئی جتنی آج یورپ اور امریکہ میں ہو رہی ہے لکھتا ہے کہ یہ خودکشی صرف عورت سے تنگ ہو کر کی جا رہی ہے۔ تو اس نے اس کا علاج بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اسلامی تعلیم پر چلو تو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ یعنی خودکشی وغیرہ سے بچ

جاؤ گے۔

اگر مرد کو اللہ کی طرف سے کوئی فطرتاً برتری ہے تو عورت کو اس پر حسد نہیں کرنا چاہیے اس میں بھی حکمتیں ہیں۔ یہ ایک جدا مضمون ہے۔

تو ایک خداداد برتری ہے اب ہم اس برتری کو مساوات کا نعرہ گلا پھاڑ پھاڑ کریں تو بھی اللہ کی فطرت بدلتی نہیں۔ حقوقی مساوات تو ہے کہ اگر مرد کے حقوق ہیں تو عورت کے بھی حقوق ہیں۔ باقی فطری لحاظ سے مساوات نہیں۔ طاقت میں عورت کو فطرۃً کم رکھا۔

دماغی قوت کے لحاظ سے دیکھو کہ ایجادات میں عورتوں کی کتنی تعداد ہے اور مردوں کی کتنی تعداد ہے۔ سائیکل سے لیکر ہائیڈروجن بم تک تمام چیزیں مردوں نے ایجاد کی ہیں۔ طاقت وقوت کے لحاظ سے گاماؒ پہلوان مردوں میں ہے عورتوں میں کوئی گامی نہیں گذری۔

فوج میں بھی بڑے عہدوں پر مرد فائز ہیں۔ تو مال کمانے کی ذمہ داری مرد کو دی اور اندرون خانہ کی ذمہ داری عورت کو دی۔ عورت گھر میں کھانا پکاتی ہے۔ کپڑے دھوتی ہے۔ جھاڑو دیتی ہے۔ گھر میں رہ کر عورت کتنی تنخواہیں بچالیتی ہے اگر اسے بی اے پڑھا کر ملازمت پر بھیجیں اور گھر کے کام لیے خادمائیں مقرر کریں تو کتنی پریشانی ہوگی؟ خرچ کے علاوہ گھر کی نگرانی گھر کی مالکہ جیسی نہیں ہوسکے گی۔

تو اللہ نے سب چیزیں فطرۃً پیدا کی ہیں۔ کان سننے کے لیے۔ زبان بولنے کے لیے وغیرہ اسی طرح عورت کے ذمہ اندرون خانہ کا کام ہے باہر کا نہیں۔

یورپ کے ایک بڑے فلاسفر نے لکھا ہے کہ یورپ کی عورت بڑی بیوقوف ہے ان کے ذمہ گھریلو کام تھا مگر وہ کہتی ہے کہ مجھے باہر کا کام بھی دو۔ تو لکھتا ہے کہ یہ ایسی بیوقوفی ہے کہ ایک آدمی کو کوئی کہے کہ تم روزانہ ایک من غلہ پیسا کرو تو میں اتنی تنخواہ دونگا لیکن وہ کہے کہ میں دو من غلہ پیسوں گا۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی بیوقوف ہوگا۔ تو عورتیں جب سے مرد کے دوش بدوش چلنے لگیں تو ان کا کام دُہرا ہوگیا ہے اور پریشانی بھی بڑھ گئی ہے۔

لڈوسی لکھتا ہے کہ مرد خودکشی کیوں کرنے لگے ہیں؟ کہتا ہے کہ جب مرد اور عورت کی تعلیم برابر ہوئی اور تنخواہ برابر ہوئی تو عورت نے مرد کو ڈانٹنا شروع کیا کہ میں ہر لحاظ سے تمہارے برابر ہوں اور مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ تو لڈوسی لکھتا ہے کہ اسلام کے طلاق کے قانون کو عیسائی غلط سمجھتا تھا مگر جب تنگ ہوئے تو رفتہ رفتہ اسے سمجھنے لگے اور آخر کار اسلام کے طلاق کے قانون کو عیسائیوں نے اپنایا تو اب یورپ میں ہر چھ لاکھ میں ایک لاکھ طلاق ہے۔ لکھتا ہے کہ ایک عورت سے پوچھا کہ تم اس مرد سے طلاق کیوں لیتی ہو؟ یہ تو بہت اچھا آدمی ہے اس نے جواب دیا کہ یہ سیاہ رنگ کا سوٹ پہنتا ہے جو مجھے پسند نہیں۔ دوسری

عورت سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ مجھے بلی پسند ہے اور میرے خاوند کو کتا پسند ہے۔ یہ حال ہے۔

یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ تنخواہ برابر ہے۔ عورت اور مرد کی آمدنی برابر ہے۔ اب یورپ بیچارہ پریشان ہے کہ عورت کے منہ میں سے لگام تو نکال چکا ہے مگر اب سنبھال نہیں سکتا۔

تو اس بیان کے بعد لڈوسی اپنا مشورہ لکھتا ہے کہ اگر تم معاشرہ درست کرنا چاہتے ہو تو (محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کا اسلامی قانون اپناؤ۔

الرجال قومون علی النساء۔ مرد کو عورت پر (فطرۃ) فوقیت بخشی۔

ظالمیت سے بھی منع کیا ہے کہ مرد عورت پر ظلم و ستم نہ کرے۔ تو باہر سے کمانے والا مرد ہوگا تو عورت کو اس کی محنت و تکلیف کا احساس ہوگا تو عورت خاوند کی تابعدار بن کر رہے گی۔ اس سے گھریلو ماحول اور معاشرہ پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ آپس میں محبت بڑھے گی۔

تو اللہ تعالیٰ نے مچھر کو بطور مثال پیش کیا۔ نام تو ابولہب کا بھی قرآن میں ہے وغیرہ تو اگر قرآن میں مذمت کے طور پر نام آجائے تو اس سے بڑھ کر کوئی تباہی نہیں۔ اسی طرح لحم خنزیر۔ اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح ہو۔ یہ نام مذمت میں آئے۔ لیکن جہاں نام مذمت میں نہ ہو تو مقدس اور ابدی کتاب میں نام پانا تو بہت عمدہ بات ہے۔ تو مچھر، عنکبوت اور ذباب نے جگہ پائی اور عمدہ جگہ پائی۔

فلما قضیٰ زید منہا وطراً زوجنکہا۔

حضرت زید ابن حارثہؓ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے متبنیٰ یعنی اپنا بیٹا بنا رکھا تھا کہتے ہیں کہ جب حضرت زیدؓ کا نام قرآن میں آیا تو صحابہ کرامؓ نے انہیں مبارک بادی دی۔ یہ بھی نگاہِ محمدی (ﷺ) کا فیض ہے۔ آپ ﷺ کو حضرت زیدؓ سے محبت تھی یہ غلام تھا پھر اس کو آزاد کیا پھر اس کو بیٹا بنایا تو یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس کا نام قرآن میں عمدہ انداز میں بیان ہوا۔ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ اور علیؓ ان کے تو کارنامے ہی ایسے تھے کہ ان کا نام زندہ رہے گا یہ غلام بیچارہ تھا تو نگاہِ محمدی صلی اللہ علیہ والہ وسلم تھی کہ اس غلام پر فیض پڑا اور قرآن میں مکمل نام سے پکارا گیا۔ تو اس کا بھی نام زندہ ہو گیا۔

یہ غلام تھا اسے ڈاکو چرا کر لے گئے تھے ان سے حکیم ابن حزام نے حضرت خدیجہؓ کے لیے خریدا حضرت خدیجہؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بخش دیا جب بخشا تو آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا یہ خاندانی آدمی تھا صرف ڈاکہ کی وجہ سے یہ نوبت آئی۔ تو والدین تلاش میں تھے تلاش کرتے کرتے مکہ میں آ پہنچے بیٹے نے حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعریف کی۔ والدین نے ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی زیدؓ بن حارثہ نے کہا میں تو ایک منٹ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے جدا نہیں ہو سکتا میرا تو مرنا اور جینا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ہوگا۔

یہ حضرت زیدؓ بن حارثہ یورپ کی جنگ موتہ ۸ھ میں شہید ہوگئے یہ اس فوج کے کمانڈر تھے۔

اللہ نے تو ایک کم چیز مچھر کی مثال دی مگر قدرت کا نظام دیکھو کہ علم الحیوانات والے لکھتے ہیں کہ مچھر کی بناوٹ بالکل ہاتھی کی شکل کی طرح ہے مچھر کی بھی سونڈھ ہوتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ مچھر جب اپنی سونڈھ ہاتھی کے جسم پر مارتا ہے تو وہ اس کی سخت کھال میں اس طرح داخل ہوتی ہے جس طرح ہماری انگلی حلوے میں داخل ہوتی ہے۔ کیا قدرت ہے خداوند قدوس کی کہاں مچھر اور کہاں ہاتھی۔

(حدیث پاک) لو كانت الدنيا تعدل عندالله جناح بعوضةٍ ماسقىٰ كافراً منها شربةً۔ (ترجمہ) اگر پوری دنیا کی قدر اللہ کے ہاں مچھر کے پَر برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ ملتا۔ تو خدا نے یہ کم حیثیت کی (ذلیل) چیز سے کفار کو مثال دی۔

درس نمبر ۲۱

جمعۃ المبارک ۲۵۔اکتوبر ۱۹۶۸ء

حیاء کی تعریف

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت...... ویقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون۔

نوٹ: اس درس سے پہلے والے تین درس نہیں ہوئے کیونکہ حضرت جیؒ ڈیرہ اسماعیل خاں۔ملتان اور لاہور جلسوں پر تشریف لے گئے تھے۔

ان اللّٰہ لا یستحی ان یضرب مثلا ما بعوضۃ فما فوقھا۔

یہ آیت جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ شرم نہیں کرتا اس بات سے کہ وہ مچھر یا اس سے بھی کم چیز سے مثال بیان کرے اور جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں وہ اسے حق جانتے ہیں۔ اور اس سے گمراہ ہوتے ہیں وہ لوگ جن میں وہ صفات ہیں۔وہ صفات بعد میں آئیں گی۔

عنکبوت اور ذباب کا ذکر ہوا کہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں پر سہارا رکھتے ہیں ان کی مثال ایسے شخص کی طرح ہے جو مکڑی کے گھر (جالے) سے گرمی

اور سردی سے بچنے کی امید رکھے۔ یہ نادانی اور بیوقوفی ہے۔ یعنی جو غیر اللہ سے مرادیں پوری ہونے کی امید رکھتے ہیں وہ مکڑی کے گھر سے گرمی اور سردی سے بچنے کی امید رکھتے ہیں۔ یہ نادانی اور بیوقوفی ہے۔

اللہ نے جہان کا انتظام اپنے ہاں رکھا ہے اور کسی مقبول ترین ہستی کو نہیں دیا اور جن معبودانِ باطل کو یہ لوگ پوجتے ہیں ان پر اگر مکھی بیٹھ جائے تو وہ بیچارے اس کے اڑانے سے عاجز ہیں۔

توان اللّٰہ لایستحی ان یضرب مثلا۔ یہ آیت اس وقت اتری جب کفار نے اعتراض کیا۔ ابن جریرؒ نے ایک وجہ لکھی ہے جو موثر ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض منافقین مدینہ کا ہے نہ کہ کفار مکہ کا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے منافقوں کی مثال گذری ہے۔ کہ یہ منافق یا تو پانی کی طرح ہیں اور یا آگ کی طرح ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اللہ آگ اور پانی جیسی چیزوں کا ذکر کرتا ہے؟ تو ابن جریرؒ نے اس آیت کو یہاں شانِ نزول فرمایا۔ ان دونوں آیتوں میں ربط بھی موجود ہے۔ منافقوں کا کہنا بھی مدینہ میں اور سورۃ بقرہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی۔ تو سورۃ بقرہ مدنی ہے۔ تو منافقوں کا کہنا (اعتراض کرنا) درست ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کفار نے بھی کہا ہو کہ اللہ مچھر اور مکھی جیسی مثال بیان کرتا ہے؟ لیکن ظاہری طور پر سبب نزول منافقوں کے اعتراض پر معلوم ہوتا ہے کیونکہ سورۃ بقرہ بھی مدنی اور منافق بھی مدنی ہیں۔

اب ایک خاص چیز کا ذکر کرتا ہوں کہ اللہ ایک صفت حیاء سے موصوف ہے۔ یہ صفت کمال ہے انسان اور خدا دونوں کے لیے۔

الحیاء شعبة من الایمان۔ (الحدیث)

حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔

الحیاء نصف الایمان۔ (الحدیث)

حیاء نصف ایمان ہے۔

ایمان اور حیاء دونوں ان وصاف کا نام ہے جو برائی سے روکیں۔

الحیاء کیفیة انقباضیة تمنع من النفس عما یکرہ۔

جو کام اللہ کے ہاں یا لوگوں کے ہاں یا دونوں کے ہاں برا بر ہو اس سے طبیعت میں جو نفرت پیدا ہو اس کا نام حیاء ہے۔ تو معلوم ہوا کہ بُری چیز کے مقابلے میں نفرت پیدا ہو اس کو حیاء کہتے ہیں۔ اس میں علماء نے فرق بیان کیا ہے کہ حیاء اور بزدلی میں کیا فرق ہے؟

کیونکہ حیاء صفتِ ایمان ہے دونوں میں یہ فرق ہے کہ اگر آدمی کی طبیعت میں ایسی حالت پیدا ہو کہ جو کام شریعت میں برا ہو اس سے رک جائے یہ ہے حیاء۔ اور اگر نہ رکے تو بزدلی ہے۔ یا دیکھو کہ شرعاً نہ ہو مثلاً شادی کی رسومات آدمی اس وجہ سے کرے کہ برادری بُرا کہے گی تو کرڈالے یہ ہے بزدلی۔

یہ واقعہ پہلے بیان ہو چکا ہے مختصر عرض کرونگا۔ جب بیت المقدس حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی سپہ سالاری میں فتح ہوا پادریوں نے امیر المومنین کے آنے کی شرط لگائی کہ وہ آئیں گے تو انہیں بیت المقدس کی چابیاں دیدی جائیں گی۔ غلام اور امیر المومنین نے ایک ہی اونٹنی پر باری باری سفر کیا۔ جب بیت المقدس پہنچے تو سواری کی باری غلام کی تھی۔ امیر المومنین کے کرتے پر چودہ پیوند تھے۔ غلام اور امیر المومنین کی وضع قطع میں فرق معلوم نہ ہوتا تھا۔ پادریوں نے صرف اتنا پوچھا کہ امیر المومنین کون ہیں؟ بتلایا گیا وہ ہیں جنہوں نے اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی ہے۔ تو انہوں نے فوراً چابیاں پیش کر دیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ چابیاں دینے میں تم نے کوئی حیل و حجت نہیں کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہماری آسمانی کتابوں میں آخری نبی کے اس صحابیؓ کی جو نشانیاں لکھی ہوئی ہیں جس نے بیت المقدس کو فتح کرنا تھا ہم نے وہ نشانیاں دیکھنی تھیں وہ سب ان میں تھیں اگر نہ ہوتی تو ہم قطعاً چابیاں نہ دیتے۔ وہ نشانیاں ہیں۔ کہ غلام اونٹ پر سوار ہوگا۔ امیر المومنین مہار پکڑے ہوگا۔ کرتے پر اتنے پیوند ہونگے۔ چہرے کی وضع قطع یہ ہوگی وغیرہ۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے عمدہ گھوڑا سواری کے لیے پیش کیا آپؓ نے ڈانٹا بھی اور انکار بھی کیا۔

عمدہ لباس پیش کیا آپؓ نے پہننے سے انکار کر دیا۔

غلام نے کہا آپؓ اونٹنی پر سوار ہوں۔ انکار کر دیا۔

اگر آپؓ گھوڑا یا لباس یا اونٹنی کی سواری قبول کر لیتے کہ عیسائی کتنی ٹھاٹھ والے ہیں ان کے پاس جانا ہے۔ تو یہ بزدلی ہوتی۔ مگر آپؓ حیاء اور ایمان میں کامل شخصیت تھے کسی چیز کو قبول نہ کیا اور کسی کی پرواتک نہ کی۔ شریعت کو مدنظر رکھا اور اس پر عمل کیا یہ ہے حیاء۔

نماز کا وقت آیا تو ایک بڑا اگر جا گھر تھا عیسائیوں نے چاہا کہ حضرت عمرؓ اس میں نماز پڑھیں مگر حضرت عمرؓ نے باہر میدان میں آ کر نماز پڑھی۔

نجران سے ۹ ھ میں عیسائیوں کا وفد مدینہ شریف آیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان کے لیے مسجد نبوی میں خیمہ لگوایا اور ضرورت کی تمام چیزیں انہیں مہیا کی گئیں۔ مسلمان نماز پڑھتے تھے تو عیسائی دیکھتے تھے جب عیسائیوں کی نماز کا وقت آیا تو عیسائی گھبرائے کہ ہم تو مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہاں کیا ہوگا؟ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنی طرز پر نماز ادا کر لو۔ آج تو مسلمانوں نے چپہ چپہ پر علیحدہ مساجد بنا کر امتِ محمدیہ کو ایک دوسرے سے متنفر اور جدا کر رکھا ہے۔

ومن اظلم ممن منع مساجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ۔

اس شخص سے کون بڑا ظالم ہے جو اللہ کی مساجد میں ذکر سے منع کرے۔

اور قیامت میں ظالم کو سب سے بڑا عذاب ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ مسجد دور ہو اور لوگوں کو وہاں جانے میں دقت ہو تو قریب دوسری مسجد بنالی جائے مگر یہ نہ ہو کہ کسی کو روکا جائے۔ ہر مسجد سب مسلمانوں کے لیے ہے۔

تو یہ حیاء کی تحقیق تھی کہ آدمی ایسا کام نہ کرے جس کو شریعت نے بُرا کہا ہے۔

اور جس کام کو شریعت نے برا نہ کہا ہو پھر اسے لوگوں کے ڈر اور شرمندگی کی وجہ سے نہ کرے یہ ہے بزدلی۔

جس طرح میں نے حضرت فاروق اعظمؓ کی مثال دی کہ پیدل چلنا اور گھوڑے پر سوار نہ ہونا رواجاً برا تھا مگر شریعت میں اجازت تھی تو آپؓ نے کسی کی بات نہ مانی۔

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ اپنے مرید حضرت گنگوہیؒ کو خلیفہ مجاز بنانا چاہتے تھے تو طریقہ کے مطابق پہلے قلب کا حال معلوم کرنا چاہا تو آپ نے مکہ شریف سے خط لکھا رشید احمد قلب کی کیا کیفیت ہے؟ اذکار کے بارے میں تو لکھتے ہو کہ جاری ہیں مگر قلب کی کیفیت نہیں لکھتے۔ تو مولانا گنگوہیؒ نے جواب عرض کیا کہ قلب کی کیا حالت لکھوں۔ اور میں کیا چیز ہوں البتہ صورت یہ ہے کہ اگر لوگ تعریف کریں تو قلب کو خوشی نہیں ہوتی اور اگر مذمت کریں تو غمی نہیں ہوتی یعنی مخلوق کی بھلائی و برائی بیان کرنا یکساں ہوگئی

ہے۔ تو پھر حضرت مہاجر مکیؒ نے جواب دیا کہ بس یہ مقام ہے کہ بندہ لوگوں سے بے نیاز ہو جائے اور صرف رب العزت کو مد نظر رکھے۔ تو یہ ہے حیاء۔ حیاء کا معنی ہے ترک کرنا۔ چھوڑنا۔

ان اللّٰہ لایستحی ان یضرب مثلا بعوضۃ۔ کہ اللہ مچھر اور مکھی کی مثال دینے کو ترک نہیں کرتا۔

(حدیث پاک) ان اللّٰہ یستحی من ذی الشیبۃ المسلم ان یعذبہ۔ کہ اللہ سفید ریش کو عذاب نہیں دیتا (حیاء آتی ہے)۔

یحیٰ ابن کثمؒ یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے شاگرد تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ جب فوت ہوئے تو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا حضرت کیا حال ہے؟ فرمایا کہ بہت مشکل ہوئی پہلے تو منکر نکیر کا دستہ آیا اس نے سوال کئے۔ من ربک۔ من نبیک۔ ما دینک۔ تین مرتبہ سوال کئے۔ میں خاموش رہا۔ یہ عالم قاضی (مجسٹریٹ) تھے۔ تو میں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ ہم نے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث پڑھی تھی کہ جو سفید ریش ہو اسے عذاب دینے سے اللہ کو حیاء آتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرما بھیجا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اس کے راوی بھی صحیح ہیں جاؤ تمہیں بخشا۔ اسے ضابطہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ ضابطہ تو یہ ہے کہ شریعت پر چلنے سے نجات ہوگی۔ یہ اللہ کی کرم نوازی ہے۔

ایک مسخرہ عالم نے چونا مل دیا بیٹے کو کہکر۔ تو انہوں نے جواب بھی خواب میں بتایا کہ یا اللہ سفید ریش کرنا تیرا کام تھا اور چونا ملنا میرا کام تھا تو خدا نے انہیں بھی معاف کردیا۔ نیک لوگوں کی نقل اتارنے سے وہ بخشا گیا۔

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔

تمہارے لیے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی اسوہ حسنہ ہے۔

اللہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دشمنوں کی نقالی سے بچائے۔

(آمین)

فاما الذین کفروا فیقولون ماذا اراداللّٰہ بھذا مثلا۔

کافر کہتے ہیں کہ اللہ کا کیا ارادہ ہے اس مثال سے۔

اس سے ایک بات یہ نکلی کہ ایک صورت میں انہوں نے اللہ پر اعتراض کیا۔ اللہ نے انہیں کفروا سے تعبیر کیا ہے۔ معلوم ہوگیا کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم پر جو اعتراض کریگا۔ انکار تو بڑی چیز ہے۔ صرف اعتراض کرے گا۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اعتراض کافرانہ کام ہے۔

اعتراض کی دو صورتیں ہیں۔ (ا) توھینی اعتراض۔ (۲) تفہیمی اعتراض توھینی اعتراض تو کفر ہے۔ اور تفہیمی اعتراض کہ سمجھنے کی غرض کے لیے اعتراض کرے یہ جائز ہے کفر نہیں۔

انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔

میں زمین میں اپنا نائب بناتا ہوں۔

قالوا اتجعل فیھا من یفسدفیھا ویسفک الدمأ ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک قال انی اعلم مالا تعلمون۔

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ ان کو بناتا ہے جو زمین میں فساد کریں گے جبکہ ہم تیری تعریف اور تسبیح کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا میں زیادہ جانتا ہو تمہیں علم نہیں۔

اللہ نے یہاں فرشتوں کو ڈانٹ نہیں دی کیونکہ تفہیمی اعتراض تھا توھینی نہ تھا۔ مگر آگے دیکھو کہ جب آدم کو سجدہ کے لیے کہا گیا تو ملائکہ نے کیا اور ابلیس نے نہ کیا تو کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں وہ مٹی سے ہے اور میں آگ سے ہوں۔ تو خدا نے فرمایا

فاخرج منھا فانک رحیم۔

یہاں ڈانٹ پڑی کیونکہ توھینی اعتراض تھا۔ تو ڈانٹ بھی ایسی پڑی کہ اربوں سال معافی نہ ہوئی۔ یہ اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ آج کل ایک جاہلانہ فضاء چل پڑی ہے کہ لوگ دین پر اعتراض کرتے ہیں۔ دیکھو خیال رکھا کرو کہیں منہ میں سے کافرانہ باتیں نہ نکل جائیں۔

کل لاہور سے آ رہا تھا گاڑی میں چند آدمی گفتگو کر رہے تھے کہ نظام کون سا اچھا ہے؟ ایک نے کہا چین کا اور دوسرے نے کہا روس کا وغیرہ ایک نے

کہا کہ قانون تو اسلام کا عمدہ ہے مگر مولویوں نے بگاڑ رکھا ہے۔ تو پھر میں بول پڑا میں نے کہا تم نے یہ اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کیا ہے۔ میں نے وہ حدیث سنائی کہ جس کے پاس دوسو روپے ہوں وہ پانچ روپے اللہ کی راہ میں دیدے۔ پھر میں نے چینی اور روسی نظام وغیرہ پر مختصر روشنی ڈالی۔ تو میرا نام پوچھا تو فوراً معذرت خواہی کی اور اپنی غلطی تسلیم کی کیونکہ نام تو سن رکھا تھا مگر مجھے دیکھا ہوا نہیں تھا۔ تو کہنے لگا کہ مجھے ایک دوست نے خط لکھا تھا کہ چینی نظام ہی اسلامی نظام تھا مگر مولویوں نے بگاڑ رکھا ہے میں اس کی باتوں میں آ گیا تھا اب مجھے علم ہوا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

اس آیت میں بڑے حقائق ہیں وہ بعد میں بیان ہونگے۔

درس نمبر۲۲

۲۷۔اکتوبر ۱۹۶۸ء

قرآن روح کے لیے غذا ہے

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت...... ویقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون۔

ان اللّٰہ لایستحی ان یضرب ۔اس پہلے درس میں اس آیت کے سلسلے میں یہ بیان ہوا کہ اللہ نے قرآن میں سمجھانے کے لیے منافقین کی جو مثال بیان کی کہ اس آگ کی مانند ہیں جو تھوڑی دیر کے بعد بجھ جائے۔ یہ بات ایمان والوں نے بھی سنی اور منافقوں نے بھی سنی۔ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہوا لیکن منافقوں نے اعتراض کیا کہ اللہ نے اتنی چھوٹی چیز سے مثال کیوں دی۔ اللہ نے فرمایا کہ اس سے ایمان والوں کا ایمان بڑھے گا۔

اللہ نے روح اور جسم کے لیے دو خزانے پیدا کئے ہیں۔روح جسم میں قیمتی گوہر ہے جس کے بغیر جسم کوئی حقیقت نہیں۔ بادشاہ بھی ہو تو اسے بھی روح کے بغیر نہیں رہنے دیتے۔معلوم ہوا کہ اصلی جوہر روح ہے۔جسم کی ضروریات

کے لیے زمین بنائی۔ جسم کی ضرورت زمین سے پوری کی جاتی ہے۔ غذا، دوا، کپڑے وغیرہ۔ یہ سب زمین سے ملتے ہیں۔

توزمین جسم کے لیے خزانہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرا خزانہ روح کے لیے پیدا کیا وہ قرآن پاک۔ یہ خزانہ روح کی فلاح کے لیے بمنزلہ پانی کے ہے۔ اس خزانہ سے قسمت والوں نے فائدہ اٹھایا اور بدقسمت بہک گئے۔ اس سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ کی عظمت قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ دوسری قرآن کی عظمت پیدا ہوتی ہے۔ تیسرا علم دین جو قرآن میں ہے اس کی عظمت قلب میں پیدا ہوتی ہے۔

دنیا کا علم جتنا ضروری ہو وہ زندگی کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ دنیاوی علوم صرف روزی کے لیے ہیں۔ روزی کا مسئلہ صرف قبر تک ہے۔ قبر کے آگے صرف دین کا علم ساتھ جائے گا۔ ہم جس فضاء میں پرورش پارہے ہیں اس فضا اور اسلامی فضا میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے ان نعمتوں کے عمل میں کمی پاتے ہیں۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ دولت اور علم دین میں کس کا مقام بلند ہے۔

آپؓ نے فرمایا بات تو واضح ہے کہ دولت کی تو کوئی حیثیت نہیں اور دین کا علم تو بہت بلند مقام رکھتا ہے۔

۱۔ آپؓ نے فرمایا جس کے پاس دولت زیادہ ہو اس کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں۔ غریب کا کوئی دشمن نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا دولت بڑھانا دشمنی

زیادہ کرنا ہے۔

۲۔ فرمایا اگر دین کا علم زیادہ ہو تو پروانے زیادہ ہوتے ہیں۔ یعنی لوگ عالم دین کے پاس پروانوں کی طرح آتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے پاس دولت نہیں تھی علم تھا۔

۳۔ فرمایا دولت کی تم حفاظت کرو گے۔ کہ کوئی چرا نہ لے۔ تجارت اور دولت وغیرہ کی تم حفاظت کرو گے لیکن علم دین خود تمہاری حفاظت کرے گا۔

۴۔ فرمایا دولت خرچ کرنے سے کم ہوتی ہے لیکن علم دین خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

۵۔ فرمایا دولت فخر کی چیز نہیں یہ فرعون کی میراث ہے لیکن علم دین پیغمبران۔ انبیاءؑ کی میراث ہے۔

۶۔ کہ دولت سے بغاوت اور سرکشی بڑھتی ہے لیکن دین کا علم تواضع بڑھاتا ہے۔

آج کل چند غریب طبقے کو دین کے علم کے لیے چھوڑا گیا ہے۔ امراء علم دین سے نفرت کرتے ہیں۔ انہیں کارخانے، زمینیں اور ڈگریاں درکار ہیں۔ یہ چندروزہ ہیں لیکن جب موت آئے گی تو پھر یہ ڈگریاں وغیرہ بیکار ثابت ہونگی۔

آج جس کو اونچا طبقہ کہا جاتا ہے وہ دین سیکھنے کو بے عزتی تصور کرتا ہے۔مگر اللہ کے ہاں وہ اونچا طبقہ ہے جو دین سیکھے اور سکھائے۔

دین سکھانے والے عالم کی عزت تب ہوتی ہے جب اکثریت کے ذہن میں دین کی عزت ہو۔

۱۔ سلیمان بن عبدالملک حج کو گیا اپنے دونوں صاحبزادے بھی ساتھ لے گئے۔انہیں حج کے مناسک وغیرہ کے معلومات کی ضرورت پیش آئی۔مکہ کے عالم حبشی ہوتے تھے۔کالے اور غلام۔اس وقت حضرت عطاء ابن ابی رباح عالم تھے۔سلطان نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی عالم ہیں تو لوگوں نے عطاء ابن رباح کا نام لیا۔بادشاہ ان کے مکان پر گئے کہاں عالم اور کہاں بادشاہ۔لیکن اس وقت کے بادشاہ خود علماء کے پاس جاتے تھے۔ان میں علماء کرام اور علم دین کی عزت تھی۔جب بادشاہ گئے تو وہ عالم نماز پڑھ رہے تھے خودداری کا عالم یہ تھا کہ انہیں معلوم ہو گیا کہ بادشاہ ملاقات کو آئے ہیں تو انہوں نے نماز کچھ لمبی کر دی۔فراغت کے بعد بھی کوئی خاص توجہ نہ دی۔بادشاہ مسائل پوچھتے رہے اور عطا ابن ابی رباحؒ جواب دیتے رہے۔بادشاہ جب جانے لگا تو اپنے بچوں کو حضرت کے پاس چھوڑ گئے کہ اس عالم دین سے ادب سیکھ لو۔جب لوگوں نے بادشاہ سے وجہ پوچھی تو بادشاہ نے کہا کہ حضرت عطا ابن ابی رباحؒ نے مجھ پر ادب کے عجیب و غریب راز واضح کئے ہیں۔مجلس اور حکمرانی کے آداب کے بھی طریقے ہوتے

ہیں۔

۲۔ عبداللہ ابن طاہر حاکم تھا اسحاق ابن ابراہیم یہ حکومت کے اچھے عہدوں پر تھے۔ اسحاق ابن ابراہیم نے علماء کو ایک بڑی دعوت برائے بادشاہ میں بلایا تاکہ بادشاہ کو خود علماء کے پاس نہ جانا پڑے اور علماء دعوت کے بہانے خود بادشاہ کے پاس آ جائیں گے۔

ابوعبیدہ ایک بڑے عالم تھے وہ سمجھ گئے کہ یہ صرف بادشاہ کے لیے بلایا جارہا ہے تو آپ دعوت میں نہ گئے۔ ان عالم کو عبداللہ ابن طاہر سے دو ہزار ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں نہیں آئے تو ابوعبیدہؒ نے فرمایا کہ بادشاہ کے پاس دولت ہے اور میرے پاس اللہ کا علم ہے۔ تو دولت کو علم کے پاس آنا چاہیے نہ کہ علم کو دولت کے پاس۔ تو اسحاق ابن ابراہیم کو یہ بات بری لگی تو اس وجہ سے عالم کا وظیفہ بند کر دیا۔

تو اسحاق نے بادشاہ کو ان کی شکایت تحریر کر کے بھیجی اور ساتھ لکھا کہ میں ان کے دو ہزار ماہانہ وظیفہ کے بند کرنے کی سفارش کرتا ہوں۔

بادشاہ نے منظوری کی بجائے خط کا جواب دیا کہ جو شکایت آپ نے درج کی ہے تو میں ان عالم ابوعبید کی حق گوئی کی وجہ سے آج کی تاریخ سے ان کی تنخواہ دو کی بجائے چار ہزار مقرر کرتا ہوں۔ پرانے زمانے کے بادشاہ علماء کی قدر و منزلت جانتے تھے۔

۳۔ ہارون الرشید کے ہاں علماء کی دعوت ہوئی بادشاہ علماء کے خود ہاتھ دھلا رہا تھا ایک نئے عالم بھی شریک تھے انہیں بادشاہ کا علم نہیں تھا۔ پوچھتے ہیں کہ یہ ہاتھ دھلانے والا کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ امیر المومنین خود دھلا رہے ہیں۔ تو عالم نے تعجب کیا۔ بادشاہ نے کہا یہ تو کوئی بات نہیں۔ آپ عالم دین ہیں اور علم دین کی عزت اور ادب ہمیں بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔

۴۔ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ کے ہاں پڑھتے تھے فرماتے ہیں کہ میں سبق پڑھنے کے وقت کتاب کا صفحہ بڑی احتیاط سے بدلتا تھا یعنی پلٹتا تھا کہ کہیں پلٹنے سے جو کاغذ کی آواز نکلتی ہے اس سے میرے استاد صاحبؒ کو تکلیف نہ ہو۔ یہ ہے ادب۔

۵۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ تیس برس تک اپنے استاد کے گھر کا سودا خرید کر لاتے رہے حالانکہ استاد کے گھر والے روکتے تھے آپ سودا نہ خرید لایا کریں۔

۶۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک مرتبہ درس دے رہے تھے تو دوران درس تین چار مرتبہ اٹھے۔ شاگردوں نے وجہ پوچھی؟ فرمایا سامنے بچے کھیل رہے تھے ان میں میرے استاد صاحب کے لڑکے بھی کھیل رہے ہیں جب وہ سامنے آتے ہیں تو میں ادباً کھڑا ہو جاتا ہوں۔

۷۔ حضرت زید ابن ثابتؓ یہ انصاری ہیں ایک مرتبہ آپ گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے تو حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے رکاب (پاؤں رکھنے کی جگہ) پکڑ کر

انہیں سوار کیا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ ایک تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بھائی ہیں دوسرا بہت بڑے عالم ہیں آپ نے رکاب کیوں پکڑی؟ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیں ایسا سبق دیا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ واقعہ مدینہ شریف کا ہے۔

۸۔ بزرگ حضرت مظہر جانِ جاناںؒ بہت نازک طبع بزرگ تھے مزاج بڑا لطیف تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کی خدمت میں بیٹھا تھا اسے پیاس لگی پانی طلب کیا آپ نے فرمایا وہ صراحی پڑی ہے پی لو۔ بادشاہ نے پانی پی کر کٹورہ کچھ بے ترتیب یعنی ٹیڑھا رکھا تو مزاج چونکہ لطیف تھا فرماتے ہیں کہ تم بادشاہت خاک کرو گے کہ کٹورہ رکھنا تو آتا نہیں۔

ایک مرتبہ پیالے کو پانی سے اچھی طرح صاف نہ کیا گیا اس میں چائے ڈال کر دے دی گئی آپ نے فرمایا یہ چائے نقصان دہ ہے کیونکہ پیالہ اچھی طرح صاف نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ بہت نازک مزاج بزرگ تھے۔ اصل بات جو میں بتلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ کے استاد صاحب نے آپ کو ایک ٹوپی عطا کی تھی تو آپ نے وہ ٹوپی پندرہ سال اپنے سر پر پگڑی کے نیچے رکھی۔ تو پندرہ سال بعد اسے دھویا تو اس کا پانی میل سے اتنا سیاہ تھا کہ جیسے املتاس کا پانی۔ آپ نے اس پانی کو نیچے نہیں پھینکا بلکہ اسے پی لیا تبرک کے طور پر پینے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس پانی کے پینے سے مجھ پر علم کے دروازے کھل گئے ہیں۔

بتلانا یہ مقصود تھا کہ کہاں مزاج کی لطافت اور کہاں استاد کی ٹوپی کے پانی کا احترام یہ ہے ادب یہ ہے ایمان اور حیاء۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے علم دین کا ایک حرف سکھایا۔ اب وہ میرا آقا بن گیا اور میں اس کا غلام۔ وہ مجھے بیچ ڈالے آزاد کر دے اسے حق حاصل ہے۔ **عبد من علمنی حرفاً ان شاء باعنی و ان شاء اعتقنی۔**

دیندار کی اور عالم دین کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہاں قیمت ہے۔ کیا ہوا اگر دنیا والوں کے ہاں قیمت نہیں؟

قرآن کو مؤمنین نے سنا تو ہدایت پائی۔ کافروں نے سنا تو انکار کیا۔ اعتراض کیا۔ تو اللہ نے فرمایا یہ قرآن بہتوں کے لیے سامان ہدایت ہے اور بہتوں کے لیے سامان گمراہی۔

قرآن پڑھ کر بہت فرقے گمراہ ہوئے ہیں مگر سب سے بدترین گمراہ فرقہ مرزائیت ہے۔ آدمی کے لیے لاکھ مرتبہ مر جانا بہتر ہے کہ خدا اسے مرزائیت سے بچائے۔

سلطان محمود غزنوی اگر حملہ آور نہ ہوتے تو یہاں دین نہ ہوتا۔ اس کے لیے حضرت ابوالحسن خرقانیؒ نے دعا فرمائی۔ اکبر نے دین بگاڑا مگر جہاں گیر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی دعا سے سدھر گیا۔ آپؒ نے جہانگیرؒ کو بہت دعائیں دی ہیں۔

درس نمبر ۲۳

جمعۃ المبارک یکم نومبر ۱۹۶۸ء

اللہ کی بات کو بلا تردد تسلیم کرو

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت...... ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون۔

ان اللہ لایستحی ان یضرب ۔اس آیت میں قرآن حکیم کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے۔کہ جب اس کا نزول ہوا تو زمین پر تمام بسنے والے اس کے مخالف تھے۔لیکن اس کی معجزانہ دلیل کا جواب ان کے پاس نہ تھا۔وہ چیلنج یہ تھا کہ دوسطور کی چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔ جو آج تک دشمنانِ اسلام سے نہ بن سکی۔جس طرح انسان سے سورج نہیں بن سکتا تو سورج خدا کا ہے تو قرآن لوگوں سے نہیں بن سکتا تو وہ بھی خدا کا ہے۔البتہ ان لوگوں نے ایک ناپاک اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی کتاب میں مکھی اور مچھر و مکڑی کا ذکر کرتا ہے۔

وان یسلبھم الذباب شیئاً لایستنقذوہ منہ۔

ضعف الطالب والمطلوب۔

خدا نے فرمایا کہ تمہارے معبود بت تو اپنے اوپر بیٹھنے والی مکھی کو بھی نہیں اڑا سکتے۔ یہاں مکھی کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ بتوں کی ذلت بیان کرنی تھی۔

اس سے ہمیں یہ بڑا سبق ملا کہ خدا کا حکم خواہ قرآن یا پیغمبرؐ کی حدیث کی زبان سے ہو مسلمان کو اس کے آگے گردن خم کر دینی چاہیے یہ نہ کہ چون وچرا کرتے رہیں۔

فاما الذین امنوا فیعلمون انه الحق من ربهم۔

ایمان والوں نے کہا کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔

واما الذین کفروا فیقولون ماذا ارادالله بهذا مثلا۔

اور کافروں نے کہا کہ اللہ کا ایسی مثال سے کیا ارادہ ہے (اعتراض کیا)

یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا۔

کہ اس سے بہتوں کو گمراہ اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔

کہ یہی قرآن بدقسمتوں کے لیے گمراہی اور بہت خوش قسمت لوگوں کے لیے ہدایت بن جاتا ہے۔

یعنی جنہوں نے اس پر عمل کیا وہ ہدایت پا گئے اور خوش قسمت ہوئے اور جنہوں نے اس سے منہ موڑا اس پر عمل نہ کیا وہ گمراہ ہوئے اور بدقسمت ہوئے۔

تو احکم الحاکمین کے احکام پر اعتراض کرنا بعض اوقات کفر ہے اس سے بچنا چاہیے۔

کیا ایک کمپوڈر ڈاکٹر کے کام میں دخل دے سکتا ہے؟ انسان جتنا بڑا ہو اللہ کے سامنے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہ شعبان کا مہینہ ہے اس کی ۱۵ کی شب کو انسان کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ایک لوٹ کا مہینہ (رمضان شریف) بھی اللہ نے بنایا ہے۔ گیارہ مہینہ میں جو اللہ کی بخشش ہوتی ہے اس سے کئی لاکھ گنا خدا کی بخشش رمضان شریف میں ہوتی ہے۔

بہر حال اس قسم کا اعتراض کرنا برا ہے۔ آجکل ہم میں جو مرض ہے وہ اس سے بھی بڑھکر ہے۔ وہ یوں کہ کافروں نے تو کہا ماذا اراد اللّٰہ۔ کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے مگر ہم تو آج قرآن کی بات کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کی ۳۰ آیات قرآن میں ہیں مگر آج ان کا انکار کیا جارہا ہے۔ ایک آدمی نے خط لکھا کہ مجھے قرآن پر فلاں فلاں اعتراض ہیں اگر آپ نے جواب نہ دیا تو میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ تو اسے تفصیلی جواب دیا اللہ نے اسے ارتداد سے بچالیا۔ مختصر۔ اسے لکھا کہ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے تو قرآن کو باقی رکھا اس کے رکھنے کے لیے اس زبان کے بولنے والے بھی رکھے۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس کی زبان عربی کا دائرہ تنگ تھا صرف حجاز، نجد اور یمن میں عربی تھی باقی جگہوں پر نہ تھی۔ مثلاً شام، عراق، مصر، لبنان، بیروت، فلسطین، اردن، طرابلس، تیونس، مراکش ان میں

عربی زبان بولنے والا ایک بھی نہ تھا۔ چونکہ قرآن کو تا قیامت رکھنا مقصود تھا تو ان علاقوں میں خدا نے عربی زبان پھیلائی۔ پھر دنیا کے ہر کونے میں عربی بولنے اور سمجھنے والا موجود ہے۔

اس کے مقابلے میں سابقہ آسمانی کتابیں تورات، انجیل، چونکہ انہیں رکھنا مقصود نہ تھا تو نہ وہ کتابیں ہیں اور نہ ہی دنیا میں ایک محلّہ ان کی عبرانی زبان بولنے والا ہے۔

قرآن کے الفاظ حفاظ نے محفوظ کر لیے۔ تجوید قراء نے محفوظ کر لی اور معانی علماء کرام نے۔ تو حفاظت اللسان، حفاظت الالفاظ، حفاظت اللہجات۔ کیا ان تینوں کی حفاظت کے لیے کسی اسلامی ملک میں کوئی بجٹ مقرر ہے؟ یا ان کی حفاظت کا کوئی انتظام ہے؟ نہیں ہے۔ تو حکومت اور عوام کی بے توجہی کے باوجود بھی یہ محفوظ ہیں۔

قرآن کے حفاظ کو کیا ملتا ہے لیکن اللہ نے ان کے دل میں ایسا شوق ڈالا ہے کہ رات دن یاد کرتے ہیں۔

وماتشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ۔ کہ مجھے ارادوں پر بھی حکومت ہے۔

تو میں دین کی خدمت کے لیے غریبوں سے پیسے نکلواؤں گا۔ اور غریب بچوں کے دل میں قرآن کی محبت ڈالونگا کہ تم آؤ اس کو پڑھو۔ مالدار کے دل میں تو لنڈن بس رہا ہے۔ اسے خدا دین کی توفیق ہی نہیں دیتا۔

دیکھو کراچی میں یوسف سیٹھ رہتا ہے یہ نومسلم ہے ہندو سے مسلمان ہوا ہے مخلص تھا تو خدا نے دین کی خدمت کی توفیق دی۔ یہ سیٹھ قرآن کی خدمت پر سالانہ ۲۲ لاکھ روپے خرچ کرر ہا ہے۔ اڑھائی سو قرآن کے مدارس صرف عرب کے علاقوں میں قائم کئے ہیں۔ پاکستان میں قرآن کے اڑھائی ہزار مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ اب گلگت میں مدرسہ قائم کرر ہا ہے۔ یہ سب اس کے خلوص کی وجہ ہے۔

بہر حال بنیادی بات کہتا ہوں کہ قرآن وحدیث یا دین کے احکام کو بغیر کسی تردد کے ماننا۔ اللہ کی بات کو یقین کے ساتھ ماننا۔

جج محمد اکبر صاحب مرحوم صاحب فیصلہ بہاول پور (مقدمہ مرزائیہ) میں لکھتے ہیں کہ مقدمہ کے دوران ہر عالم نے ایمان کی تعریف کی مگر جو تعریف حضرت شاہ جی کشمیریؒ نے کی اس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میں نے ان سے عرض کی مجھے ایمان کی تعریف تو بتاؤ؟

آپؒ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بھروسے پر بات ماننا۔ جس طرح ابوجہل حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس گیا کہ تمہارا دوست معراج کا واقعہ سناتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ میرے حبیب ﷺ نے اگر فرمایا ہے تو پھر درست ہے۔ آج ہمارا ایمان کمزور ہو گیا ہے۔

درس نمبر ۲۴

اتوار۔ ۳ نومبر ۱۹۶۸ء

اللہ کی عظمت و اللہ کی محبت

دو علاج ہیں

وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت...... ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک هم الخسرون۔

اس سے پہلے درس میں کفار کے اس اعتراض کا بیان ہوا جو انہوں نے اللہ کی صحیح مثال پر شبہ کیا۔ کہ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے جواب دیا کہ اللہ ایسی چیزوں سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو راہ ہدایت دیتا ہے۔

آج بھی اسلامی احکامات پر اعتراض کئے جا رہے ہیں۔ یہ کافرانہ فعل ہے۔ ایمان نہ ہونے کی دلیل ہے۔ مثلاً زانی کو سنگسار کرنے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یا شرابی کی سزا ۸۰ کوڑوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں کیوں ہیں؟ سنو! یہ سب اللہ کے احکام ہیں جنہیں ایمان ہوگا وہ انہیں حق کہتے ہیں۔ کہ یہ (احکامات) حق ہیں اور ہمارے رب کی جانب سے ہیں۔ فاما الذین امنوا

فیعلمون انه الحق من ربھم۔

کہ ایمان والے کہتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔

فاما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللّٰہ بھذا مثلا۔

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کا کیا ارادہ ہے۔

تو جو کفر میں مبتلا ہیں وہ ان (احکامات) کو حق نہیں سمجھتے بلکہ اعتراض کرتے ہیں۔ تو ہمیں خدا کے احکامات پر اعتراض کرنے سے بچنا چاہیے۔

آزاد کشمیر کے حکمرانوں نے اسلامی تعزیرات کی حکمت پوچھی ہے وہ انہیں لکھ کر دی ہے جو کل ۲ نومبر ۶۸ء کو البلاغ رسالہ کراچی میں چھپی ہے۔

بزرگان دین کا فیصلہ ہے کہ شیطان آدمی پر دو راستوں سے حملہ آور ہوتا ہے۔ (۱) شبہات۔ (۲) شہوات کے راستوں سے۔ شیطان کے یہ دو کامیاب راستے ہیں ان راستوں سے انسان پر آسانی سے کامیاب ہو جاتا ہے۔ بحث مباحثے میں نہ پڑا کرو۔ بس اتنا یاد رکھو کہ شیطان خدا کا مردود ہے تو مردود کی باتیں بھی مردود ہوئیں۔ یہ تصور قلب میں رہا پھر تو نجات پا جاؤ گے ورنہ اگر مسائل میں الجھے تو خرابی پیدا ہوگی۔

تو شیطان شبہات سے عقیدہ میں نقص ڈالتا ہے اور شہوات سے عمل میں خرابی پیدا کرتا ہے۔ تو اللہ نے اس کے دو ج علاج بھی بنائے ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ دل میں عظمت خدا ہو اور (۲) محبت ہو۔ (۱) اللہ کی عظمت، (۲) اللہ کی

محبت۔ یہ دو علاج ہیں۔

یوں سمجھیں کہ شریعت کے احکام اللہ رب العالمین کے ہیں اور اس کے مقابلے میں کسی کی عظمت اور محبت نہیں۔ انسان کو اپنے نفس اور جان و مال اور اولاد و بیوی وغیرہ سے عظمت اور محبت ہوتی ہے تو یہ سب چیزیں خدا کی عطا کردہ ہیں۔ تو اللہ سب سے زیادہ محبوب ہونا چاہیے۔ والذین امنوا اشد حبا للّٰہ۔ ایمان والے اللہ سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور اللہ کی عظمت کے برابر بھی کسی کی عظمت نہ ہو۔ تمام عظیم انسانوں کو خدا نے ایک پانی کے قطرے سے پیدا کیا ہے اور پھر اپنے ارادے سے اسے ختم کر دیگا۔ یعنی موت آ جائے گی۔

تو صحیح محبوب اور صحیح طاقتور صرف خدا تعالیٰ کی ذات اقدس ہے تو صحیح محبوب اور طاقتور کے خلاف کوئی نہیں چل سکتا۔ کیا خدا سے بڑھ کر کوئی طاقت والا ہے۔ اسے تو بندوں کے ارادوں پر بھی حکمرانی ہے۔

وماتشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ۔ تم اللہ کے ارادے کے بغیر ارادہ بھی نہیں کر سکتے ہو۔

تو جب یہ دو باتیں ذہن میں ہوں اللہ کی عظمت اور محبت تو پھر شبہات اور شہوات دونوں ختم ہو جاتی ہیں اور شیطان ناکام ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جب محبت کا شعلہ بھڑکتا ہے تو محبوب کے علاوہ سب کچھ جلا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کی محبت غالب ہو تو

شہوات بھی سوخت ہو جاتی ہے۔ تو اللہ کی محبت اور عظمت بنیادی چیزیں ہیں۔ دیکھا جائے تو درحقیقت ساری شریعت اللہ کی عظمت اور محبت ہے۔

مگر وقت کم ہے ذرا اختصار سے بیان کرتا ہوں۔

کل کائنات جلال و جمال کی شاخیں ہیں تو صرف چار بنیادی عبادتوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ۔

روزہ اور حج یہ اللہ کی جمال اور محبوبیت کا ظہور ہیں۔ یہ گویا جمال محبتی عبادتیں ہیں۔

نماز اور زکوۃ۔ یہ اللہ کے جلال کا ظہور ہیں۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ شعبان میں روزے بہت رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

ھٰذا شھر یرفع فیہ اعمال العباد الی رب العالمین فانا احب ان یرفع عملی۔

اس مہینے میں بندہ کے اعمال اللہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور مجھے پسند ہے کہ اعمال کی پیشی کے وقت میں روزہ کی حالت ہوں۔

دیکھو پندرہ شعبان کی شب کو سالانہ کاروائی یا بجٹ ہر انسان کا ملائکہ کو مل جاتا ہے۔

حضرت علیؓ سے ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کو عبادت کرو اور دن کو روزہ رکھو۔ تو روزہ اللہ تعالیٰ کی جمالی حالت کا ظہور ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کا نزول بھی روزے والے مہینے رمضان شریف میں ہوا باقی گیارہ مہینوں میں سے کسی میں نہیں ہوا۔

سماء دنیا میں بیت العزۃ ایک مقام ہے یہ بالکل خانہ کعبہ کے بالمقابل ہے پہلے آسمان پر اور یہ بیت العزۃ فرشتوں کا کعبہ ہے تو اس مقام پر رمضان شریف کے مہینے میں سارا قرآن پاک یک بار اترا۔ پھر زمینی نزول یکبار نہیں بلکہ موقعہ کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ تو زمین کو بھی ۲۴ رمضان شریف کو نازل ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کو صحیفے ۶ رمضان شریف کو دیئے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کو تورات ۱۳ رمضان شریف کو ملی۔ حضرت عیسیٰؑ کو انجیل ۱۸ رمضان شریف کو ملی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے آسمانی کتابوں کے نزول کے لیے رمضان شریف کا مہینہ چنا۔

علماء کا قول ہے کہ اگر آدمی بلا عذر و تکلیف رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے اور پھر ساری عمر مسلسل روزے رکھے تو اس ایک روزے کے اجر کو نہیں پا سکتا۔ روزہ تو ادا ہو جائے گا مگر رمضان والی فضیلت کہاں۔ وہ فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیا اگر پوری کائنات کے پتھر اکٹھے ہو جائیں تو وہ کوہ نور پتھر کو پہنچ سکتے ہیں؟

تو رمضان کا مہینہ جمال کے ضمن میں آ گیا۔ جب روزہ کی حالت میں انسان نے اپنی تمام محبوبات کھانا پینا، نیند، ہمبستری وغیرہ ترک کیں تو مقام محبت کی تکمیل ہوئی تو اس لیے اللہ کی فہرست میں روزہ محبت کی قطار میں شمار ہوگا۔

ایک زمانہ میں تردد پیدا ہوا کہ حج کو رمضان کے بعد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج سے کیوں متعلق کیا۔ کیوں وابستہ کیا؟ یہ تردد تھا یہ ایک سوال تھا؟ تو پھر معلوم ہوا کہ دین اسلام کے احکام میں ایک حکیمانہ ربط ہے۔ محبت کی دو منزل ہیں۔

۱۔ ترک ماسوی المحبوب: کہ محبوب کے سوا سب کو ترک کرنا۔

۲۔ طلب المحبوب: کہ محبوب کی طلب ہو۔

تو جب انسان نے رمضان میں روزے رکھے تو پہلی منزل طے ہوگئی کہ اپنی پسند اور محبوب چیزوں کو ترک کیا۔ یعنی محبوب کے ماسوا چیزوں کھانا، پینا، نیند اور ہمبستری وغیرہ کو ترک کیا۔ اور دوسری چیز ہے کہ محبوب کی طرف طلب ہو۔ تو عجیب بات ہے کہ محبوب (اللہ تعالیٰ) کا نہ جسم ہے نہ مکان ہے۔ تو اللہ نے محبوب اور محبّ کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لیے ایک ذریعہ رکھا۔ ورنہ بندہ ذلیل اور خدا جلیل میں کہاں نسبت؟

تو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے حال پر رحم فرما کر تـدلّـی فرمائی کہ بڑی ذات نیچے اتر آئی۔ تو اس ذات اقدس نے کرہ ارضی پر ایک مقام چنا جسے کعبۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کچھ اپنی تجلی ڈالی تاکہ تم اگر محبت کی پیاس بجھانا چاہو تو کعبۃ اللہ کو حج کی عبادت کے لیے پہنچ جاؤ۔ اس لیے رمضان کو حج سے پہلے رکھا گیا کہ ترک ماسوی المحبوب ہو کر پھر

محبوب کی طلب ہو جو حج کے ذریعہ ادا ہو۔

حج کا طریقہ اللہ نے امیر و غریب کے لیے ایک رکھا ہے۔ کہ دو کپڑوں میں ہونگے اور تمام خواہشات کا وہاں خاتمہ ہے۔ کہ شکار نہیں کر سکتا۔ خوشبو نہیں لگا سکتے وغیرہ۔

یورپ تو محبت الٰہی کو نہیں پہچان سکتا وہ تو کہتا ہے کہ یہ لوگ حج کے دنوں میں دیوانے ہو جاتے ہیں۔ ان بیچارے یورپیوں کو کیا پتہ۔ دیکھو پوری کائنات ہو اور عشق الٰہی نہ ہو پھر تو ہم حیوانوں کی طرح ہوئے۔ خیر یہاں مجھے حج کا فلسفہ بیان نہیں کرنا۔ میں نے تو صرف جلال اور جمال کا ذکر کرنا ہے۔ کہ روزہ اور حج اللہ کے جمال کا ظہور ہیں۔ اور زکوۃ اور نماز یہ اللہ کی صفات جلالی کا ظہور ہیں۔ زکوۃ کو آجکل ٹیکس کہتے ہیں یہ پرویزیات (پرویز منکر حدیث مراد ہے) اور فضلیات (ایوب خاں کے وقت میں ملک میں سود کے حلال ثابت کرنے کے لیے ایک ادارہ کھولا گیا تھا (نعوذ باللہ) یہ فضل الرحمٰن اس ادارے کا سربراہ تھا۔) کا نچوڑ ہے۔ وقت ختم ہو چکا ہے۔ **فیعلمون انه الحق من ربهم** ۔ کے متعلق مجھے یاد دلانا اس کی تو بہت عمدہ اور تحقیق یافتہ بحث ہے جو بعد میں بیان کرونگا۔

نوٹ: رمضان شریف کا مہینہ ہے تو یہ مضمون پہلے گذر چکا ہے اس درس میں سے خاص خاص باتیں تحریر کی گئی ہیں۔

درس نمبر ۲۵

جمعۃ المبارک۔ ۸ نومبر ۱۹۶۸ء

شریعت الٰہی نسخہ شفاء ہے

کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا ...... وھوبکل شئی علیم۔

گذشتہ مضمون کچھ باقی ہے۔ یہ واقعہ اللہ نے کفار اور منکرین کی طرف سے پیش کیا کہ جب اللہ کوئی مثال دے تو وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے اللہ کا کیا ارادہ ہے؟

اس واقعہ سے مسلمان کو یہ تعلیم دینا ہے کہ اللہ کے حکم وقانون کو بلا چون و چرا ماننے کا نام ایمان اور اسلام ہے۔ چون و چرا کرنا کافرانہ عمل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو تقدیر کے مسئلہ کو اللہ کے حکم سے مانے اور کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے (یعنی اعتراض اور بحث مباحثہ نہ کرے) تو اسے قیامت میں خدا بے حساب بخشے گا۔ اور اگر کچھ کیا تو حساب سخت لے گا۔

یہ جبر کی بات نہیں۔ حقیقت بھی ہے کہ اللہ بادشاہ ہے ہم رعیت ہیں۔ اللہ تو بہت حکمت والا ہے۔ لیکن دنیا کے ہم جیسے انسان جب حاکم ہوتے ہیں جو چند لوگ مل کر قانون بناتے ہیں اور عام رعیت اس پر عمل کرتی ہے۔ رعیت پوچھتی

نہیں کہ یہ قانون اس طرح کیوں بنایا ہے؟ عام حکمرانوں سے تو تم پوچھتے نہیں ہو اور اللہ (نعوذ باللہ) اتنا گیا گذرا ہے کہ امریکہ روس اور پاکستان کے قانون دانوں سے کم ہیں؟ شرم نہیں آتی جو بھی اٹھتا ہے وہ اللہ کے قانون پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ احکم الحاکمین ہے اس کے قانون پر اعتراض کرنا یہ بدبختی اور رب العزت سے بغاوت کی دلیل ہے۔

وجہ یہ ہے کہ قانون کے اندر جو حکمت ہے وہ قانون ساز کے لیے اس کو جاننے کی ضرورت ہے اور عوام کو تو صرف اس پر عمل کرنا ہے۔ عوام کو اس کی حکمت جاننے کی ضرورت نہیں۔ اللہ سے بڑھ کر کون زیادہ حکمت والا ہے؟ ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم اللہ کے قانون پر چھیڑ چھار (یعنی چون و چرا) کریں۔ اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ اللہ کی بات کو عام انسانوں کی بات کے برابر بھی نہ جانا۔ کیونکہ تمہیں ڈپٹی کمشنر کے قانون پر تو اعتراض نہیں مگر اللہ کے قانون پر اعتراض ہے۔

شریعت الٰہی مرض دور کرنے کا نسخہ ہے اگر مریض معالج کی حکمت پر بھروسہ نہ کرے اور خود دخل دے تو وہ نقصان اٹھائے گا۔ یہی معاملہ خدا سے ہونا چاہیے اگر خدا کے تیار کردہ نسخہ شریعت پر عمل نہ کیا اور خود دخل دیا تو نقصان اٹھانا ہوگا۔

آج کی دنیا ہر چیز سے مزین ہے بجلی، سامان آسائش، باغات وغیرہ ہر لحاظ سے پچاس برس پہلے کی دنیا سے مزین ہے اور عمدہ ہے۔ مگر اتنی گندی دنیا پہلے نہیں گذری جو اس وقت ہے۔ یہ اس لیے کہ اس وقت قلب گندے ہیں۔ قلب گندے ہوئے تو دنیا بھی گندی ہوگئی۔

تو شریعت الٰہی نسخہ شفاء ہے۔

قل هو للذین امنوا هدی و شفاء ۔ کہدے (محمد ﷺ) کہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ انسان کو دو چیزیں بگاڑنے والی ہیں۔ (۱) شبہات۔ (۲) شہوات۔ شبہات کا مطلب یہ کہ شک پیدا کرنا۔

دیکھو یقین بڑی چیز ہے۔ باطل پر بھی یقین کارآمد ہوتا ہے۔ دیکھا نہیں کہ ویٹ نامی جو باطل پر ہیں مگر انہوں نے باطل پر یقین رکھا تو دنیا میں امریکہ کی ناک رگڑ رہے ہیں۔ اسے ذلیل کر رہے ہیں۔

(حدیث پاک) **اللھم انی اعوذبک من الشکّ بعد الیقین۔**

اے اللہ مجھے یقین کے بعد شک سے بچا۔

یہ دعا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ آپ ﷺ تو اس سے بے نیاز تھے یہ ہمیں تعلیم دی جا رہی ہے۔ دنیا میں ۹۰ کروڑ

مسلمانوں کو اسلام پر یقین نہیں تو آج پھر حالت بھی یہ ہو چکی ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان جیسی قوم ذلیل نہیں۔ تو اگر حق پر یقین نہ ہو تو پھر بھی ناکامی دیکھنی پڑتی ہے۔

محمد تغلق یہ ظالم بادشاہ تھا۔ افغانستان اور ہندوستان کا واحد بادشاہ تھا۔ اس نے ایک مسئلہ کھڑا کر دیا کہ پیغمبری اللہ کی رحمت ہے تو پھر یہ کیوں بند ہو؟ یہ جسے اپنے ہاں بلواتا تھا تو وہ کفن کا انتظام کر کے آتا تھا۔ اس نے مولانا منور الدینؒ کو بلوایا۔ مولانا نے اپنے ساتھ اپنے فرزند کو بھی لے گئے۔ جب دربار میں پہنچے تو دونوں طرف ملازم ننگی تلوریں اٹھائے کھڑے تھے بچہ کچھ گھبرایا۔ تو مولانا نے کہا العظمت للہ۔ اے فرزند عزیز عظمت صرف اللہ کے لیے ہے کیوں خوف کھاتا ہے؟ یہ لوگ تو بتوں کی مانند ہیں۔ تو محمد تغلق نے بٹھایا اور کہا۔

کہ نبوت فضل خدا است پس چرا باشد کہ بند است

کہ جب نبوت فضل خدا ہے تو پھر وہ بند کیوں ہے؟

وان اللہ لذو فضل علی الناس۔

اور اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے۔

جب فضل کرنے والا ہے تو نبوت کا فضل کیوں بند ہو۔ مولانا نے سنتے ہی فرمایا۔ گوخور۔ پاخانہ مت کھاؤ۔ یہ ہے اللہ کی عظمت جو مولانا کے قلب میں تھی۔ محمد تغلق نے کہا کہ ان کو یہاں نکالو اور ذبح کر دو۔ چنانچہ ذبح کر دیئے گئے۔

آج مولانا منورالدینؒ تاریخ میں بڑی عظمت سے زندہ ہیں۔ کیا محمد تغلق کے مرید ہیں؟ یا اس کی نیک نامی ہے؟ نہیں ہے۔

اس کے بعد اکبر بادشاہ نے پیغمبری کا اعلان کیا۔ مراکش سے لیکر سمرقند تک عظیم سلطنت کا مالک تھا۔ فیضی ابوالفضل نے اسے قصیدہ پیش کیا۔ دیکھو اکبر کی جھوٹی نبوت نہ پھیلی کیونکہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں اللہ کی عظمت موجود تھی۔

آج ہمارے ہاں اللہ کی عظمت ختم ہے۔ ہم نے بے غیرتی کی تو مرزائی حکمران بنے اور ہمارے ملک میں پھل پھول رہے ہیں۔

اس بے غیرتی کی سزا اسرائیل اور عرب کے معاملہ کی طرح شاید ہمیں بھی ملے۔

علماء نے فرمایا کہ شبہات اور شہوات سے آدمی بہکتا اور پھسلتا ہے۔ فرماتے ہیں اگر قلب میں اللہ کی عظمت ہو تو شبہات اثر نہ کریں گے۔

اور اگر محبت میں فرق ہو تو یہ شہوات کا اثر ہے تو اللہ کی محبت قلب میں ہو تو شہوات بے اثر ہیں۔

سلطان محمود غزنویؒ نے تمام وزراء کو ایک قیمتی موتی توڑنے کا حکم دیا کسی نے نہ توڑا کہنے لگے کہ بادشاہ یہ بہت قیمتی ہے۔ ایازؒ کو حکم دیا تو اس نے توڑ دیا۔ بادشاہ نے کہا یہ کیا انہوں نے تو نہیں توڑا۔ جواب دیا میں بادشاہ کا غلام ہوں نہ کہ موتی کا۔ مجھے تو جو حکم ملے گا کر ڈالونگا۔

تو اللہ کے حکم کے سامنے سرخم ہو۔

حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ تصوف کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ تصوف میں دنیاوی مصالح کو۔ یعنی دنیا کے فوائد کو مسالے کی طرح پیسنا پڑتا ہے۔

مکہ مکرمہ جیسا مقدس شہر کہ دنیا میں اس جیسا اور کوئی مقدس شہر نہیں۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس مقدس وطن کو چھوڑا۔ یعنی ایک معنی میں مقدس شہر قربان کیا۔ عزت وامن کو قربان کیا۔ جسم کو تیروں کے سامنے پیش کیا۔ صرف ایک کو راضی کرنے کے لیے (اللہ کو)۔

تو قلب میں اگر اللہ کی عظمت ہو تو شبہ پیش نہ آئے گا۔ یعنی شبہ فی الدین نہ ہوگا۔ اور اگر اللہ کی محبت قلب میں ہو تو شہوات غالب نہیں آسکتیں۔ تو سبق ہمیں ماذا اراد اللّٰہ سے ملا۔

ا۔ ایک ہیں عبادات۔ یعنی تشریعیات۔ (۲) دوسری چیز ہے معاملات یعنی تکوینیات۔ عبادات میں بعض اوقات غفلت اور بعض اوقات کسل یعنی سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

غفلت یہ کہ کسی وقت نیک عمل کیا اور کسی وقت نہ کیا مثلاً کوئی نماز پڑھی اور کوئی نہ پڑھی۔ یا آج روزہ رکھا اور کل نہ رکھا۔ حالانکہ نماز اور روزہ وغیرہ سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں۔ یہ نماز روزہ وغیرہ تو عبادات کی گٹھری ہیں ان کو تو سفر آخرت کے لیے اٹھاؤ ان سے تو ہمارا اپنا ہی فائدہ ہوگا۔

واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالٰی ۔ وہ نماز کے لیے سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ سستی اور غفلت کیوں پیدا ہوتی ہے؟ صرف اللہ کی عظمت کم ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی ہمارے دلوں میں اللہ کی عظمت نہیں رہی۔

اگر ڈپٹی کمشنر حکم دے تو تم سستی کرو گے؟ کیا اللہ حکم نہیں دے رہا کہ تم فلاں کام کرو۔

(حدیث) ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔

کیا اللہ حکم نہیں دے رہا کہ تم فلاں کام کرو۔ ایسی عبادت کرو گویا کہ تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔

تو دین کے کاموں میں غفلت اور سستی نہیں ہونی چاہیے۔ جب ہو جائے تو جانو کہ اللہ کی عظمت میں کمی آ گئی ہے۔ یعنی جب تو معلوم ہوگا کہ اللہ کی محبت یا عظمت میں فرق آیا ہے۔

وہ نمازیں تو نہ رہیں کہ نماز کی حالت میں پھوڑے کا آپریشن ہو رہا ہے۔ عضو کاٹے جا رہے ہیں مگر کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی۔ یہ تھا اللہ کی عظمت اور اللہ کی محبت کا نشہ کہ صحابہ کرامؓ کو نماز کی حالت میں تکلیف کا احساس نہ ہوتا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے کارنامے جب دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات ہوش میں بھی ہوتے تھے کہ نہیں؟ معلوم ہوا کہ بس اللہ کے معاملے میں بیہوش ہو جاتے

تھے۔ یعنی صحابہ کرامؓ کا حال بالکل دیوانوں جیسا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں جان اس وقت تک ہوتی تھی جب تک وہ میدان جہاد میں رہتے تھے۔ یہ وہ عرب تھے۔ مگر آج عربوں میں دنیا کا نشہ ہے دین کا نشہ نہیں تو پھر یہود سے بھی دب رہے ہیں۔ کیونکہ اب ان کے قلوب سے اللہ کی عظمت ختم ہوگئی ہے۔

بس یقین کامل نہیں رہا۔ یہ تجربہ ہے کہ اگر یقین کو یقین سے جنگ ہوتو حق کا یقین فتح پائے گا۔ یعنی ایک کو باطل پر یقین ہو دوسرے کو حق پر یقین ہو۔

قسطنطنیہ کی لڑائی میں ھرقل سے یعنی عسائی دنیا سے لڑائی ہوئی۔ انہیں بھی خود پر یقین تھا لیکن ان کا دین باطل تھا تو حق کے سامنے کثرت تعداد کے باوجود شکست کھا گئے۔

ایران کے مجوسیوں نے شکست کھائی۔ مگر آج یہ بتلا دوں کہ باطل پر یقین ہو اور حق پر یقین نہ ہوتو اس صورت میں حق پر یقین نہ رکھنے والے باطل پر یقین رکھنے والوں سے شکست کھا جائیں گے۔ مثلاً اسرائیل باطل پر یقین رکھتے تھے۔ عرب جنہیں (دین اسلام) پر یقین نہ تھا۔ تو معاملہ دیکھا کہ عرب حق والے اسرائیل باطل سے شکست کھا گئے۔ تو دین اسلام پر یقین کامل ہو۔

یورپ اور امریکہ کے ارب پتی رئیسوں نے خودکشیاں کیں اور کاغذ پر تحریریں چھوڑیں کہ ہم نے سونے، چاندی اور دولت سے چین حاصل کرنا چاہا مگر نہ ملا بلکہ دنیا مزید غمکدہ بن گئی۔ یعنی ان لوگوں نے غم کی وجہ سے خودکشی کی۔

مگر آپ نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا کہ انتہائی غربت کے باوجود جہاد کرتے تھے اور خوشی سے مالا مال تھے۔ یہ صرف دین اسلام پر یقین کامل اور قلب میں اللہ کی عظمت اور محبت کی وجہ تھی۔

۱۔ اللہ عظیم ہے۔ یعنی عظمت والا ہے۔ ۲۔ اللہ محبوب ہے۔ یعنی صرف اسی سے محبت ہو۔ تو وہ عظیم بھی ہے محبوب بھی ہے دولت دیتا بھی وہی ہے چھینتا بھی وہی ہے اور محبوب کا فعل محبوب ہوتا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے مثال دی کہ دہلی کے کباب میں مرچ مسالے زیادہ ہوتے تھے تو زبان کو تو مزہ آتا تھا مگر آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے تو فرمایا میں نے یہاں سے یہ مسئلہ نکالا کہ مسلمان کی بھی یہی حالت ہے کہ بعض اوقات تلخی کے باوجود بھی محبت سے کام کر دیتا ہے۔ مثلاً میدان جہاد میں جان دینا اس وجہ سے کہ اس تلخی میں کوئی فائدہ اور مزہ پنہاں ہے جس طرح زبان کو مرچ کے کھانے سے مزہ آتا ہے اور آنکھ سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ نے حضرت تھانویؒ کی دعوت کی تو دستر خوان پر بہت کھانے رکھے گئے۔ تو ان کی تعریف کی گئی۔ تو آپؒ نے فرمایا ہم جانیں یا نہ جانیں یعنی ہمیں ان کھانوں کے فوائد کا کیا پتہ کہ یہ کیا فائدہ دیتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہیں جس طرح ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے وہ دودھ بچے کو فائدہ دیتا ہے مگر بچے کو اس فائدہ کا علم نہیں ہوتا۔

دیکھو تصوف کی بات بتاؤں۔ (لذت میں کمی ہو تو اللہ کی رسائی ہوتی ہے) یعنی دنیا کی لذتوں میں جتنی کمی ہوگی اللہ کی اتنی رسائی زیادہ ہوگی۔ (یعنی اللہ تک)۔

صوفیاء کرام کے چاروں سلسلوں میں تقلیل الطعام (یعنی کم خوری) اور تقلیل المنام (یعنی کم سونا) ہے۔ کہ کھانا اور نیند ضرورت سے زائد نہ ہوں۔ تقلیل الاختلاط مع الانام (عوام الناس سے میل جول کم ہو)، تقلیل الکلام (کم بولنا)۔ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں سے جتنا تعلق کم ہوگا اللہ سے تعلق اتنا زیادہ ہوگا۔ رمضان کی بھی یہی حکمت ہے ان چیزوں کے ترک سے ہماری اصلاح ہو جائے اور ہم اللہ سے جڑ جائیں۔

درس نمبر ۲۶

اتوار۔۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء

روح بھی صحتمند اور مریض ہوتی ہے

کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا ...... وھوبکل شئی علیم۔

یہ چیز باقی ہے کہ اللہ نے جو مثال فرمائی اسے جو لوگ ایمان والے ہیں وہ حق مانتے ہیں اور کافر انکار کرتے ہیں۔ اس مثال سے قرآن ہدایت بھی دیتا ہے اور گمراہی بھی قرآن ان کو دیتا ہے۔

۱۔ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ ۲۔ عہد کو توڑتے ہیں۔ ۳۔ جن چیزوں کے ملانے کا حکم دیتا ہوں وہ ان کو توڑتے ہیں۔

وما یضل بہ الا الفاسقین الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون۔

ترجمہ: فاسق گمراہ ہوتے ہیں۔ جو اللہ سے عہد توڑتے ہیں۔ اور جن کے ملانے کا حکم کرتے ہیں انہیں توڑتے ہیں۔ اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ وہی لوگ خسارے میں ہیں۔

اب یہ بیان ہوگا کہ قرآن نے حکم ماننے والوں کو بھی کثیر کہا ہے اور گمراہ ہونے والوں کو بھی کثیر کہا ہے۔

یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیراً ۔کہ اس سے بہت گمراہ ہونگے اور بہت ہدایت پائیں گے۔

کبھی کثرت اور قلت بطور مقابلہ استعمال ہوتی ہے۔ جیسے نیک کثیر ہیں بروں سے۔یہاں بطور مقابلہ استعمال ہے۔

اور کبھی اپنی ذات کے اعتبار سے کثرت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔جیسے کہا جائے کہ بھلے بھی بہت ہیں بُرے بھی بہت ہیں۔

آج ان دو پر بیان ہوگا۔ کہ قرآن سے بہت ہدایت پاتے ہیں اور بہت گمراہ بھی ہوتے ہیں۔

ا۔ضلالت وہدایت کی تحقیق۔۲۔قرآن بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہ کرتا ہے۔کون گمراہ ہوتے ہیں۔

وما یضل بہ الاالفاسقین الذین ینقضون عھد اللّٰہ من بعد میثاقہ یقطعون ما امر اللّٰہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون۔

ترجمہ: کہ فاسق لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ جو اللہ سے عہد کر کے پھر توڑ دیتے ہیں۔جس کے ملانے کا انہیں حکم دیا جائے تو وہ اسے کاٹتے ہیں۔اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔وہی لوگ خسارے میں ہیں۔

۱۔فاسق ،۲۔وعدہ کوتوڑنا۔،۳۔جن کے ملانے کاحکم دیاانہیں توڑتے ہیں۔
۴۔زمین میں فساد کرنا۔(نوٹ: حضرت جیؒ نے ایک اور مقام پر زمین میں فساد کرنا بیان فرمایاہے۔چونکہ اس درس میں میراناغہ تھاکسی دوسرے ساتھی نے لکھاہےشاید ہو جلدی میں نہ لکھ سکاہو۔تو میں نے اپنی طرف سے یہاں درج کیا ہے)

ہدایت نام ہے حق پانے کا۔اور ضلالت نام ہے حق نہ پانے کا۔

اس وقت آسمان کے نیچے حق صرف اسلام ہے۔سب سے بڑی نعمت حق پاناہےاور سب سے بڑی بربادی حق سے ہٹنا ہے۔سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے حق پانے کی دعا فرمائی ہے۔اگر اس سے اور کوئی ضروری چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں اس کا حکم دیتا۔اللہ کے ۹۹ ناموں میں سے ایک نام حق ہے۔حق کے معنی نہ مٹنے والی چیز۔

سب سے اچھا شاعر لبید گذرا ہے۔کعبہ پر لٹکے ہوئے اشعار میں اس کے اشعار بھی تھے(قبل از اسلام)۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی میں مسلمان نہ ہوابعد میں ہوا۔وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے وقت زندہ ہوکر بھی صحابی نہیں۔تابعی ہے۔اس کی عمر ۱۶۰ برس تھی۔اس نے مسلمان ہونے سے پہلے ۸۰ ہزار شعر کہے ہیں مگر مسلمان ہونے کے بعد اس نے شعر کہنا بند کردیئے۔وہ اس درازیٔ عمر سے تھک گیا۔تو اس مفہوم کو صرف ایک شعر میں ذکر کیا۔ورنہ اس نے اسلام لانے کے بعد شعر کہنا بند کردیا تھا۔لوگوں نے کہالبیداب شعر کیوں نہیں کہتے؟ جواب دیا کہ قرآن جیسی فصیح و بلیغ کلام سے حیاء آتی ہے۔

توحق پانا ہدایت ہے اور حق سے ہٹنا گمراہی ہے۔حق اللہ کا نام ہے وہ مٹنے والا نہیں۔اور دین حق بھی مٹنے والا نہیں۔

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

حق آیا اور باطل مٹ گیا۔بقیناً باطل ہی مٹنے والا ہے۔

یعنی حق آیا اور باطل مٹا۔توحید حق ہے۔کفر اور شرک باطل ہے۔بدعت گمراہی ہے اور حق سے پھرنا ہے۔توحید میں رتی برابر فرق اللہ کے ہاں منظور نہیں۔

اللہ کے سوا تمام کائنات کو پکارو مگر وہ تمہیں خُرما (کھجور) کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کچھ نہیں دے سکتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نزع سے پہلے فرمایا کہ میری قبر پر عرس نہ کرنا۔میلہ نہ کرنا۔اور میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی دعاء قبول ہوئی تو دیکھا کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کچھ بھی نہیں۔

عشق یہ ہے کہ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماویں وہ کر ڈال اور جس سے روکیں وہ نہ کر اور اس کی مخالفت کر۔سنت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا ہو۔

صحابہ کرامؓ جنہوں نے وطن، مال، جان سب کچھ قربان کیا۔محبت ان کی تھی۔صحابہ کرامؓ نے وہ کام نہیں کئے جو آج ہم محبت کے دعویدار کر رہے ہیں۔

جو آدمی کسی انسان کے خیالات کو اپنائے وہ باطل پر ہے۔لوگوں نے بہت سی چیزیں دین ابراہیمی سے غلط منسوب کر رکھی ہیں۔آج اگر حضور نبی کریم صلی اللہ

علیہ والہ وسلم ہوتے تو آپ ﷺ پوچھتے کہ کیا میں نے تمہیں یہ باتیں کہیں تھیں۔

حق مٹ چکا یا باطل مٹ چکا؟ اب حق میں شک مت کرو باقی افکار اور آراء کو ختم کرو۔ حق کی عمر دراز ہے باطل کی عمر تنگ ہے۔ مثلاً جس طرح سیلاب آتا ہے تو دریا کے پانی پر بلبلے ہوتے ہیں۔ باطل بلبلوں کی مانند ہے۔ یا سونے کو گرم کیا جاتا ہے تو اوپر میل آجاتا ہے جو تھوڑی دیر بعد ختم ہو جاتا ہے اور سونا باقی رہ جاتا ہے۔ تو باطل وہ میل ہے۔ تو باطل عارضی چیز ہے۔ آخر ختم ہو جائے گا۔ قرآن نے فرمایا کہ جھاگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک بہتے سیلاب پر اور دوسرے سونے پر۔ سیلاب کا جھاگ بھی ختم اور سونے کا میل بھی ختم۔ فائدے والی اور اصلی چیز باقی رہتی ہے۔ جو کوئی غلط دین پر چلے گا اس کا انجام بھی جھاگ کی طرح ہوگا۔ نزع کے وقت آدمی کو پتہ چلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کیا کیا؟ اور کتنا پڑھا تھا مگر نتیجہ کیا ملا؟

میدانِ حشر میں حق باقی اور باطل ختم ہوگا۔ جنت حق کا مظہر ہے اور دوزخ باطل کا مظہر ہے۔ قیامت میں جن لوگوں نے گمراہ کیا تھا انہیں کہیں گے کہ تم نے ہمیں دنیا میں بھٹکایا تھا۔ وہ کہیں گے کہ آج ہم خود پھنسے ہوئے ہیں۔ دنیا میں تمہیں بھی تو خدا نے عقل دی ہوئی تھی تم خود سوچتے۔ آج ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ تو حشر کے دن بھٹکانے والے ساتھ چھوڑ جائیں گے۔

دین حق اللہ کے سامنے صرف دین اسلام ہے اللہ کو اور کوئی دوسرا دین ہرگز قبول نہ ہوگا۔ جنتی جنت میں اس لیے ہمیشہ رہیں گے کہ وہ حق پر تھے۔ دوزخ میں لوگ بظاہر تو زندہ ہوں گے مگر وہ مصیبت میں ہونگے۔

آدمی بازار سے کوئی چیز خریدتا ہے تو دکانداروں یا لوگوں سے معلومات حاصل کرتا ہے خوب جانچ پڑتال کے بعد چیز خریدتا ہے۔ یا عدالت میں مقدمہ کرتا ہے تو وکیل سے مشورہ کرتا ہے۔ مگر دین کے معاملے میں اخباروں پر یقین کر لیتے ہو۔ یہ غلط ہے۔ دین کے معاملے میں تحقیق کیا کرو۔

سوال یہ ہے کہ حق اور باطل کو قبول کرنے والی انسان کی روح ہے نہ کہ جسم۔ تو جس طرح بدن کا مزاج کبھی بگڑتا ہے (یعنی مرض) اور کبھی ٹھیک ہوتا ہے۔ اسی طرح روح کا مزاج بھی بگڑتا اور درست ہوتا ہے۔

جس طرح صحتمند انسان کو ورزش کے بعد مرغن غذا دی جائے تو ٹھیک ہوگی اور ضروری ہے۔ اور اگر کمزور آدمی کو مرغن غذا دی جائے تو وہ ٹھیک نہ ہوگی۔ اسے مزید نقصان دے گی۔ کیونکہ اس کا کمزور اسے قبول نہیں کرتا۔

تو روح بھی کبھی بیمار اور کبھی تندرست ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روح صحتمند اور تندرست اور ابوجہل کی روح بیمار تھی۔ تو جس طرح صحتمند آدمی عمدہ غذا قبول (برداشت) کرسکتا ہے اور کمزور نہیں کرسکتا۔ تو قرآن دونوں نے سنا ایک صدیقؓ بنا اور دوسرا ابوجہل بنا۔

اسی واسطے فرمایا کہ اس قرآن سے بہت ہدایت پاتے ہیں اور بہت گمراہ ہوتے ہیں۔ جس طرح مقوی اور روغن غذا کی تاثیر ہے کہ صحتمند اور تندرست آدمی کو تو فائدہ دیتی ہے اور بیمار اور کمزور آدمی کو نقصان دیتی ہے اور مرض میں اضافہ کا سبب بنتی ہے قران کی تاثیر بھی اس مقوی اور مرغن غذا کی طرح ہے کہ صحتمند اور تندرست روح تو

فائدہ حاصل کرے گی اور مریض روح نقصان اٹھائے گی۔

تو ا۔فاسق ،۲۔گمراہ ،۳۔عہد توڑنے والے ،۴۔فساد کرنے والے۔

(نوٹ یہاں حضرت جیؒ نے فساد کرنے والے بیان فرمایا ہے)

قرآن فرماتا ہے کہ انسان مقامِ بندگی چھوڑ کر آگے نکل جائے تو اسے (فسق) کہتے ہیں۔

(کھجور کا دانہ اگر چھلکا پھاڑ کر باہر نکل آئے تو عربی میں اسے فِسق کہتے ہیں) تو فاسق یعنی مقامِ بندگی کو چھوڑ کر آگے نکلنے والا۔

فاسق کفر کرے تو اول درجہ۔ گناہ کبیرہ کرے تو درمیانہ درجہ۔ اور صغیرہ گناہ کرے تو درجہ ادنیٰ۔ مؤمن اور فاسق برابر نہیں ہوتے۔

فِسق کے تین درجے ہیں۔

فِسق حد سے بڑھنا۔ یعنی اعتدال نہ ہو۔ یعنی کسی سے محبت ہو تو اور اعتدال نہ ہو یا بغض ہو تو اور اعتدال نہ ہو۔ جس طرح بعض بدنوں کے مزاج میں اعتدال نہیں ہوتا اسی طرح بعض روحوں کے مزاج میں بھی اعتدال نہیں ہوتا۔

اعتدال نہ ہو تو آدمی حدودِ ایمانی سے نکل کر حدودِ کفری میں داخل ہو جاتا ہے۔

عیسائی لوگوں نے محبت میں حضرت عیسیٰؑ کو معبود بنایا۔ یہاں محبت میں اعتدال نہ رہا۔ اسلام نے آپ کو پیغمبر کہا مگر عیسائیوں نے جوش اور جذبات میں آ کر معبود بنا دیا۔

قریش حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے وہ آپ ﷺ کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ تو کسی نے ان قریش سے پوچھا کہ تم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو پیغمبر کی وجہ سے کیوں نہیں تسلیم کرتے؟ حالانکہ یہود و نصاریٰ تمہیں یہ خبر دیتے رہے ہیں کہ فلاں فلاں نشانیوں والے پیغمبر آئیں گے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک دادا سے دو قبیلے ہیں ایک بنی امیہ اور دوسرا بنی ہاشم۔ اگر ہم نبی تسلیم کرتے ہیں تو ہم میں سے بنی ہاشم قبیلہ عزت کے لحاظ سے بڑھ جائے گا اور یہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ بنی ہاشم کا قبیلہ ہم سے بڑھ جائے۔ تو جذبات سے بچ کر اعتدال پر چلنا چاہیے۔

(۲) کہ اللہ سے وعدہ پختہ کر کے پھر اس وعدے کو توڑتے ہیں۔ یعنی میثاق الٰہی توڑتے ہیں۔

میثاقِ الٰہی۔

حدیث پاک ہے کہ طائف اور عرفات کے میدان کے درمیانی علاقہ کی مٹی سے حضرت آدمؑ کا جسم بنا۔ تو تمام انسانوں کے جسم چیونٹی کے برابر نکالے گئے۔ پھر آدمؑ کی پُشت سے اس کی اولاد کو نکالا۔ اور اس کو گواہ کیا اپنے نفسوں پر۔ تو ان سے اصلی اولاد جو تھی پہلے وہ نکالی گئی۔ پھر ان سے جو اولاد تھی وہ نکالی گئی۔ پھر ان سے اور کی اولاد کو۔

پھر کہا الستُ بربکم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ قالوا بلیٰ۔ تو انہوں نے کہا ہاں۔ کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں۔ یہ عہد لیا گیا۔ معاملہ ختم ہوا۔ عہد لینے کا مطلب یہ تھا کہ شروع سے توحید کا بیج تخم ڈالا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اتنا پہلے کا وعدہ کس کو

یاد ہے؟ اوراس کا کوئی فائدہ نہیں سمجھ بوجھ ہو۔ عقل ہو پھر فائدہ ہوتا ہے۔اس سے کیا فائدہ؟

جواب: فائدہ ہے۔ وعدے کا یقیناً فائدہ ہے۔ اگر بھول گیا ہو تو اس کے یاد کرانے کے لیے پیغمبر بھیجے۔

دنیا کی اکثریت تو اکثریت رہی کل انسانیت جانتی ہے کہ اللہ ایک ہے۔ انسان نے سمندر میں زمین پر ہر جگہ اللہ کو پایا ہے۔ بت پرستی بھی دراصل اللہ کے مظہر کے لیے ہے۔یعنی انہوں نے غلطی کی کہ اللہ نظر نہیں آتا تو انہوں نے بت بنا کر پوجا شروع کردی۔ یہ غلط کیا۔

پوری انسانی تاریخ کے کل دور میں اسے اللہ اور رب ہونے کو تسلیم کیا گیا ہے۔یعنی انسان اللہ اور رب تسلیم کرتا ہے۔

میثاقِ عقلی: کائنات کا وجود ہی اس کی دلیل ہے۔

اگر میز کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کا اقرار کرتے ہو تو اس عجیب وغریب کائنات کو دیکھ کر اس کے بنانے والے (اللہ تعالیٰ) کا اقرار کرنا لازمی ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ یہ کائنات توحید کے لیے عقلی دلیل ہے۔جس خدا کا یہ زور ہے۔اس کی حکمت۔اور اس کے کمالات۔اور اس کے زندہ کرنے کو مانو۔

میثاقِ نقلی: آسمانی کتابیں اور پیغمبروںؑ کی آمد یہ نقلی میثاق ہے۔

چوتھا میثاق: آدمی جب پیدا ہوتا ہے تو کلمہ پڑھتا ہے۔ یہ عہد نامہ ہے۔

درس نمبر ۲۷

جمعۃ المبارک۔ ۲۲ نومبر ۱۹۶۸ء

تذکیر باالنعم

کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتا ...... وھو بکل شئی علیم۔

نوٹ: ابتداء میں رمضان شریف کی فضیلت پر بیان ہے یہ مضمون چونکہ پہلے گذر چکا ہے تو اس کی خاص خاص چیزیں نقل کر دی جاتی ہیں۔ اور آگے چل کر اسی درس میں **کیف تکفرون** سے بیان شروع ہو رہا ہے اسے پورا قلمبند کیا گیا ہے۔ مزید عرض یہ ہے کہ حضرت جیؒ نے چند درس پہلے یہ آیت کیف تکفرون والی قاری صاحب سے تلاوت کرانا شروع کرا دی تھی مگر چونکہ ان اللہ لایستحی کی آیت سے کچھ بیان کرنا باقی تھا تو اس کو بیان فرماتے رہے۔

۱۔ رمضان شریف میں ایک فرض نماز پڑھے تو ۷۰ کا ثواب ملتا ہے۔

۲۔ لیلۃ القدر کی رات میں ایک نیکی ۸۳ سال ۴ ماہ کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ **خیر من الف شھر** بلکہ اس سے بھی بہتر ثواب ملتا ہے۔

حضرت نوحؑ تک لوگوں کی عمریں بہت لمبی ہوا کرتیں تھیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو افسوس ہوا کہ میری امت کی عمر تو کم ہے۔ ۶۰ سے ۷۰ برس تک۔ تو اللہ نے لیلۃ القدر عطا فرمائی کہ تھوڑی عمر کے باوجود عبادت کا ثواب زیادہ

عطا کر دیا۔

۳۔حضرت امام شافعیؒ کا لیلتہ القدر کے بارے میں رُحجان ۲۱ رمضان کو ہے۔اا جمہور کے نزدیک ۲۷ رمضان ہے۔

۴۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جبرائیلؑ کا دنیا میں آنا بند ہو گیا مگر اس لیلتہ القدر کو جبرائیلؑ آتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں نور بھرتے ہیں۔اور یہ برکات صبح تک رہتے ہیں۔

۵۔لیلتہ القدر کے ۹ حروف ہیں لیلتہ کا لفظ تین بار آیا تو ۹×۳=۲۷ تو اس سے ۲۷ کی شب کا اشارہ مل جاتا ہے۔چونکہ قرآن کے نزول کا مہینہ ہے اس میں قرآن کثرت سے تلاوت کیا جائے ویسے بھی تلاوت قرآن سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ہم تو کم ہمت ہیں مگر بزرگان تلاوت قرآن شریف کثرت سے کیا کرتے تھے۔

۶۔حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات رمضان شریف میں اکسٹھ ختم قرآن کرتے تھے ایک دن کو روزانہ اور ایک ہر رات اور ایک پورے رمضان میں تراویح میں ختم کرتے تھے۔تو کل ۶۱ ہو گئے۔

لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نماز عصر کے بعد تلاوت قرآن شروع کرتے اور مغرب کی نماز سے پہلے مکمل قرآن ختم کر لیتے تھے۔یہ ان کی کرامت ہے۔

سیوطیؒ اتقان میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا معمول مختلف تھا بعض ہفتہ میں اور بعض مہینہ میں ختم قرآن شریف کرتے تھے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ میرے پاس ایسی تعداد بھی لوگوں کی پہنچی ہے کہ وہ ایک دن میں سات ختم قرآن کے کرتے تھے۔

قسطلائیؒ لکھتے ہیں کہ میں نے بیت اللہ میں ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ روزانہ ۱۴ ختم قرآن پاک کیا کرتا تھا۔ یہ ان حضرات کی کرامت سمجھی جائے گی۔

۷۔ علامہ بدرالدین عینیؒ جو بخاری کے شارح ہیں انہوں نے فقہ کی چندسو صفحوں کی کتاب قدوری ایک رات میں لکھی۔ یہ بھی کرامت ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز عمر ہے۔ کیونکہ جنت حاصل کرنے کے لیے یہ عمر دی گئی ہے۔ اور جو عمر ضائع کرے اس سے بد بخت اور بدقسمت دوسرا کوئی شخص نہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ انسان نیکی نہ کرے تو عمر ضائع ہوگئی مگر آج تو عمر کو برائی میں صرف کر کے ضائع کیا جارہا ہے یہ تو ڈبل گناہ ہے۔

یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا۔ کہ بہت اس (قرآن) سے گمراہ ہونگے اور بہت ہدایت پائیں گے۔ کس طرح آج گمراہ فرقے اپنی گمراہی کی تاویل میں آیات کے من گھڑت معانی پیش کرتے ہیں۔ جیسے پرویز۔ فضل الرحمٰن قادیانی۔ اور بعض شیعہ وغیرہ پیش کرتے ہیں۔

قرآن نے مذکورہ بالا آیت میں ۱۴ سو سال پہلے پیش گوئی کردی کہ بہت میری آیات کا غلط معنی کر کے گمراہ ہو کر جہنم میں جائیں گے اور بہت لوگ میری آیات

کا صحیح معنی کر کے ہدایت پا کر جنت کے تخت پر بیٹھیں گے۔

ہمارے اسلامی فلاسفر بوعلی سیناؒ لکھتے ہیں کہ ایک چیز کے دو متضاد اثر ہوتے ہیں کہ سورج کی روشنی ایک ہے مگر کپڑے کو سفید کرتی ہے اور دھوبی کے جسم کو سیاہ کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دھوبی کے جسم اور کپڑے کی قابلیت اور استعداد میں فرق ہے۔ یعنی دھوبی کے جسم میں قابلیت اور استعداد کچھ اور تھی اور کپڑے میں قابلیت اور استعداد کچھ اور تھی۔

تو اسی طرح قرآن کی روشنی کے سامنے ابوبکر صدیقؓ بھی آئے جو چمک اٹھے اور ابوجہل بھی آئے جو سیاہ ہو گئے۔ بس بات ختم ہو گئی۔ اب **کیف تکفرون** کی وضاحت کرتا ہوں۔

کیف تکفرون باللّٰہ ۔ اس آیت کی تمہید بیان کرتا ہوں تشریح وغیرہ بعد میں ہو گی کیونکہ وقت کم ہے۔ جو ظاہر اور باطن سے مسلمان ہو وہ متقی۔ اور جو ظاہر و باطن سے کافر وہ کافر۔ اور جو ظاہر میں مسلمان اور باطن میں کافر ہو وہ کافر ہے۔ منافقین کے لیے ۱۳ آیتیں آئی ہیں جو سب سے زیادہ تعداد میں ہیں۔

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔

منافق آگ کے بدترین حصے میں ہونگے۔

آگ کا بدترین مقام ابولہب اور ابوجہل کے مقام سے بھی بدترین ہوگا۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا حضرت بہت لوگ مرزائی بن کر مرتد ہوئے جا رہے ہیں۔ بزرگ نے فرمایا کہ مومن کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ جو مرتد ہو رہے ہیں وہ

پہلے سے اللہ کے ہاں مرتد ہیں۔ مؤمن ہر گز مرتد نہیں ہوسکتا۔

یاایھا الناس اعبدوا ربکم ۔ سے توحید کا بیان تھا۔ جس میں توحید باری تعالیٰ۔ نبوت اور جزاء اعمال۔ ان تین کا ذکر ہوا۔ اب کیف تکفرون ۔ سے باب بدل گیا۔

کیف تکفرون ۔ سے تذکیر بالنعم ۔ یعنی نعمتوں کا ذکر شروع ہوا۔ کیف تکفرون سے یبنی اسرائیل اذکروا ۔ تک جو مضمون ہے اس کا مطلب ہے کہ مسلمان عمل کرے۔

قرآن کا کام بات بتانا نہیں بلکہ بات منوانا اور کام کروانا ہے۔ معلوم ہو گیا کہ علم بلا عمل اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کا مطلب یہ کہ درخت لگایا مگر پھل نہ لگا۔ تو اسی طرح علم ہو اور عمل نہ ہو تو یہ بھی بلا پھل والا درخت ہے۔

علم بلا عمل کی ایسی مثال ہے کہ جس طرح شمع خود جلتی ہے مگر دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے۔ تو عالم بلا عمل شمع کی طرح خود جلتا رہے گا مگر اس کے علم کی روشنی سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے علم کی کوئی قیمت نہیں۔ اس لیے قرآن کی کوشش ہے کہ عمل کرائے۔

درس نمبر ۲۸

اتوار۔ ۲۴ نومبر ۱۹۶۸ء

آخرت پر بحث

کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا ...... وھوبکل شئی علیم۔

اس آیت سے تذکیر بالنعم العامہ۔ یعنی عام نعمتوں کا ذکر شروع ہوا۔ کیف تکفرون باللہ ۔ کہ تم اللہ کا اور اس کے دین کا کس طرح اعتراض کرتے ہو (انکار) تم پہلے بے جان تھے جان ڈالدی پھر تم سے جان چھین لے گا اور پھر قیامت میں جان دیدے گا۔ اور پھر تم اس کے سامنے جزاء کے لیے پیش کئے جاؤ گے۔

اس آیت سے چند بحثیں نکلتی ہیں۔ (۱) اُخروی بحث۔ (۲) انعامی بحث۔ (۳) اعمالی بحث۔ کہ اس آیت سے ہمارے اعمال پر کیا اثر پڑتا ہے۔ (۴) مجازاتی بحث۔ کہ جزا کے لیے یہ آیت کیا سبق دیتی ہے؟

تم اللہ اور اس کے دین کا کیسے انکار کرتے ہو۔ پہلا انقلاب کہ تم بے جان تھے تمہیں جان دی۔ دوسرا انقلاب کہ جان لے لے گا۔ تیسرا انقلاب کہ قیامت میں جان دوبارہ دے دے گا۔ چوتھا انقلاب کہ جنت یا جہنم کا ٹھکانہ ہوگا۔

قرآنی تحقیق یہ ہے کہ پہلے انقلاب یعنی پہلی زندگی سے قبل تقریباً آٹھ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ان میں ہم بالکل بے جان ہوتے ہیں۔ یعنی سات میں

بے جان اور پھر آٹھویں تغیرات میں ہم جان لیتے ہیں۔ پہلے ہم مردہ ہوتے ہیں۔

وہ سات تغیرات کیا ہیں۔ وہ سب سے پہلے عناصر ہیں۔ انسان جو کچھ کھاتا ہے خواہ غلہ ہو۔ خواہ ثمر۔ خواہ گوشت وغیرہ ہو۔ یہ سب چار عنصر پانی، مٹی، آگ اور ہوا سے اللہ ان کو بناتا ہے۔ تو انسان کی پہلی منزل عناصر اربعہ کی ہوئی۔ تو چار عناصر نے ملکر غذا کی شکل اختیار کی۔ خوراک کے بعد ذرا اس بیان کو مختصر کرتا ہوں۔ ۳۔ سوم دموی منزل یعنی خون کی منزل۔ وہ یہ کہ غذا کے بعد والدین کے پیٹ میں دیگر تغیرات سے خون بن جاتا ہے۔ پھر خون کو اللہ بدن میں پھیلاتا ہے اس سے انسان کا نطفہ بن جاتا ہے۔ یہ مقام نطفی ہوا۔

۱۔ مقام عنصری، ۲۔ مقام غذائی، ۳۔ مقام دموی، ۴۔ مقام نطفی،

۵۔ مقام علقی، ٦۔ مقام مضغہ، ۷۔ مقام لحمی۔ اس سے انسان کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔

ثم خلقنا النطفةً فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة عظاماً فكسونا العظام لحماً ثم انشأنه خلقاً آخر فتبارک اللہ احسن الخالقين۔

ترجمہ: نطفہ سے منجمد خون۔ پھر اس سے گوشت کا لوتھڑا۔ پھر اس سے ہڈیاں پھر ان پر گوشت چڑھایا۔

لوہے سے سخت چیزیں بنتی ہیں نرم نہیں بنتیں۔ مگر اللہ کی قدرت دیکھو کہ خون اور گوشت جیسی نرم چیز سے سخت ہڈی بن رہی ہے پھر وہ سرخ اور یہ سفید بن رہی ہے اور اس گوشت اور خون سے سیاہ رنگ کے بال بھی بن رہے ہیں وغیرہ۔ دیکھو اس

کارخانہ قدرت کا پتہ نہیں کہ کیسے چل رہا ہے۔ ان کے بعد ڈھانچہ تیار ہوا تو خالی ڈھانچہ بھی بیکار ہے۔ کیونکہ مردہ لاش بھی تو ایک ڈھانچہ ہوتی ہے جو بیکار ہوتی ہے۔ پھر مقام روحی آیا اس سے انسان بن گیا۔ ان سات منزلوں سے انسان پر ایسے دور گذرے ہیں کہ جن میں انسان کا نام ہی نہیں۔

ثم انشأنه خلقا آخر فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین۔

پھر اسے نئی صورت میں کھڑا کیا۔ سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اور یہ کام ایسے طریقے پر ہوا کہ شکم مادر میں خود ماں کو بھی پتہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ نظام اس لیے رکھا تا کہ انسان کو معلوم ہو جائے کہ خدا کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ابتدء میں ایک حالت ختم ہوئی اور دوسری آئی مثلاً عنصری حالت ختم ہوئی تو نباتاتی آئی اسی طرح بتدریج ایک ختم ہوتی گئی اور دوسری آتی گئی۔ تو بتدریج اوپر کو سلسلہ چلتا رہا اور پھر فرمایا کہ موت سے ہم کیوں ڈریں؟ موت تو ہمیں ترقی کی طرف لے جا رہی ہے۔ کہ عنصر سے چل کر ہم موت کے ذریعے جنت میں اللہ کا دیدار کریں گے۔

سنا ہے کہ اقبالؒ کے پاس زندگی کے آخری ایام میں ان کے ایک انگریز دوست آئے اور اس نے کہا اقبالؒ کیا حال ہے؟ تو جواب دیا کہ موت قریب ہے اور مؤمن موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ موت تو مؤمن کو ترقی کی طرف لے جا رہی ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ نے موت کی تمنائیں کیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سوچا یہ نیک لوگ ہیں دعاء قبول ہو جائے گی تو دین پھیلانے کی خدمت کون کریگا؟ تو آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ تم نے تو جہاد لڑنے ہیں۔ دین پھیلانا ہے۔

اب یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ ہم آخرت کو جا رہے ہیں یا کہ آخرت ہماری طرف آ رہی ہے؟ دیکھو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ یہ دیکھ لو کہ دنیا میں سکون و آرام کہیں نہیں۔ ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک لکیر کھینچی دوسری لکیر اس سے کچھ فاصلے پر کھینچی پھر فرمایا کہ اے صحابہ (کرامؓ) تمہیں پتہ ہو کہ دور کی لکیر انسان کی خواہشات ہیں اور قریب کی لکیر انسان کی موت ہے۔ اور یہ موت انسان کی تمنائیں اور خواہشات پوری نہیں ہونے دیتی۔

آج قبرستان میں تو جا کر دیکھو کہ کسی ایک کی بھی دنیاوی خواہشات پوری نہیں ہوئی تھیں کہ قبرستان پہنچا دیئے گئے۔

ا۔ پہلا قول۔ ہماری زندگی متحرک ہے۔ یہ متحرک اس لیے خدا تعالیٰ نے رکھی تا کہ انسان دنیا کی لذتوں سے چمٹا نہ رہے بلکہ یہ احساس کرے کہ آگے (آخرت) کو چلنا ہے یہاں رہنا نہیں۔

جب بچہ پیدا ہوا تو بالغ ہونے تک ارتقائی شکل ہے تا آنکہ بچہ پختہ عمر کو پہنچ جائے۔ اس کے بعد تنزلی شروع ہو جاتی ہے۔ کہ کبھی کھانا ہضم نہ ہوا۔ کبھی آنکھ خراب ہو گئی۔ کبھی دانت میں درد، کمزوری وغیرہ۔ بس طرح طرح کی تکلیفات تنزلی کی طرف لیکر چل پڑتی ہیں۔ یہ حرکت موت تک رہتی ہے۔

پھر موت ایک دوسری حرکت ہے کہ دنیا کا اسٹیشن چھوٹا اور قیامت کا قبر والا اسٹیشن آیا۔اس کے بعد مقام حشر کہ حساب کے بعد ٹھکانہ ہے جنت یا جہنم۔

تو جن حضرات نے کہا کہ زندگی متحرک ہے تو یہ بھی درست ہے۔قرآن کہتا ہے۔

یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیه۔

کہ اے انسان تو تکلیف سہہ سہہ کر اللہ کی طرف چل رہا ہے۔اور اسے جا ملے گا۔

دیکھو انسان ہر وقت تکلیف میں مبتلا ہے کبھی گرمی کبھی سردی۔کبھی تنگدستی۔ کبھی بے چینی وغیرہ۔تو اس صورت میں ہی اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے گا۔

فاما من اوتی کتابه بیمینه فسوف یحاسب حسابا یسیرا۔

جنہیں دایاں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا تو ان کے ساتھ آسان حساب ہوگا

وینقلب الی اھله مسرورا۔ اور جنت میں خوش ہوکر پہنچے گا۔

واما من اوتی کتابه وراءَ ظھره فسوف یدعوا ثبورا ویصلیٰ سعیرا انه کان فی اھله مسروراً۔

اور جس کو اس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے ملا سو وہ پکارے گا موت موت اور آگ میں پڑیگا۔وہ اپنے گھر والوں میں خوش اور بےفکر رہتا تھا۔

انه ظن ان لن یحود بلیٰ ان ربه کان به بصیرا۔

اس کا یہ خیال تھا کہ یہاں نہیں آنا۔نہیں۔اللہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

فلا اقسم بالشفق و الیل وماوسق و القمر اذالتسق۔

مجھے قسم ہے فجر کے وقت کی اور رات کی جبکہ اس کی تاریکی مکمل ہو جائے۔

اور چاند کی قسم ہے جب چودہ تاریخ کو مکمل ہو جائے۔

تو اے انسان تو ٹھیک ٹھیک اپنے ٹھکانے پر جائے گا۔ ہر ہر دن ایک ایک قدم ہے اور ہر ہر مہینہ ایک ایک فرلانگ ہے اور ہر ہر سال ایک ایک میل ہے۔ پھر موت ہے۔

۲۔اور دوسرا قول ہے کہ آخرت متحرک ہے۔ یہ بات بھی چنداں نامعقول نہیں۔ کیا آپ روزمرہ یہ نہیں دیکھ رہے کہ پلیٹ فارم پر گاڑی کے بالمقابل دوسری گاڑی کھڑی ہو تو جب ہماری گاڑی چلتی ہے تو دوسری گاڑی چلتی ہوئی نظر آتی ہے حالانکہ چل ہماری رہی ہوتی ہے۔

۳۔تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں متحرک ہیں۔ کہ زندگی بھی متحرک ہے اور آخرت بھی متحرک ہے۔ ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔ مثلاً ایک گاڑی ملتان سے چلی اور دوسری بہاول پور سے چلی جب دونوں لودھراں تک پہنچتی تو دونوں کی حرکت نے آکر دونوں کی ملاقات لودھراں کرائی۔ تو موت بھی آکر دنیا وآخرت کو ملا دیتی ہے۔

حدیث: ارتحلت الدنیا مدبرة و ارتحلت الاخرة مقبلةً ولکل واحدة منهما بنون فکونوا من ابناء والآخرة ولاتکونوا من الدنیا۔

دنیا پیچھے جا رہی ہے اور آخرت آگے آ رہی ہے اور ان دونوں کے لیے اولاد ہے۔ تم آخرت کی اولاد بنو۔ اور دنیا کی اولاد نہ بنو۔

تو کل تین قول پیش کیے۔

تو اللہ نے بھی اس آیت کیف تکفرون باللہ۔ میں حرکت بیان کی ہے۔ کہ بے جان سے جان دی پھر موت دے گا وغیرہ۔ اس میں بعض صوفیاء کرام نے ایک نکتہ بیان کیا ہے فتوحات مکیہ میں شیخ اکبرؒ نے بیان کیا ہے کہ خط مستقیم پر اگر گیند مارو تو سیدھی ہاتھ پر آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ نے جو دنیا کی زندگی کا گیند پھینکا ہے وہ بھی سیدھا اللہ کے ہاں جائے گا۔

کل الینا راجعون۔ تمام جس طرح سے میرے ہاں سے گئے ہیں اسی طرح میرے پاس پہنچیں گے۔ کہ پوری دنیا جس طرح مجھ سے گئی ہے اسی طرح میرے پاس پہنچے گی۔

حرکت کے سلسلے میں زندگی کے متحرک ہونے کو بیان کیا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ گئی زندگی واپس نہ آئے گی۔ مثلاً گذرا ہوا دن یا گذرا ہوا سانس پھر واپس نہ آئے گا۔ تو اس زندگی کی ناپائیداری کی صورت میں اس میں آخرت کمانے پر زور لگایا جائے کیونکہ یہ زندگی پھر واپس نہ آئے گی۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ زمانہ عمر کا نام ہے اس میں غفلت نہ کرو بلکہ آخرت کماؤ کیونکہ گذرا ہوا زمانہ پھر واپس نہیں آتا۔ تو فرمایا کہ عمر اور زندگی عمل کا نام ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے بڑھاپے میں عبادت بہت زیادہ کردی۔ تو لوگوں نے عرض کی کہ کثرتِ عبادت سے شاید حضرتؒ کو موت واقع ہوجائے۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ گھوڑ دوڑ میں جب گھوڑا نشانے کے قریب پہنچتا ہے تو وہ دوڑ میں پورا

زور لگاتا ہے کیونکہ ہار جیت کا مقام ہوتا ہے۔تو حضرتؒ کا اشارہ بھی اپنی طرف تھا کہ اب ہمارا گھوڑا بھی اپنے نشان (قبر) کے قریب پہنچ چکا ہے لہذا ہمیں بھی عبادت میں (زور) کثرت کرنی چاہیے تاکہ کامیابی ہو۔

یہ تو حضرت بایزید بسطامیؒ نے عقلی جواب دیا۔مگر آپ قرآن کا بیان دیکھیں کہ فتح مکہ کے بعد اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس۔

کہ جب اللہ کی فتح آ پہنچے اور لوگ دین میں کثرت سے داخل ہونے لگیں۔ تو اے میرے حبیب (ﷺ) آپ ﷺ پھر اللہ کی تسبیح پڑھیں اور استغفار کریں۔یعنی یہاں سے اشارہ ملتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھی آخری عمر میں کثرت عبادت کی طرف حکم ہورہا ہے۔کہ فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا۔کہ اپنے رب کی تسبیح پڑھ اور استغفار کر۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے مجلس میں بوڑھے صحابہ کرامؓ کو بلوایا حضرت ابوسفیانؓ بھی موجود تھے تو آپؓ نے حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کو بھی بلوایا۔تو حضرت ابوسفیانؓ بول پڑے آپؓ نے اس چھوٹے کو کیوں بلوایا ہے حالانکہ ہمارے بچے بھی اس سے بڑے ہیں۔تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس کے پاس قرآن کا علم تم سے زیادہ ہے۔تو سورۃ نصر مذکورہ پڑھی اور سب سے پوچھا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو ظاہری مطلب سب صحابہ کرامؓ نے بیان کیا کہ ان تین چیزوں کے حاصل ہونے کے بعد خدا کا شکر حمد وغیرہ سے ادا کریں۔مگر حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اشارہ ہے آپ ﷺ کے قرب وصال کی طرف کہ آپ ﷺ کو عرب کے مسلمان

کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا جب یہ کام ہوجائے تو پھر ہم آپ ﷺ کو اپنے پاس بلائیں گے۔تو پھر آپ ﷺ عبادت، اذکار اور استغفار میں زور لگائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ آپ ﷺ تو بخشے ہوئے ہیں اتنی عبادت نہ کریں کہ قیام کی کثرت کی وجہ سے پاؤں مبارک کا گوشت پھٹ گیا ہے۔تو فرمایا کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

دیکھو عبادت کے لیے وقت اس وقت بچے گا جب انسان غیر ضروری کاموں سے بچے۔

حضرت تھانویؒ نے مثال دی ہے کہ جس طرح گاڑی میں سفر کے دوران لوگ لڑتے جھگڑتے نہیں کیونکہ اگر جھگڑا ہوگیا تو پولیس چالان کردے گی اور سفر کھوٹا ہوجائے گا۔تو فرمایا کہ مسلمان کو چاہیے کہ دنیا کے غیر ضروری کاموں میں نہ پڑے تاکہ آخرت کا سفر کھوٹا نہ ہو۔

ایک مقام کو صحابہ کرامؓ نے فتح کیا تو ان کے چہروں کو دیکھ کر کفار مسلمان ہوتے تھے۔اور کہتے تھے کہ ایسے نورانی اور پُرسکون چہرے کبھی نہیں دیکھے۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

کہ ان کے (صحابہ کرامؓ) چہروں میں سجدوں کے اثر سے نور تھا۔

دیکھو عموماً نمازی بے نمازی سے کم بیمار ہوتا ہے کیونکہ نماز کے انوار سے قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

حدیث: من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً اولیصمت۔

جسے اللہ اور آخرت پر ایمان ہو اسے چاہیے کہ وہ بولے تو خیر بات کرے یا پھر خاموش رہے۔

فضول اور بیہودہ باتوں سے دل کا نور ختم ہو جاتا ہے۔ بعض اولیاء کرام نے ایسے عمل کیے ہیں کہ نمونہ بنے۔ ایک بزرگ کو خیال تھا کہ اگر لوگوں سے ملوں تو فضول باتیں ہونگی۔ تو لوگوں کو ملاقات کے لیے رات کو وقت دیا۔ تو کون اپنی نیند ضائع کر کے آتا۔ اور اگر کوئی آ بھی جاتا تو آپ نوافل میں مشغول رہتے۔ سبحان اللہ یہ تھی دین کی محبت۔

ہارون الرشید کی سلطنت کشمیر سے لیکر تیونس اور مراکش تک تھی بہت بڑی سلطنت تھی اس وقت بھی اتنی بڑی سلطنت کسی کی نہ تھی۔ آخر اتنی بڑی سلطنت کے لیے اسے کتنا کام کرنا پڑتا ہوگا؟ مگر خطیب تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ ہارون الرشید فرائض نماز کے علاوہ روزانہ دوصد رکعت نوافل کی رکعت پڑھا کرتا تھا۔

حضرت فرید الدین شکر گنج ؒ ان کا اصل نام مسعود ہے۔ یہ بزرگ غیاث الدین بلبن کے وقت گذرے ہیں۔ ایک شخص ان کی خدمت میں آیا عرض کی کہ بادشاہ کی جانب سفارشی خط لکھدو تو آپ ؒ لکھتے ہیں کہ از عاجز بندہ بسوئے عاجز بندہ غیاث الدین ؒ۔ اس کاغذ کے اٹھانے والے شخص کا مقدمہ اللہ کے آگے پیش کیا ہے۔ یعنی رزق کا سوال اللہ کے ہاں پیش کیا ہے۔ اب اس کے کہنے پر تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تم نے دیا (یعنی سوال پورا کر دیا) تو میں یہ سمجھوں گا کہ اللہ نے دیا ہے اور تم معذور ہو۔ اور اگر تم نے نہ دیا (یعنی سوال پورا نہ کیا) تو میں یہ سمجھونگا کہ اللہ نے

نہیں دیا اور تم معذور ہو۔

حضرت شیخ سعدیؒ بھی اسی غیات الدین بلبن کے زمانے میں گذرے ہیں۔ یہ دہلی کا بادشاہ تھا اس نے حضرت سعدیؒ کو لکھا کہ دہلی میں شعراء کا بہت چرچا ہے آپ بھی دہلی میں تشریف لے آئیں۔ یہ مستغنی درویش صفت عالم تھے۔ کشتی میں سفر شروع کیا مگر جب طوفان آیا تو ایک شعر لکھ کر بھیجا اور خود واپس چلے گئے۔

شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان در ودر جست
کلاہ دلکش اما بدردسر نمی ارزد

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ علماء کے لیے تکبر اور طمع بالخصوص نہیں ہونا چاہیے۔

درس نمبر ۲۹

جمعۃ المبارک۔ ۲۹ نومبر ۱۹۶۸ء

انعامی واعمالی پہلو پر بحث

کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتا ...... وھو بکل شئی علیم۔

اس آیت پر آخرت کے لحاظ سے بحث گذری اب انعامی بحث ہے۔ اللہ نے اس آیت میں انسان کی داستان بیان کی ہے۔ کہ ایک وقت تھا تم میں جان نہ تھی ہم نے جان ڈالی پھر لے لی جائے گی۔

یہ چونکہ تذکیر بالنعم کا بیان ہے۔ تو اس میں انعامی پہلو پر بحث ہوگی۔ یعنی اللہ انسان پر اپنے انعامات جنواتا ہے۔ تا کہ وہ شرمندہ ہوکر فکر آخرت کرے۔ یہ سب کچھ انسان کی بھلائی کے لیے ہے ورنہ کرۂ ارضی پر سب کافر ہو جائیں تو خدا کی شاہی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔

تو کچھ انعامات تو واضح ہیں مثلاً ہم بے جان تھے اس نے جان ڈالی۔ اگر اللہ تعالیٰ جان نہ ڈالتا تو ہم کسی نعمت سے بھی وابستہ نہ ہوتے۔ صرف ایک زندگی کی نعمت نے اربوں نعمتیں دلائیں۔ بس ہر نعمت زندگی سے وابستہ ہے۔ کہ کوئی صدر بنایا عالم بنایا رئیس بنا وغیرہ یہ سب زندگی سے وابستہ ہیں۔ پھر زندگی کے بعد موت آتی ہے اس کے بعد پھر زندگی آئے گی حشر کے میدان میں۔

تو اب یہ شبہ پڑتا ہے کہ اگر زندگی بہت بڑی نعمت ہے۔تو پھر موت کے ذریعے چھینی کیوں؟ یہ تو ہم موت کو سمجھ نہیں رہے مگر اللہ نے تو موت کو بھی نعمت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ موت بھی ایک نعمت ہے۔اب اس پر گفتگو کرتا ہوں کہ موت بھی ایک نعمت ہے۔

ایسا سوال اللہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انسان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ ملائکہ سے پوچھتا ہے کہ تم نے بندے کی روح قبض کی تو ان کے رشتہ داروں کا کیا حال تھا؟ تو رشتہ داروں کے متعلق ملائکہ جواب دیتے ہیں کہ یا اللہ وہ تو رو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کام میں تردد نہیں ہوتا لیکن صرف اس وقت کہ جب مرنے والے کے رشتہ دار روتے ہیں۔ مجھے اس وقت تردد ہوتا ہے مگر موت دینا یہ میری حکمت ہے اس لیے وہ دینا ہی پڑتی ہے۔

اب یہ بیان کرتا ہوں کہ موت میں کیا حکمت ہے؟ تردد کے معنی ہیں سوچ میں پڑ جانا، کہ مجھے یہ کام کرنا چاہیے کہ نہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سوچ و بچار سے پاک ہے لیکن الفاظ کا دامن تنگ ہونے کی وجہ سے مجبوراً یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا پڑا ہے۔ زندگی نعمت تھی اور موت زندگی کو ختم کر دینے والی چیز ہے وہ (موت) بھی درحقیقت نعمت ہے مثلاً ایک بوسیدہ عمارت کو گرایا جائے اس لیے کہ اب اس جگہ مضبوط تر عمارت تیار کی جائے گی تو یہ گرانا نعمت ہے۔تو آخرت کا وجود انسان کی زندگی کی عالیشان عمارت ہے۔ جب دنیا فانی کی بوسیدہ زندگی کو موت کے ذریعے سے نہ اکھیڑا جائے تو پھر ہم عظیم زندگی تک نہ پہنچ سکیں گے؟

(حدیث) الموت تحفة المؤمن۔ موت مؤمن کے لیے تحفہ ہے۔

کہ ہم تمہیں اس (موت) کے ذریعے اس غمکدہ سے نکال کر ایک پُرسکون اور بلند تر زندگی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اس لیے ثم یمیتکم کو انعام کے سلسلے میں ذکر کیا ہے اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ زندگی میں بہت بڑی نعمتیں ہیں مگر اللہ کے دیدار والی نعمت نہیں جو سب سے بری نعمت ہے۔ وہ صرف آخرت میں جنت میں ہوگی اور آخرت موت کے پل پر سے گذرے بغیر نہیں آ سکتی۔

حضرت موسیٰ نے عرض کی رب ارنی ۔ کہ رب مجھے اپنا دیدار کرا دو۔ لن ترانی کہ دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ موت سے پہلے اللہ کا دیدار ہرگز نہیں کر سکتے۔ معراج کا واقعہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

تو اب معلوم ہو گیا کہ موت نعمت ہے اور پھر دوبارہ زندگی کا ملنا بھی نعمت ہے۔ کیونکہ دیدار الٰہی ہوگا۔ یہ انعامی پہلو پر بحث گذری ہے۔ اب اعمالی پہلو پر بحث کرتا ہوں۔

اعمالی پہلو: اللہ جو فرماتا ہے کہ مقام حشر میں تم اپنے عمل کے نتیجے کا اعلان سنو گے۔ موت کے خیال کو انسان کے اعمال کی دوستی میں بڑا دخل ہے۔ اگر آدمی ہمیشہ زندہ رہتا موت نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی نیک انسان نہ ہوتا بلکہ سب نفس کے پابند اور تابع ہوتے۔ موت کے نظام سے نفس کو لگام آ جاتی ہے۔ حضرت مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کا ڈر خوف نہیں صرف ایک اللہ کی عظمت اور بڑائی کا خوف دوم مضرت نفس کا خوف کہ نفس مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ یہ بیان آپؒ نے مکہ شریف میں فرمایا تھا۔

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کی نگرانی جوانی کے زمانے میں کرو کیونکہ نفس کا سیاہ ناگ جب بوڑھا ہو جائے گا تو پھر درست نہ ہوگا۔ پھر یہ راہ راست پر نہ آئے گا۔ اس کا علاج جوانی میں کرو۔

تو موت ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کو اصلاح پر آمادہ کرتی ہے۔

کفیٰ بالموت واعظاً۔ (الحدیث) ہزاروں نصیحتوں سے صرف ایک موت کا ذکر کافی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان روزانہ رات کو سوتے وقت موت کا مراقبہ کیا کرے۔

امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے جو سرکاری کام کے لیے مہر بنائی ہوئی تھی اسی پر یہی حدیث لکھی ہوئی (کندہ) کی ہوئی تھی۔ کفیٰ بالموت واعظاً۔

شمس الدین التمشؒ جب فیصلے کرتے تھے تو کفن سامنے رکھتے تھے تا کہ فیصلہ صحیح کروں۔

آج ہمارے حکمرانوں کو یورپ نے ایسا بگاڑا کہ نہ ایمان ہے اور نہ ایمان والوں کی شکل ہے۔

موت کے بارے میں ذکر چل رہا تھا کہ اس کا کوئی منکر بھی نہیں اس کے باوجود اس سے غفلت کرتے ہیں۔ اگر موت سے غفلت نہ ہو تو نیکی خود بخود ہوگی۔

حضرت عثمان غنیؓ جب قبرستان سے گذرتے تھے تو رو رو کر آپؓ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی کسی نے آپؓ سے پوچھا حضرتؓ یہ کیوں؟ فرمایا

کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبر قیامت کی پہلی منزل ہے اگر یہ درست ہوگئی تو آگے باقی منازل بھی درست ہوجائیں گی ورنہ نقصان ہوگا۔تو موت کا تصور زندگی کو قیمتی بنانے والا ہے۔

بزرگوں نے مثال دی کہ سمندر کے کنارے سونے کی اینٹیں پڑی ہیں اور جہاز کو صرف ایک گھنٹہ رکنے کی مہلت ہے کہ اینٹیں اٹھاؤ آگے خالی جزیرے میں کام آئیں گی۔ ایک گھنٹہ گذر جانے کے بعد پھر اینٹیں اٹھانے کی اجازت نہ ہوگی۔تو بتاؤ کون اس ایک گھنٹہ میں اینٹیں اٹھانے میں غفلت کرے گا؟ تو موت کی حقیقت بعینہ ایسی ہی ہے۔

تو نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ ان کی پابندی ہو۔ رمضان شریف میں تو خصوصاً زیادہ ہونی چاہیے۔امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی فارغ بیٹھا ہوتو لاالــہ الا الــلّٰــہ ۔کرتا رہے۔یہ ذکر خدا ہے جو سب سے بڑی نعمت ہے ولـذکر اللہ اکبر ۔تو ہر وقت ذکر میں لگا رہنا چاہیے۔تو تسبیح پڑھنا وغیرہ یہ سونے کی اینٹیں ہیں یہ بھی ایک مثال ہے ورنہ عبادات اور ذکر اذکار کے سامنے سونے کی کیا حقیقت ہے؟ قل متاع الدنیا قلیل ۔کہ پوری دنیا ہی قلیل چیز ہے۔تو پھر سونے کی کیا حیثیت ہے۔اور دوسری طرف فرمایا مـن یـؤت الـحـکـمة فقد اوتی خیراً کثیرا۔جس کو دین کا علم دیدیا گیا اسے خیر کثیر دیدی گئی۔

حضرت عبداللہؓ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حکمت ہے کہ جو قرآن کو پورا پورا جانے تو یہ تمام نیکیاں ہیں جو تمام کی تمام سونے کی اینٹیں ہیں جو زندگی کے میدان میں

بکھری پڑی ہیں۔ اور ایک کنارے پر جہاز (موت) کھڑا ہے تم غفلت نہ کرو جتنی زیادہ اٹھا سکو اینٹیں اٹھالو۔

ایک آدمی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ حضرت آپ تو بوڑھے ہو چکے ہیں تو اتنی زیادہ عبادت کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا بازار آخرت کی منڈی کے لیے رقم جمع کر رہا ہوں۔

حدیث پاک میں ہے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم رات کا تیسرا حصہ گذر جاتا تھا تو آپ ﷺ اٹھتے تھے اور بلند آواز سے گھر والوں کو تہجد کے لیے اٹھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔

جاء الموت بمافیه ۔(الحدیث) کہ موت اپنی کل تکلیفات کے ساتھ آرہی ہے۔

مگر آج تو یہ ہے کہ بس جو کچھ ہو جائے اولاد کو نوکری ملے نیکی ہو یا نہ ہو اس طرف تو خیال ہی نہیں۔ یہ ہے یورپ کی تعلیم۔ کیا جانور اور پرندے وغیرہ بی اے کے بغیر روٹی (رزق) نہیں کھا رہے۔

دیں ہاتھ سے دیکر اگر آجائے حکومت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ
(اقبالؒ)

ایمان کی قیمت کو اللہ کا عرش اور کرسی بھی نہیں پہنچ سکتے۔

قوا انفسکم واھلیکم نارا الایة۔

اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو سب کو آگ سے بچاؤ۔

اکبر بادشاہ ایک بے دین بادشاہ تھا مگر اسے بھی موت یاد آ گئی تو چند راتیں نیند نہ آئی آخر اس کے ہندو وزیر بیربل نے تسلی دی کہ تمہارے دین کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم قبر میں تشریف لا دیں گے تو تمہیں روشنی بھی ملے گی اور نجات بھی تب اسے نیند آئی۔ آج ہمارے بھی حکمران ہیں کہ انہیں تو موت نام تک بھی یاد نہیں۔ یہ یورپ کے بگڑے ہوئے ہیں۔ بزرگوں کا قول ہے کہ شیطان کا بگاڑا ہوا درست ہو سکتا ہے مگر یورپ کا بگاڑا ہوا قطعاً درست نہیں ہو سکتا۔

ثم الیه ترجعون۔ پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

مجازاتِ اعمال: مجازاتِ اعمال میں بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ کون ان مردہ کو زندہ کرے گا۔ یعنی مر کر ذرات بن چکے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو چکے ہیں تو ان کو کون زندہ کرے گا؟

تو مجازاتِ اعمال کے لیے ضروری ہے کہ انسان کو دوبارہ زندگی پر یقین ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ تم پہلے بے جان تھے تمہیں جان دیدی۔ اور بے جان ایسے تھے کہ دنیا میں ڈھانچہ بھی نہ تھا اب ڈھانچہ تو موجود ہے۔ جس طرح تم روزانہ مشینوں کو کھول کر پرزے پرزے کر کے کھول دیتے ہو اور پھر انہیں جوڑ کر مشین کو دوبارہ درست کر لیتے ہو۔ تو اسی طرح تمہارا ایک پرزہ روح اور ایک پرزہ جان ہے اور ذرے بھی زمین میں محفوظ ہیں تو جس خدا نے شروع سے بنایا ہے کیا وہ ان ذرات کو اکٹھا کر کے تمہیں دوبارہ نہ بنا سکے گا؟

ثم الیہ ترجعون ۔ سے یہ بیان فرمایا کہ خوب سن لو! اگر تمہارے اعمال کی جزا و سزا نہ ہو تو پورا کارخانہ بے فائدہ ہو جائے گا۔ جب ایک ادنیٰ انسان کوئی مشین بناتا ہے تو بافائدہ بناتا ہے اور اتنا عظیم تر خدا کائنات کو بے فائدہ بنائے گا؟

تو پورا کارخانہ انسان کے لیے اور انسان خدا تعالیٰ کی بندگی کے لیے۔ تو کارخانہ کائنات کا مطلب انسان اور انسان کا مطلب ایمان اور اعمال صالحہ۔ اور اعمال صالحہ کا مطلب جنت۔ اور اس کا مخالف (ضد) جہنم۔ اس لیے فرمایا۔

ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ماخلقت ھٰذا باطلاً ۔ کہ زمین اور آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کریں تو اللہ والے کہتے ہیں کہ یا اللہ یہ کارخانہ بے فائدہ اور عبث نہیں بنایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ثم الیہ ترجعون ۔ میں اشارہ فرمایا ہے کہ جزاء اعمال برحق ہے۔

ایک بزرگ سے کسی بے دین نے سوال کیا کہ کیا انسان کوئی گندم کا تخم (بیج) ہے کہ دوبارہ اٹھے گا (زندہ ہوگا)۔ بزرگ نے فرمایا کہ تم تو خود اپنی بات سے ہار گئے ہو۔ فرمایا کیا گندم کے دانہ کی قیمت انسان سے زیادہ ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو فرمایا گندم کا دانہ ڈالا اور زمین نے اس کے بدلے لاکھ دانے دیئے کیا وہ زمین انسان کا قیمتی تخم کھا جائے گی؟ بس صرف اسرافیلؑ کے دوسرے نفخ سے یہ تمام ذرات اکٹھے ہو کر انسان زندہ ہو جائے گا۔

دوسرے درس میں انشاء اللہ العزیز روح کی تحقیق اور موت کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالوں گا۔ ثم یمیتکم ثم یحییکم ۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ قبر میں زندگی دیگر مجازاتِ اعمال ہونا ہے۔

درس نمبر ۳۰

اتوار۔ یکم دسمبر ۱۹۶۸ء

روح کی حقیقت اور موت کی عالمگیری

کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتا ...... وھو بکل شئی علیم۔

آج کے درس میں اس آیت کے سلسلے میں موت کی حقیقت کا بیان ہے۔ یہ سب حالات ہیں جو ہم انسانوں کو پیش آنے والے ہیں۔

ا۔ شکم مادر کی حالت، ۲۔ دنیا کی حالت، ۳۔ قبر کی حالت، ۴۔ میدان حشر کی حالت، ۵۔ جنت و دوزخ کی حالت یہ آخری حالت ہے۔

موت کے متعلق ایک یہ بیان کرنا ہے کہ موت کیا چیز ہے؟ موت کو اردو میں مرنا۔ اور عربی میں موت کہتے ہیں۔ آسمانی مذاہب اور اسلام کی روح سے مرنا۔ مٹنے کا نام نہیں۔ انتقال اور تبدیلی کا نام ہے۔ موت زندگی کی تبدیلی کا نام ہے۔ پہلی حالت کا ختم ہونا اور دوسری حالت کا پیدا ہونا اس کو موت کہتے ہیں۔ ہم چونکہ موت کو فنا سمجھے ہوئے ہیں اس لیے اس سے ڈرتے ہیں۔ بس ایک ٹھکانہ چھوڑا دوسرا قبر کا ٹھکانہ ملا۔ مرنے والے مرتے ہیں فنا نہیں ہوتے۔ یہ مرنے والے حقیقت میں ہم سے جدا نہیں ہوتے۔ دیکھو قرآن میں اکثر جگہ توفی۔ کالفظ موت کے ساتھ آیا ہے۔

اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا

فیمسک التی قضیٰ علیها الموت۔

اللہ کھینچ لیتا ہے روحوں کو جب ان کی موت کا وقت آئے۔ اور جو نہیں مرے انہیں کھینچ لیتا ہے ان کی نیندیں۔

ہر رات جو ہمیں نیند آتی ہے یہ چھوٹی موت ہے یہ قیامت کا ایک نمونہ ہے کہ آگے ایک اور موت آنے والی ہے۔

میں ایک خاص چیز بیان کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کہ جس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہا ہے اسے ازلی اور ابدی زندگی کہتے ہیں۔ یہ خاص اللہ رب العلمین کی زندگی ہے۔ کہ شروع اور آخر دونوں سے بے انتہا ہے۔

(۲) دوسری زندگی جو نہ ابدی اور نہ ازلی اس کی ابتداء اور انتہا دونوں ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی ہے۔

(۳) کہ جو زندگی ازلی نہ ہو ابدی ہو وہ ہے آخرت کی زندگی۔

تو طاقتور زندگی اللہ رب العلمین کی ہے۔ اور سب سے کمزور زندگی دنیا کی زندگی ہے۔ موت کی حقیقت بعد میں بیان کرونگا۔ اب موت کی عالمگیری بیان کرتا ہوں۔

کوئی چیز ایسی نہیں جس کو موت نہ ہو۔ ہم پہلے آسمان کی چیزوں کو لیتے ہیں۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے؟ انہی اعضاء کا پریشان ہونا
(غالبؒ)

تو آسمان کو دیکھو کہ ستارون کی کتنی بڑی کائنات موجود ہے جو رات میں موجود نظر آتے ہیں۔ لیکن دن کے آتے ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ تو ہمارے علم اور استعداد کے لحاظ سے تمام ستارے ہر روز مرتے اور زندہ ہوتے ہیں۔ سورج اور چاند کی بھی موت ہے جو ایک خاص وقت میں گرھن ہوتے ہیں۔ چاند گرھن ہوگا تو چودہ تاریخ پندرہ تاریخ ہوگی اور سورج گرھن ہوگا تو ۲۷ یا ۲۸ تاریخ ہوگی۔ نباتات۔ حیوانات سب کو موت ہے۔ باقی یہ کہ پوری دنیا کی موت وہ صرف قیامت ہے۔ اللہ نے پوری دنیا اور انسان کی موت کی تاریخ نہیں بتلائی تا کہ ہر وقت خطرہ ہو کہ قیامت آنے والی ہے۔ اس لیے تو موت بہت عالمگیر چیز ہے۔

حقیقت موت کی پہچان اور حقیقت کی روح پہچان ہے۔ ہم میں ایک چیز ہے اگر وہ ہے تو سب کچھ ہے اور اگر وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ وہ روح ہے۔ یعنی جان۔ اگر یہ نکل جائے اور باقی سب ڈگریاں بدن میں موجود ہوں۔ تو وہ بدن کچھ بھی نہیں صرف مٹی کا ڈھیر ہے۔ اور یہ کسی کے بس میں نہیں صرف اللہ کے بس میں ہے۔

یہی بات ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور نمرود میں مقابلہ ہوا تو نمرود نے سلطنت اور شاہی کے گھمنڈ میں اللہ کے پیغمبرؑ سے مقابلہ کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جب کسی کے پاس مال یا اقتدار آ جائے تو وہ گدھا بن کر لاتیں (ٹانگیں) مارتا ہے۔ تو

نمرود نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے۔ تو ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

ربی الذی یحی و یمیت۔ کہ میرا رب زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

تو اس نمرود بیوقوف نے کہا کہ یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ جیل سے دو قیدی منگائے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا۔

قال انا احی و امیت۔ کہا کہ میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔

تو حضرت ابراہیمؑ نے دوسری مثال دی کہ میرا رب مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے نکال دے۔ تو اس سے کافر (نمرود) حیران ہو کر رہ گیا۔

فان اللّٰہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب فبھت الذی کفر ۔ اللہ مشرق سے سورج نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال۔ تو کافر حیران رہ گیا۔

تو یہ کام اللہ کے بس کا ہے اور کسی کے بس کا نہیں۔

قریش یہود کے علماء کے پاس گئے کہ ہم میں سے ایک ان پڑھ (ناخواندہ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ کوئی سوالات بتلاؤ تاکہ ہم اس کو بند (لاجواب) کر دیں۔ تو انہوں نے تین سوال بتلائے (۱) اصحاب کہف، (۲) ذوالقرنین، (۳) روح۔ کہ ان کے بارے میں ان سے ان تین کے بارے میں سوال کریں۔ اگر وہ تینوں کا جواب دیدیں تو وہ پیغمبر نہیں اور اگر تینوں کا جواب نہ دے سکیں تو پھر بھی پیغمبر نہیں اور اگر دو کا جواب دیں اور ایک کا نہ دیں تو پھر سمجھ لو کہ وہ اللہ کا سچا نبی ہے۔

تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اصحابہ کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں پوری تفصیل سے جوابات سنائے۔ ان کے مکمل قصے اور واقعات سنائے۔ مگر روح کے بارے میں فرمایا کہ یہ امر ربی ہے اسے سوا اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی ۔آپ سے روح کے بارے میں سوال کریں گے آپ کہدیں کہ روح امر ربی ہے۔ یہ جوابات آپ ﷺ نے ذرا توقف فرما کر دیئے تھے۔ یعنی اللہ کی طرف سے جوابات کا انتظار کیا۔

تو قریش یہ جوابات لیکر یہود کے علماء کے پاس گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ واقعی نبی ہے۔ کیونکہ ہر نبی نے روح کو غائب الی اللہ کہا ہے۔

دیکھو روح نظر نہیں آتی مگر ہے سہی اور اللہ بھی نظر نہیں آتا مگر ہے سہی۔ اللہ کی صفات انسان کو دی گئیں مثلاً اللہ دیکھتا ہے تو انسان بھی دیکھتا ہے وغیرہ۔ انسان کے اندر جان یقینی ہے مگر نظر نہیں آتی۔ اللہ یقینی ہے مگر نظر نہیں آتا۔ خود انسان کی آنکھ میں نظر (بینائی) ہے مگر نظر نہیں آتی یعنی کوئی اپنی نظر کو دیکھ نہیں سکتا یعنی یہ نظر خود کسی کو نظر نہیں آتی۔

کائنات ایک آنکھ ہے اس میں اللہ موجود ہے جس طرح آنکھ میں نظر موجود ہے مگر نظر نہیں آتی اسی طرح اللہ بھی موجود ہے مگر نظر نہیں آتا۔

پوری حقیقت تو روح کی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں مگر سرسری نظر ڈالتا ہوں۔ جسم لطیف علوی سار فی البدن ۔لطیف جسم ہے عالم بالا کی چیز ہے

بدن میں چلنے والی ہے۔

کسریان ماء الور وفی الورد والنار فی۔

جیسے گلاب کا پانی گلاب کے پھول میں یا سرخ شعلہ جس طرح اس کے اندر سرخ شعلہ ہے۔اسی طرح روح بھی بدن میں ہے۔

بزرگان نے کہا ہے کہ روح کی شکل بھی بدن کے مشابہ ہوتی ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ جس انداز میں بدن ہے اسی انداز میں روح کا ڈھانچہ ہے۔

امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہؒ نے بیان کیا ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو بدن تو یہاں رہ گیا۔لیکن روح کو ایک لطیف اور نورانی جسم مل جاتا ہے جس میں وہ سوار ہو جاتا ہے۔حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں بدن سے پہلے پیدا ہوئی ہیں۔یعنی آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل روحیں پیدا ہوئی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ روح خود نکلتی ہے اپنی خواہش سے یا کوئی اسے جبراً نکالتا ہے؟ جو لوگ آخرت کے حقائق سے منکر ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ روح خود نکلتی ہے۔یہ غلط ہے بلکہ روح کا نکلنا جبری ہے۔روح کسی طاقت کے ذریعے نکالی جاتی ہے۔ روح کی خواہش نہیں کہ نکل جائے۔یہ نہیں دیکھا کہ جب کسی آدمی پر تلوار اٹھائی جائے تو وہ دفاع کے لیے فوراً ہاتھ اور پیر اوپر کرتا ہے۔یہ حقیقت میں روح عمل کرتی ہے۔تو معلوم ہو گیا کہ روح کی یہ خواہش نہیں کہ بدن سے نکلے۔یہی وجہ ہے کہ موت سے ہر انسان کو غم ہوتا ہے۔یہ فطری چیز ہے۔تو اوپر کا زور آکر روح نکالتا ہے۔وہ ہے اللہ رب العالمین۔

اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتہا ۔ والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم ۔ اللہ کھینچ لیتا ہے روحوں کو جب ان کی موت کا وقت آئے۔ کہ ہاتھ بدن میں ڈالے ہوتے ہیں فرشتے اور جان کو حکم دیتے ہیں کہ اس بدن سے نکلو۔ اس کا مطلب ہے کہ بہت سے فرشتے جان نکالنے کا عمل کرتے ہیں۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون ۔ کہدے قبض کر لیتا ہے تم کو موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔ پھر اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یہ ساری درست ہیں۔ دیکھو آفیسر بالا تحت جس طرح ماتحت ہوتے ہیں۔ اسی طرح ملک الموت یہ آفیسر اعلیٰ ہے اور باقی فرشتے کارندے ہیں۔

ایک مرتبہ تقریر کے دوران ایک آدمی نے اعتراض کیا۔ کہ لاکھوں انسان ایک وقت میں مرتے ہیں اور ملک الموت ایک ہے؟ میں نے کہا تم نے اسلام کو ہی نہیں سمجھا۔ سنو! یا تو علماء یہ مسئلہ نہیں جانتے یا پھر بیان نہیں کرتے۔ اکثر تو نہیں جانتے۔ تو میں نے جواب دیا کہ آرڈر ایک دیتا ہے اور کام بہت کرتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے قبر کے عذاب پر تقریر کی۔ پوری تقریر نہ کی بس قبر کی سختی پر بیان کرتا رہا نرمی بھی اختیار کرنی چاہیے تھی۔ عوام مسلمان تھے وہ روتے رہے ان پر خوف طاری تھا۔ تو عوام پریشان تھے کہ کیا ہوگا؟ تو گاؤں کا ایک بوڑھا نکلا کہ قبرستان میں جا کر دیکھوں تو سہی کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔ تو اچانک تحصیلدار کی گھوڑی نے سفر کے دوران قبرستان کے علاقے میں بچہ جن کر دیا۔ جب وہ بیاہ پڑی تو اس نے

سوچا کہ کوئی آدمی مل جائے تا کہ اس سے یہ بچہ تھوڑا اٹھوا کر گھر لے جاؤں۔ تو اتفاق سے بوڑھا کھانسا تو تحصیلدار نے سمجھا کہ یہاں آدمی ہے تو اس سے بچہ اٹھوایا بوڑھے کو تکلیف ہوئی تو آ کر کہتا ہے کہ قبرستان میں صرف گھوڑی کا بچہ اٹھوایا جاتا ہے اور کچھ نہیں۔

تو وجہ یہ ہے کہ اسلام کے حقائق گم ہو گئے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی مجلس لگی ہوئی تھی ملک الموت آئے پیغمبرؑ نے دیکھا کہ میرے ایک خاص وزیر کو خاص نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ پیغمبرؑ کو ملائکہ نظر آتے ہیں تو حضرت سلیمانؑ کو غصہ آیا آپ نے ہوا کو حکم دیا کہ وزیر کو اٹھا کر فلاں جزیرہ میں لے جاؤ۔ تو ہوا لے گئی تھوڑی دیر بعد ملک الموت حضرت سلیمانؑ کے پاس سے گذرے بتایا کہ میں اس کی روح قبض کر کے لے جا رہا ہوں۔ مجھے حکم ہوا تھا کہ میں اس کی روح فلاں جگہ قبض کروں مگر وہ یہاں آپ کے پاس بیٹھا تھا اس لیے میں اسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا کہ واقعی اس کے بارے میں حکم ہوا ہے تو آپؑ نے اسے وہاں بھجوا کر مسئلہ حل کر دیا۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ جان کنی مشکل چیز ہے۔ لیکن بعضوں کی آسانی کے ساتھ نکلتی ہے اور بعضوں کی دشواری سے۔

والنزعت غرقا والنشطت نشطا والسبحت سبحا فالسبقت سبقا فالمدبرات امرا۔

قسم ہے ان فرشتوں کی جو کھینچ کر سختی سے جان نکالتے ہیں انسان کے بدن میں غوطہ لگا کر۔ اور قسم ہے جو آسانی کے ساتھ جان نکالتے ہیں۔ پھر ہوا میں تیر تیر کر جان لے جاتے ہیں۔ کہ اے اللہ اسے کیا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلاں جگہ لے جاؤ۔

تو معلوم ہو گیا کہ بعضوں کی جان سختی سے اور بعضوں کی نرمی سے نکالی جاتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی جان کنی آسان کیوں ہے؟ اور کافر کی مشکل کیوں ہے؟

فرماتے ہیں کہ پنجرے میں طوطا ہو آپ اسے ایک باغ میں پنجرے سے نکال کر اڑانا چاہیں اور اس باغ میں درختوں پر دیگر بہت طوطے بیٹھے ہوں تو پنجرے سے طوطا اڑانے میں دقت نہیں ہو گی کیونکہ طوطا خود بخود پنجرے سے نکل کر باغ میں چلا جائے گا۔ اسی طرح موت کے وقت مسلمان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس پنجرہ سے نکل کر ابھی باغ جنت میں جانا ہے تو وہ خود بخود نکلنے کی کوشش کرے گا۔

اور کافر کی مثال یہ دی کہ طوطے کو باغ میں بلے نظر آئیں تو وہ سمجھے گا کہ اگر نکلا تو بلے کھا جائیں گے تو وہ کہے گا کہ یہ پنجرہ ہی میرے لیے اچھا ہے۔ یہ تو ہے عام ضابطہ جان نکلنے کا۔ مگر سپیشل کیس بھی ہوتے ہیں۔ بعض نیک لوگوں کی جان بظاہر مشکل سے نکلتی ہے۔ اور بدکردار کی جان آسانی سے نکلتی ہے۔ اس پر پہلے تفصیل سے بیان گذر چکا ہے تو اس وقت مختصر ذکر کرونگا۔ یہ معاملہ اور ہے کہ نیک آدمی کی تکلیف جان

کنی کے وقت بڑھادی جاتی ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ چاہتا ہے کہ میرا نیک بندہ دنیا سے پاک وصاف ہوکر جائے۔ اور تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ غشی طاری کر دیتے ہیں۔

اور کافر کو آگے آخرت میں سخت تکالیف پیش ہیں تو مخلوق ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہاں آسانی فرماتا ہے کہ اس کی جان کنی آسانی سے کر دیتا ہے۔

پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ نزع کی حالت میں مصیبت اٹھانا اچھا سمجھتا ہوں تا کہ اس سے گناہ دھل جائیں اور انسان پاک و صاف ہوکر آخرت کو جائے۔

نزع کی کیفیت اور موت کے بعد کے حالات کیا ہیں۔ یہ دو چیزیں بیان کرنا باقی رہتی ہیں۔ انشاءاللہ انہیں دوسرے درس میں بیان کروں گا۔

درس نمبر۳۱

جمعۃ المبارک۔۶دسمبر۱۹۶۸ء

روح و بدن دونوں جزا وسزا میں شریک ہیں

كيف تكفرون بالله و كنتم امواتا ...... وهو بكل شئى عليم۔

آج موت کے سلسلے میں جان کنی اور نزع کا بیان ہے۔اور یہ معاملہ ہم سب کو پیش آنا ہے۔پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شکم مادر میں جان خود نہیں پڑتی اور موت کے وقت جان خود نہیں نکلتی۔یعنی ڈالی اور نکالی جاتی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ موت جبری ہے اختیاری نہیں۔گویا اس دنیا میں اپنی مرضی سے نہ آئے ہیں نہ جائیں گے۔ اس مضمون کو قرآن نے جگہ جگہ بیان کیا ہے لیکن آج کل عقلی دور ہے عقلی مثال بیان کرتا ہوں۔کہ وجہ یہ ہے کہ اگر جان کی اپنی خواہش ہوتی نکلنے کی تو ہم قتل وغیرہ سے نہ ڈرتے۔لیکن یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ انسان موت سے ڈرتا ہے کہ جان نکلے نہ بلکہ رہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر تلوار اٹھائی جائے کسی پر تو آدمی سامنے ہاتھ دیکر اپنا بچاؤ کرتا ہے۔

(وكنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم الله يتوفى الانفس حين

موتھا) والملئكة باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسكم۔

تم بے جان تھے تم میں جان ڈالی پھر تم سے جان لے لے گا۔

اللہ کھینچ لیتا ہے روحوں کو کہ جب ان کی موت کا وقت آئے۔ کہ ہاتھ بدن میں ڈالے ہوئے ہوتے ہیں فرشتے اور جان کو حکم دیتے ہیں کہ اس بدن سے نکلو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان نکالنے کا عمل بہت سے فرشتے ملکر کرتے ہیں۔

قل یتوفیكم ملک الموت الذی وكل بكم ثم الی ربكم ترجعون۔

کہدے تمہیں قبض کر لیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔ پھر تم اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

پچھلے درس میں ان سب آیات کی تطبیق بیان کی تھی کہ سب درست ہیں۔

تو خدا تعالیٰ کا حکم ملک الموت کو ہوتا ہے۔ آگے وہ ملک الموت اپنے کارندوں کو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم دیتا ہے۔ تو اصل حکم خدا تعالیٰ کا ہے۔

نزع کا معنی ہے کہ فرشتے جان نکالنے کا کام شروع کریں۔ تو جب تک ملائکہ نے کام شروع نہ کیا ہو تو وہ نزع کا وقت نہیں ہے۔ جب فرشتوں نے جان کھینچنا شروع کیا تو اس وقت اگر کوئی کافر ایمان لانا چاہیے تو وہ ایمان قابل قبول نہیں۔ یہ تو سب کا اتفاق ہے کہ نزع کے وقت ایمان لانا قبول نہیں۔ تو یہ ہوئی کفر سے توبہ یعنی ایمان لانا۔ تو یہ بالاتفاق قبول نہیں۔ دوم ہے گناہ سے توبہ۔ کہ مومن نزع کے وقت

گناہ سے توبہ کرے۔تو اس میں دو رائیں (دو قول) ہیں۔اسے ایمان بعث و یاس بھی کہتے ہیں۔تو ایک قول یہ ہے کہ نزع کے وقت گناہوں سے توبہ بھی قبول نہیں۔

ولیست التوبة الذین یعملون السیئت حتی اذاحضراحدھم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وھم کفار۔

جب موت سامنے آجائے تو پھر ان کی توبہ قبول نہیں۔اور نہ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔راجح قول یہی ہے کہ گناہوں کی توبہ بھی قبول نہیں۔اور بعضوں نے کہا ہے کہ گناہوں کی توبہ شاید خدا قبول کرلے۔

کفر اور گناہوں کی توبہ قبول نہ ہونے کی ظاہری تائید فرعون کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔اس نے غرق ہونے کے وقت کلمہ پڑھا۔**قال امنت باللّٰہ**۔خدا نے فرمایا **الان وقد عصیت من قبل** ۔کہ اب کوئی گنجائش نہیں۔تو معلوم ہوگیا کہ نزع کے وقت توبہ قبول نہ ہوگی۔

نزع کا معنی ہے جان کھینچنا تو حضرت امام غزالیؒ نے اس پر احیاء العلوم میں مکمل باب باندھا ہے۔فرماتے ہیں کہ ہر درد اور تکلیف کا احساس جان اور روح کرتی ہے۔تو فرماتے ہیں کہ بالذات اور بالواسطہ چیز میں بڑا فرق ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالو تو اس میں بھی تکلیف ہے۔اور اگر گرم برتن میں ہاتھ ڈالو تو اس میں تکلیف تو ہوگی مگر آگ میں ہاتھ ڈالنے سے کم ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ تلوار سے اگر کسی اعضاء کو کاٹو تو تکلیف ہوگی۔مگر اتنی نہیں ہوتی جتنی روح کے نکالنے سے ہوتی ہے۔کیونکہ روح کو کوئی قتل نہیں کرسکتا۔روح پر

براہ راست تلوار نہیں چلائی گئی اعضاء کے کاٹنے کے وقت اس صورت میں روح کو بالواسطہ تکلیف ہوئی۔ مگر جان کنی کے وقت روح پر حملہ ہوتا ہے تو اس کی تکلیف زیادہ ہوگی۔ کہتے ہیں کہ آدمی نزع کے وقت اتنا کمزور ہوتا ہے کہ اس پر جو تکلیف گذر رہی ہوتی ہے وہ اسے بیان نہیں کرسکتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ **اللھم سھل علینا سکراۃ الموت** ۔ اے اللہ موت کی بیہوشی آسان کردے۔ **وجاءت سکرۃ الموت بالحق**۔ موت کی بیہوشی برحق ہے۔

یہ وہ سختی ہے جس سے تو اے انسان دنیا کے نشہ کی وجہ سے منہ موڑتا تھا۔

تو بعض نیک لوگوں کی جان آسانی سے اور بعض کی تکلیف سے نکلتی ہے۔

اس پر پچھلے درس میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ یہ قابض الارواح کا تصرف ہے۔

اس سے پہلے ملائکۃ المبشر ات کا عمل ہے۔ یہ خوشخبری دینے والے ملائکہ آجاتے ہیں۔ یہ کون سے فرشتے ہوتے ہیں؟ واللہ اعلم۔ کچھ آیات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کراماً کاتبین ہوتے ہیں اس کا بھی قرآن میں اشارہ ملتا ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ ۔ یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر قائم رہے۔ تو ان پر ملائکہ اترتے ہیں۔

جب کہہ دیا ربنا اللہ۔ تو پوری زندگی خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق گذارنی چاہیے۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا تعلیم وغیرہ سب شریعت کے مطابق ہو اور پوری زندگی ہو یہ نہ کبھی تو شریعت پر عمل کرلیا اور کبھی نہ کیا۔ نہیں ثم استقامو۔ اس وقت ہوگا کہ پوری

زندگی اس پر استقامت سے عمل ہوتو پھر جا کر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اور وہ دو کام کرتے ہیں ایک منفی اور ایک مثبت کیونکہ جس کی جان نکالی جارہی ہوتی ہے اس نے اگلا جان دیکھا نہیں ہوتا تو اجنبیت کی وجہ سے ذرا گھبراہٹ تو ہوتی ہے۔ تو یہ ملائکہ آجاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ **الا تخافوا و لا تحزنوا**۔ کہ ایمان اور طاعت کی برکت سے آگے تمہیں نہ خوف ہے اور نہ ڈر ہے۔ اس سے اس کی تسلی ہوجاتی ہے۔ **وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون**۔ کہ تم ابھی ابھی جنت میں چلے جاؤ گے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ **نحن اولیاء کم فی الحیوة الدنیا**۔ تمہیں تو معلوم نہ تھا ہم تمہارے دوست تھے دنیا میں۔ گو تمہیں دوستی کا پتہ اب لگا۔ **وفی الآخرة**۔ اور آخرت میں بھی دوست رہیں گے۔ **ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون**۔ وہاں جنت میں جو تمہارا جی چاہے گا وہی تمہیں ملے گا۔ **نزلا من غفور رحیم**۔ کہ انتظام بھی خدا خود کرے گا۔ تمہیں انتظام کی بھی تکلیف نہیں ہوگی۔ جو شخص بھی ایمان کے بعد استقامت دکھائے گا اور اسے یہ خوشخبری ملنے والی ہے۔

تو معلوم ہوگیا کہ ایمان اور استقامت کے بعد ہر آدمی کو اس نعمت کی بشارت ملنے والی ہے۔

اب رہا یہ کہ جان نکلنے کے بعد کہاں جاتی ہے؟ یہ خبر بھی قرآن دے رہا ہے۔

کلا ان کتاب الابرار لفی علیین کلا ان کتاب الفجار لفی سجین۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً نیکوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے۔ ہرگز نہیں۔ یقیناً

گناہگاروں کا اعمال نامہ سجین میں ہے۔

عرش کے نیچے اور ساتویں آسمان کے اوپر ایک مقام ہے اس کا نام ہے علیین۔اس کے مقابل انتہائی پستیوں میں ایک مقام ہے اس کا نام ہے سجین۔

علیین میں روشنی، نور اور آرام وسکون ہے۔اور سجین میں اندھیرا، بدبو اور بے چینی اور تکلیف ہے۔

روح نکالنے کے بعد فرشتہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ اسے کہاں لے جاؤں؟ تو اعمال کے مطابق حکم ملے گا کہ اسے فلاں مقام میں لے جاؤ وہاں پہنچا دو۔ اور عجیب بات ہے کہ نیک لوگوں کے اعمال کا دفتر بھی مقام علیین میں ہے۔جب پاک روح کو علیین میں لے جائیں گے تو تمام فرشتے راستے میں استقبال کریں گے اور خوش ہونگے۔

باقی رہا یہ کہ بدن کے ساتھ کیا تعلق ہوا؟ پھر اس کے بعد عذاب قبر اور ثواب قبر کا مسئلہ ہوگا۔

برزخ کا معنی گذرگاہ۔قبر خاص مٹی والی قبر کا نام نہیں۔جو جلائے گا۔غرق ہوئے۔پرندے کھا گئے۔ان کی تو قبور نہیں۔یہ سب برزخ ہے

اس درمیان میں (برزخ میں) مردہ پر کیا گذرتی ہے؟ اختلافات میں نہیں جاتا۔تو اختلافات کی بحث نہیں چلاتا صحیح اقوال ذکر کرتا ہوں عذاب قبر کے بارے میں۔

کیا مرنے کے بعد عذاب یا ثواب جان یا بدن ایک کے لیے ہے یا کہ دونوں کو ہوتا ہے؟ بالاتفاق صحیح رائے یہی ہے کہ بدن اور روح دونوں کو عذاب یا

ثواب ہوگا۔ کیونکہ تنہا روح نے نہیں کیا بلکہ بدن اور روح دونوں شریک ہیں۔ یہ صحیح رائے ہے۔ اور جزاء برزخ قرآن سے ثابت ہے۔ وحاق بآل فرعون سوء العذاب ۔ اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب۔ النار یعرضون علیها غدوا وعشیاً ۔ وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں ان کو صبح وشام کہ پیش کی جاتی ہے ان پر صبح اور شام۔ یوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔

علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ آیت عذاب برزخ کے لیے آئی ہے۔ کیونکہ یہ آیت عذاب قیامت والی آیت سے پہلے آئی ہے۔

باب عذاب القبر من مشکوۃ شریف۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے مجھے عذاب قبر کا علم نہ تھا مگر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ عذاب قبر سے پناہ مانگو۔ تو پھر میں جب بھی آپ ﷺ دعا مانگتے تھے تو میں کان لگا کر سنتی تھی۔ تو کوئی ایسی دعاء نہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ اس میں عذاب قبر سے پناہ کی دعا نہ مانگیں۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم بھی عذاب قبر سے پناہ کی دعا مانگا کریں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ایک قبرستان سے گذرے خچر اچانک کود پڑا۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ کس زمانہ کی قبریں ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ کفر کے وقت کی قبریں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ عذاب قبر ہو رہا ہے جو انسان سے مخفی ہے۔ مگر یہ حیوانات کو ئی سنائی دیتا ہے۔ حیوانات کو غیبی مخلوقات بھی نظر آتی ہیں۔

خلاصۃ الفتاوی کتاب التمہید عبدالشکور سلمیؒ کی میں ذکر ہے۔ کہ تین سے ایک کا انکار کرنے والا دائرا اسلام سے خارج ہے۔

۱۔عذاب قبر کا انکار کرنے والا۔

۲۔دیداری الٰہی کا انکار کرنے والا۔

۳۔کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا۔

ہمیں سب پر ایمان ہے۔

عذاب قبر کے لیے اب عقلی ثبوت پیش کرتا ہوں۔

جو لوگ غیبیات کو امور طبعیہ کے ترازو سے تولتے ہیں وہ بہت غلطی کرتے ہیں۔ جبرائیلؑ کو صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم دیکھتے تھے باقی اہل مجلس دیکھنے سے محروم رہتے تھے۔ بحث تو لمبی ہے مگر میں صرف قوی تر بات بیان کرتا ہوں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ عذاب قبر اور ثواب قبر ہے۔ حدیث پاک ہے۔ **فیصیح صیحة یسمعها کل من یلیه غیر الثقلین** ۔کہ اس کی چیخ و پکار کو تمام سنیں گے صرف انسان نہ سکیں گے۔ یہ حدیث ہے کہ قبر میں جب ہتھوڑا مارا جائے گا اس سے چیخ و پکار نکلے گی۔ تو اس آواز کو انسان اور جن کے علاوہ سب سنیں گے۔

غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر اس جہان میں ہے جہاں چیز پوشیدہ رہتی ہے۔ انسانوں کو نظر نہیں آتی۔ تو فرماتے ہیں کہ ''ایک حالت گذر رہی ہو اور ہمیں نظر نہ آتی ہو''۔ تو اس کی مثال فرماتے ہیں کہ ایک کمرے میں دس آدمی چارپائیوں پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ان سب کو خواب آتا ہے۔ ایک دیکھتا ہے کہ میری طرف سانپ آرہا ہے اور میری گردن میں لٹک رہا ہے۔ تو وہ خوف سے چیختا ہے تو قریب والے

پوچھتے ہیں کہ میاں کیا ہوگیا؟ یہ واقعات کسی ناموجود چیز کے نہیں بلکہ کوئی چیز موجود ہے جو خوابیدہ کے دماغ میں تصور کے ذریعہ آئی۔ دیکھو یہ حالت بیداری سے ختم ہوجاتی ہے مگر قبر میں تو بیداری حضرت اسرائیلؑ کے دوبارہ صور پھونکنے سے ہوگی۔ اس پر قرآن نے بھی روشنی ڈالی ہے۔قالوا یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعدالرحمن وصدق المرسلون ۔وہ کہیں گے کہ افسوس ہمیں کس نے نیند کی حالت سے بیدار کردیا۔ یہ وہ ہے جو رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروںؑ نے سچ فرمایا تھا۔ کہ قیامت کے دن کہیں گے کہ اس خواب گاہ سے ہمیں کس نے اٹھایا۔تو جس طرح خواب میں تکلیف تھی اسی طرح قبر میں بھی عذاب وتکلیف ہے۔اسی طرح عذاب وثواب جس طرح خواب میں دیکھا کہ تخت پاکستان وغیرہ مجھے مل گیا ہے وزراء وغیرہ میرے ساتھ ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگئی تو حقیقت بتادوں کہ مردہ کے حق میں قبر کے عذاب وثواب کی چیزیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بیان کی ہیں۔وہ مردہ کے حق میں سب موجود ہیں۔ ہم خوردبین وغیرہ لگائیں تو ہم سے مخفی رہیں گی معلوم نہ ہونگی۔

عذاب کے لیے کیا مرکز ہے؟ اللہ کے قہر کا مرکز دوزخ اور رحمت کا مرکز جنت ہے۔نزع کی حالت میں دونوں کے نقشے سامنے ہوجاتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں کہ اگر تو کافر ہوتا تو تیرا ٹھکانہ یہ جہنم ہوتی۔لیکن تو مسلمان تھا اب تجھے یہ جنت ملے گی۔

علم الفلک کا اصول ہے کہ ایک جگہ رات ہو تو ضروری نہیں کہ دوسری جگہ بھی رات ہو۔ کیونکہ دنیا میں ایک جگہ دن ہوتا ہے تو اسی وقت دوسری جگہ رات ہوتی ہے۔ جس طرح دنیا میں دن کو سورج کی روشنی نے ستاروں کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔ یہی معاملہ ہے، کہ نزع کے وقت میت کے اردگرد بیٹھنے والوں کو جنت وجہنم نظر نہ آئیں گے مگر میت سے پردہ ہٹ جاتا ہے اسے نظر آتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ عذاب اور ثواب دونوں کو ہونا ہے روح کو بھی اور بدن کو بھی۔ روح چاہے علیین میں ہو یا سجین میں۔ اور بدن چاہے زمین میں ہو یا سمندر میں درندے نے کھالیا یا آگ نے جلا دیا وغیرہ ہر صورت میں روح اور بدن دونوں کو عذاب وثواب ہوگا۔

قرآن نے ذکر کیا ہے کہ کل ذروں کی تعداد خدا کو ایسے معلوم ہے جیسے ایک چیز سامنے موجود ہو۔ اور ان سب ذروں کو خدا نے لوح محفوظ میں بھی بند کر رکھا ہے۔ تو مرنے کے بعد روح کا تعلق ان تمام ذرات سے ہو جاتا ہے اور اگر مردہ ایک جگہ ہو تو روح کا تعلق اس کی لاش سے ہو جاتا ہے۔ جس سے عذاب وثواب ہوتا ہے۔

اللہ کبھی سادہ آدمی یعنی ناخواندہ بے سمجھ کو بھی معاف کر دیتا ہے مگر خواندہ اور جاننے والے کو اجازت نہیں کہ وہ ادب کے دائرے سے باہر ہو کر بات کرتے۔ اللہ کہتا ہے کہ تو نے جانتے ہوئے بکواس کیوں ماری ہے؟

حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ گذر رہے تھے کہ ایک سادہ آدمی یہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ اگر تیرے میلے کپڑے ہیں تو میں دھو دوں۔ میرے پاس دودھ بہت

ہے میں تجھ کو پلا دوں وغیرہ۔ تو موسیٰ نے یہ سن کر اسے کہا کہ میاں خدا کوئی ایسا محتاج تو نہیں۔ کیا کہہ رہے ہو۔ اس پر اللہ نے موسیٰ کو کہا کہ موسیٰ تو نے اسے کیوں منع کیا۔ موسیٰ نے عرض کی یا اللہ تیری شان ان چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ میں بھی جانتا ہوں مگر اس کو علم نہیں تھا وہ سادگی اور خلوص کی راہ پر یہ ناجائز باتیں کہہ رہا تھا۔ میں ان باتوں پر اس کی سادگی کی وجہ سے خوش تھا۔ دیکھو یہ ہے اللہ کی رحمت کہ کتنا برداشت کیا۔ یہ اس کی سادگی کی وجہ سے معاف کر دیا ورنہ جانے پہچانے کو معاف نہیں۔

امام غزالیؒ نے توجیہہ فرمائی ہے کہ عذاب کے طریقے علیحدہ اور مختلف ہیں۔ کیونکہ عذاب کے ذرائع مختلف ہیں۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا احادیث قبر سے یہ مراد ہے کہ عذاب قبر والے کو تمام دکھ درد پہنچ رہے ہیں۔ جو ہتھوڑا لگنے والے کو لگے یا بچھو کاٹنے والے کو ہو۔ گو یہ چیزیں موجود نہیں مگر درد خود بخود پہنچ جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ بغداد کے قریب سیلاب کی وجہ سے ایک قبر پھٹ گئی دیکھا کہ ہڈیوں میں ایک میخ ہے تو وہ لیکر بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے لوہاروں کو حکم دیا دیکھو کہ یہ کیا ہے؟ تو لوہاروں نے اس میخ کو مہینوں بھر آگ میں رکھا تا کہ اسے پگھلایا جائے مگر وہ پگھلا نہیں اور ٹوٹا بھی نہیں۔ تو لوہاروں نے کہا کہ یہ میخ عالم اُخروی کا ہے دنیا کا نہیں۔

ابھی ابھی آپ کو بھی معلوم ہوا ہو گا کہ مری کے علاقے میں ایک عورت فوت ہوئی ہے کہتے ہیں کہ جب اس کی قبر کھودی گئی تو اس سے ایک سیاہ سانپ نکل آیا۔ تو

تین جگہ پر قبر کھودی گئی تو اسی طرح سانپ نکل آتا تھا۔ تو آخر اسے دفنایا تو آدمیوں کے سامنے اس سانپ نے عورت کی زبان نکالی اور سوراخ میں چلا گیا۔ تو واپس آ کر پوچھا گیا کہ یہ عورت کیسی تھی؟

پتہ چلا کہ یہ عورت بدزبان تھی۔ اہل محلّہ اور رشتہ دار اس کی بدزبانی سے تنگ تھے۔

تو میاں عذابِ قبر برحق ہے اس سے بچنے کی کوشش کیا کرو۔

درس نمبر ۳۲

اتوار۔ ۸ دسمبر ۱۹۶۸ء

مرنے کے بعد کیا ہوگا نمبر ۱

کیف تکفرون باللّٰه و کنتم امواتا ...... وھو بکل شئی علیم۔

اس سے پہلے درس میں عذاب قبر کے بارے میں عرض کیا تھا کہ قرآن و حدیث دونوں سے عذاب قبر ثابت ہے اور اس کا منکر خارج عن دائرہ اسلام ہے۔ باقی رہا یہ کہ قبر کا عذاب نزع کے بعد ہوتا ہے۔ امام غزالیؒ سے نقل کر چکا ہوں کہ دنیا کی تمام تکالیف نزع کی تکلیف سے ہیچ ہیں۔ کیونکہ نزع کی تکلیف روح پر گذرتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ یہ تکلیف میت کے پاس بیٹھنے والوں کو نظر نہیں آتی۔ پوشیدہ ہوتی ہے۔

احیاء العلوم کی شرح میں حضرت عمرؓ بن عاص کا ذکر ہے۔ یہ صحابی فاتح مصر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم احباب نے نزع کے وقت مجھ سے پوچھا تو میں تمہیں نزع کی کیفیت اور تکلیف بتا دونگا۔ تو جب آپؓ کو نزع کا وقت آ پہنچا تو مجلس والوں نے وعدہ یاد کرایا۔ تو آپؓ نے دو باتیں فرمائیں۔

۱۔ کہ تفصیل تو تمہیں اس وقت معلوم ہوگی جب تم پر گذرے گی۔ بس اس طرح سمجھو کہ جس طرح سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہو۔

۲۔ دوم یہ کہ میری پشت پر زمین ہے اور سات آسمان میرے سینے پر ہیں جو مجھے رگڑ رہے ہیں لیکن اس ناامیدی میں ایک امید کی جھلک بھی ہے۔ وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔ (ان دو کا بیان آگے آئے گا)۔ یہ ایمان اور عمل صالح بہت بڑی جائیداد ہے۔ ان کے علاوہ باقی کچھ بھی نہیں۔

جب اللہ جان نکالنا چاہے گا اور جان نکالنے کے ساتھ تکلیف بھی ضروری ہے۔ تو اللہ نے ایمان اور عمل صالح والوں کے لیے یہ انتظام فرما دیا ہے کہ آدمی کو بیہوش کر دیا تاکہ نزع کی تکلیف معلوم نہ ہو۔ یہ بعینہ آپریشن والی بات ہے کہ بے حسی کا ٹیکہ لگا کر آپریشن کر لیتے ہیں۔

قرآن میں بھی اشارہ ہے کہ نزع کی تکلیف کی تعبیر اللہ جل جلالہ نے یوں فرمائی ہے۔

وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذالک ما کنت منہ تحید۔

موت کی بیہوشی حق ہے (موت کی بیہوشی آئی)۔ یہ وہ دروازہ ہے جس سے تو بھاگ رہا تھا۔ اس کا خیال نہ کرتا تھا۔

سکرۃ نشے کو کہتے ہیں۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے بھی دعا فرمائی ہے کہ اللھم سھل علینا سکرۃ الموت۔ کہ اے اللہ مجھ پر آسان فرما موت کی بیہوشی۔ تو جو شخص چال محمدی ﷺ پائے گا وہ اس دعا کا مستحق ہو گیا ورنہ نہیں۔

خدا تعالیٰ نے موت کا ذکر انعامات کی فہرست میں کیا۔ مخزن الاخلاق میں بزرگان نے متفقہ فیصلہ لکھا ہے کہ صحیح معنوں میں عقلمند اور بیوقوف کون ہے؟ کہتے ہیں

کہ عقلمند وہ ہے جو موت کو قریب سمجھے اور بیوقوف وہ ہے جو موت کو دور سمجھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابیوں سے پوچھا کہ موت تمہیں دور یا قریب معلوم ہوتی ہے؟ ایک صحابیؓ نے عرض کی کہ جب پانی پیتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ گھونٹ گلے سے اترے گا کہ نہیں کہ موت آ جائے۔ دوسرے صحابیؓ نے عرض کی کہ جب رکوع میں ہوتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت سے اٹھوں گا یا نہیں کہ موت آ جائے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے تو لمبا راستہ سمجھ رکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آنکھ جب جھپکنے کے لیے کھلتی ہے تو سمجھتا ہوں کہ شاید بند ہونے سے پہلے موت نہ آ جائے۔

آج تو کوئی صدارت کی خاطر اور کوئی وزارت کی خاطر اتنا غرق ہو گئے ہیں کہ قبر کی حقیقت بھول گئی ہے۔ ایک خاص چیز یہ ہے کہ اگر زندہ آدمی بھی میت کے ساتھ دفنایا جائے تو اسے بھی یہ معلوم نہ ہوگا کہ میت پر کیا گزر رہی ہے۔ کیونکہ قدرت نے یہ پردہ میں رکھی ہے۔ تو اللہ کے کاروبار کے لیے تدبیریں نہ سوچو وہ بڑی قدرت کا مالک ہے۔

قال من یحی العظام وھی رمیم قل یحیھا الذی انشأھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم ن الذی جعل لکم من الشجر الاخضر ناراً فاذا انتم منہ توقدون۔

کہا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ تو کہہ کہ وہی زندہ کرے گا ان کو جس نے انہیں پہلی بار بنایا۔ اور وہ ہر طرح کا بنانا جانتا ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جس

نے تمہیں سبز درخت سے آگ بنادی۔ جس سے تم اب سلگاتے ہو۔

مرخ اور عفار عرب میں یہ دو درخت ہیں جب یہ خوب سرسبز ہوں تو ان کو اگر آپس میں رگڑیں تو ان سے آگ نکلتی ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بنگال میں بھی بانس کے درخت کے رگڑنے سے آگ نکلتی ہے۔ تو اگر ان درختوں کی شاخوں کو خوردبین لگا کر بھی دیکھا جائے تو آگ نظر نہ آئے گی۔ لیکن ان میں ہے ضرور۔ اسی طرح دکھ درد کا ظہور میت میں میت کے اندر موجود ہے مگر باہر نظر نہیں آتا۔

اب یہ بیان کرنا ہے کہ ثواب اور عذاب کا مرکز کیا ہے؟

محققین شاہ ولی اللہؒ اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ آدمی جو گناہ کرتا ہے تو یہ گناہ ایک زہر ہے اور جو نیکی کرتا ہے وہ نیکی لذت کے اعتبار سے ایک بہترین چیز ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں یعنی گناہ کا زہر اور نیکی کی لذت وشیرینی (موقت) ہیں۔ یعنی وقت پر اثر انداز ہونگی۔ دنیا میں بھی دو قسم کے زہر ہیں ایک تو یہ کہ اس کے استعمال سے آدمی فوراً مر جاتا ہے اور دوسری قسم زہر کی وہ ہے کہ اس کے استعمال کے کافی عرصہ بعد وہ اثر انداز ہوتی ہے تو آدمی مر جاتا ہے۔

فتح خیبر کے موقع پر زینب نامی یہودی عورت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دعوت دی اس نے گوشت میں زہر ملا دیا تھا۔ تو وفات طیبہ کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ میری گردن کٹ جائے کیونکہ میرے اندر خیبر والی زہر کا اثر معلوم ہو رہا ہے۔

تو گویہ زہر موقت سائنسی ایجاد ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زہر موقت اس وقت بھی تھا۔

تو قبر کے عذاب وثواب کا مرکز کیا ہے؟ ثواب کے معنی سکھ اور عذاب کے معنی دکھ، علماء نے فرمایا کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو وہ دنیا کے دکھ اور سکھ سے تو گیا۔ مگر اب قبر حقیقت میں آخرت کی ایک منزل ہے اور آخرت کے لیے دو مرکز ہیں۔ تکلیفات کا مرکز جہنم ہے اور راحات کا مرکز جنت ہے۔ اتنی بات ہے کہ انسانی جیل خانے میں جو تکلیف ہے وہ جیل کے باہر نہیں ہوتی۔ جس طرح جب تک باغ میں نہ جاؤ تو باغ سے فائدہ مند نہیں ہو سکتے۔ مگر آخرت کے ان ٹھکانوں جنت وجہنم کا اثر ہزاروں لاکھوں میل دور جاتا ہے۔ تو قبر میں اللہ پردہ ہٹا دیتا ہے تو دوزخ اور جنت سے اثر ان تکلیفات میں سے اور راحات میں سے ایک نمونہ میت کی روح اور جسم کو پہنچتی ہے۔ تو وہ اثر ہوتا ہے۔ اگر نیک ہو تو راحات ورنہ تکلیفات اثر پذیر ہوتی ہیں۔

القبر روضة من رياض الجنة اوحفرة من حفر النيران ۔(حدیث)

کہ قبر جنت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔ یا آگ کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔

تو معلوم یہ رکھو کہ شعور کا نام ہے دکھ اور سکھ۔ اور زندگی آنے کے لیے بدن میں روح کی ضرورت ہے۔ نیک روح اعلیٰ علیین میں ہوگی اور بد روح مقام سجین میں ہوگی۔ تو سوال پڑتا ہے کہ روح اتنی دوری کی وجہ سے بدن میں کس طرح آئے گی؟

حدیث: اذا قبر المیت فیعاد الیه روحه ۔ کہ قبر میں میت کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے۔ عام لوگوں کی روح جو قبر میں لوٹائی جاتی ہے وہ عذاب وغیرہ تک رہتی ہے

اور انبیاءؑ کی روح جو قبروں میں لوٹائی جاتی ہے وہ قیامت تک باقی رہتی ہے۔

ایک مرتبہ دو بچے مسجد نبوی میں زور زور سے پکار رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم طائف کے نہ ہوتے مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں مارتا۔ تمہیں یہ پتہ نہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ موجود ہیں (قبر میں) اور تم ان کے سامنے گستاخی کر رہے ہو۔

حضرت سعدؓ کی ماں فوت ہو گئیں تو آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے پوچھا کیا خیرات کر دوں؟ اس وقت پانی کی کمی تھی تو پانی کے بارے میں فرمایا۔ (یعنی کنواں وغیرہ) اب زکوۃ، صدقات اور خیرات وغیرہ اپنے بزرگوں کے لیے مستحق لوگوں کو خیرات کیا کرو۔ بس قلب کی نیت ہو کسی مولوی وغیرہ کے ختم کی ضرورت نہیں۔ بدنی عبادت مثلاً نوافل وغیرہ پڑھ کر ثواب بخشنا اس میں ہمارے امام حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ثواب پہنچتا ہے اور مالی عبادت یعنی رقم یا چیز اللہ کے نام پر دینے میں تو بالاتفاق چاروں امام متفق ہیں۔

ایک بڑھیا چرخہ چلا رہی تھی اس سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا تو مانتی ہے کہ خدا ہے؟ اس نے چرخہ چلانا بند کر دیا۔ کہتی ہے کہ یہ چرخہ کیوں چل رہا تھا؟ اس نے کہا کہ تو چلا رہی تھی اور اب تو نے چھوڑ دیا ہے اس لیے وہ رک گیا ہے۔ تو بڑھیا نے کہا کہ کیا اتنی بڑی کائنات کا چرخہ بغیر چلانے والے کے چل رہا ہے؟ یہ رمضان کا آخری عشرہ ہے کمائی کے دن ہیں اس میں عبادت کثرت سے کیا کرو۔

درس نمبر ۳۳

جمعۃ المبارک۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۸ء

مرنے کے بعد کیا ہوگا نمبر ۲
یا روح کا اجسام کے ساتھ تعلق

کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتا ...... وھو بکل شئی علیم۔

اس سے پہلے والے درس میں انسان کے اس انجام کے متعلق بیان تھا جو انسان کو مرنے کے بعد پیش آنے والا ہے۔ انسان کی ایک تقسیم ہے۔ ابرار اور فجار۔ یعنی نیک اور بد۔ موت کے وقت نیک و بد دونوں کی روح نکلتی ہے۔

نیکی سے مراد بزرگی نہیں۔ بس انسان بڑے گناہوں سے بچے۔ توبہ واستغفار کرے۔ ولایت اور بزرگی کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت عامہ۔ کہ ہر مومن ولی ہے۔ ولی کا معنی دوست ہونے کے ہیں۔ تو جس نے کلمہ پڑھا بس وہ ولی ہو گیا۔ تو اب یہ بری بات ہے کہ اللہ تو اسے دوست رکھے اور وہ دشمنوں والے کام کرے۔

حضرت شقیق بلخیؒ سے کسی نے پوچھا کہ بوڑھا ہو گیا ہوں گناہوں سے توبہ کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مگر حضرت یہ تو دیر کی توبہ ہے۔ یعنی بڑھاپے کی توبہ ہے اس کا کیا فائدہ؟ تو آپؒ نے جواب میں فرمایا کہ موت سے پہلے جس وقت بھی توبہ کر لی

جائے وہ حقیقت میں جلدی کی توبہ ہے۔

تو ولایت عامہ کے اعتبار سے آسان بات ہے کہ عقیدہ صحیح اور عمل درست ہو۔اور اگر غلطی ہو جائے تو توبہ کرلو۔

انه لا یائیس من روح الله۔ یقیناً اللہ کے فیض سے ناامید نہیں ہوتے۔

اور ایک ولایت خاصہ ہے۔ کہ اللہ کے خاص دوست ہیں۔ان حضرات میں ولایت عامہ سے زائد بات یہ ہوتی ہے کہ شریعت پر چلنا ان کے لیے عادت بن جاتی ہے۔ہم نفس پر زور دیکر شریعت پر چلتے ہیں۔مگر وہ اپنے نفس پر قابو پا چکے ہیں۔یعنی نفس ان کے تابع ہوتا ہے۔

روح جب نکلتی ہے تو اسے فرشتے نکالتے ہیں۔ انسان کو روح نکالنے کی طاقت نہیں۔انسان چھری، بندوق وغیرہ مار سکتا ہے مگر جان نہیں نکال سکتا۔اور مرنے کے وقت انجام کا کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ کیونکہ جنت وجہنم دونوں کے نظارے سامنے آجاتے ہیں۔اور جو ٹھکانہ ہوگا وہ بھی بتلا دیا جاتا ہے۔تو جنت والے کی روح کو ایک قسم کی فرحت محسوس ہونے لگتی ہے۔ ابرار اور نیک لوگوں کی روح علیین کے مقام پر جاتی ہے۔ علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں کہ عرش کے دائیں طرف علیین کا مقام ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔ملائکہ جب نیک روح نکال کر جاتے ہیں تو ہر آسمان پر فرشتے استقبال کرتے ہیں تو وہاں روحیں بھی ہوتی ہیں اور اعمال نامہ بھی موجود ہوتا ہے اور فلاں بن فلاں نام بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔تو نیک روح کے بہترین نتائج کو دیکھ کر فرشتے خوشی مناتے ہیں۔

تو اعلیٰ علیین میں مدارج ہیں۔ وہاں سب سے اعلیٰ مقام حضرات انبیاءؑ کا اور خصوصاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہے۔ اور آپ ﷺ کے مقام کا نام پاک (رفیق اعلیٰ) ہے۔

اسی طرح کفار کے لیے سجین کا مقام ہے۔ یعنی قید خانہ۔ یہ نہایت پست مقام ہے اور وہیں ان کے اعمال اور نتیجے موجود ہیں۔ علامہ الوسیؒ لکھتے ہیں کہ سجین کے ساتھ جہنم کا تعلق ہے اور علیین کے ساتھ جنت اور عرش کا تعلق ہے۔

کلا ان کتاب الفجار لفی سجین وماادرک ماسجین کتاب مرقوم۔

کہ نامہ اعمال بدکاروں کا سجین میں ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ بدکاروں کا ایک رجسٹر ہے جس پر مہر لگ چکی ہے۔

اس کے بعد یہ بات رہی کہ مومن ہوں یا آسمانی کتاب والے یہ میت کو زمین میں دفن کرتے ہیں اور کچھ دنیاوی مذہب والے جلاتے ہیں وغیرہ۔ بہرحال جو کچھ بھی کیا جائے مردہ کے ذرات موجود ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر نیکوں کی روحیں اعلیٰ علیین میں ہیں اور بُروں کی روحیں سجین میں ہیں تو قبر سے یہ دونوں مقام بہت دور ہیں۔ تو وہاں سے میت کو عذاب وثواب کا کس طرح اثر ہوگا؟

جواب: **ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔**

اور تجھ سے (اے پیغمبر) روح کے متعلق سوال ہوگا؟ تو کہدے کہ روح امر ربی ہے۔

باقی اگر تم اس کا پورا نقشہ اتارنا (یعنی معلوم) کرنا چاہو تو۔ **وما اوتیتم من العلم الا قیلا** ۔ کہ تم تھوڑا علم دیئے گئے ہو تم روح کی حقیقت کو نہ پاسکو گے۔

روح کے عجائبات تو بہت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دور ہونے کے باوجود بھی اثر پذیر ہوتی ہے۔

روح کے تعلقات: یہی ایک بدن ہے جو زمینی اجزاء سے تیار ہے جس سے روح کا تعلق ہوگیا۔ اس میں دو حالتیں ہیں۔

زندگی کے منازل تین ہیں (۱) دنیا، (۲) قبر، (۳)؟ آخرت۔ روح کا تعلق بدن کے ساتھ تینوں منزلوں میں ہے۔ دنیا میں روح کا جو تعلق ہے اس کی دو قسم ہے۔ اور قبر میں جس قسم کا تعلق ہے وہ پانچ حالتیں ہیں۔ اور ایک آخرت میں تعلق ہوگا۔ تو کل آٹھ تعلقات ہوئے۔

دنیا میں انسان کی دو حالتیں ہیں ایک بیدار کی حالت اور دوسری خوابیدہ۔ تو دونوں روح اور بیداری کی حالت میں انسان کے اندر روح ہے۔ یہ عظیم قدرت ہے۔ لیکن بیداری میں روح کو حکم دیا کہ بدن کے ساتھ زیادہ تعلق ہو۔ کہ کھا پی سکے۔ دیکھ سکے۔ سونگھ سکے وغیرہ یعنی انسان میں احساس ہو اور عقل ہو۔ لوگوں نے جتنی ایجادات کی ہیں یا کتابیں لکھی ہیں وغیرہ یہ بیداری میں کی ہیں کوئی نیند میں تو نہیں کیں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ قدرت نے بیداری کی حالت میں روح کا بدن سے قوی تعلق رکھا۔

لیکن یہی روح ہے کہ نیند کی حالت میں انسان کی تمام قوتیں ختم ہو جاتی ہیں۔قوت ارادی بھی ختم ہوتی ہے کہ نیند کی حالت میں انسان اپنے ارادے سے کوئی نہیں کرسکتا۔ البتہ چند چیزیں ہیں کہ نیند کی حالت میں پیٹ میں کھانا ہضم ہوتا رہتا ہے۔جسم میں خون چکر لگاتا رہتا ہے وغیرہ۔تو معلوم ہو گیا کہ قدرت نے نیند کی حالت میں روح کا تعلق کمزور رکھا۔تو گویا دنیا میں روح کی بدن کے ساتھ یہ دو حالتیں ہگیں۔

مرنے کے بعد روح کا تعلق۔مرنے کے بعد انسانی حالت کے پانچ درجے ہیں۔

ا۔نبیینؑ کا،(۲) صدیقین کا،(۳) شہیداء کا،(۴) صالحین کا،(۵) کفار

صدیق اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کو پیغمبرؑ سے یقین کے درجہ میں مشابہت ہو۔کہ جس طرح پیغمبرؑ کو جس درجہ میں اللہ پر یقین ہے اسی درجہ کا یقین جس کو پیغمبرؑ پر ہو۔یہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نہیں بلکہ جس کو اس درجہ کا یقین ہو جائے وہ صدیقین ہیں۔

حضرت علیؓ بھی صدیق ہیں۔فرماتے ہیں۔**ولو رفع الحجاب ماازددت یقیناً۔**

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اب اگر اللہ آخرت کے تمام پردے اٹھادے اور میں مشاہدہ کرلوں تو میرا یقین اتنا ہوگا جتنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فرمانے سے پیدا ہوا تھا۔اس سے ایک ذرہ بھر بھی نہ بڑھے گا۔یہ ہے پیغمبرؑ سے یقین کی آخری سرحد۔تو حضرت علیؓ کا مقام بھی صدیقین کا ہے۔تمام صحابہ کرامؓ صدیق ہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ ان میں صدیق اکبر ہیں۔

چوتھا مقام صالحین کا ہے۔ وہ ہیں جن کا عقیدہ صحیح ہو۔ اور نیک عمل ہوں۔اور نیک کام بد کاموں پر غالب ہوں۔تو ان کو صالحین کہتے ہیں۔بس اللہ کی توحید میں خلل نہ پیدا ہونے دیں۔اور وہ توحید مختصر یہ ہے کہ آسمان وزمین میں نفع و ضرر کا مالک صرف اللہ کو سمجھے۔یہ اللہ نے اس لیے رکھا تا کہ ہر آدمی میری طرف جھک جائے۔اگر یہ چیز نفع وضرر کی ملکیت کسی اور کو ملتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ملتی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی اعلان کروایا۔

قل لا املک لنفسی نفعاً و لا ضرّاً۔کہدے کہ میں اپنے نفس کے نفع وضرر کا مالک نہیں ہوں۔بس عقیدہ صحیح ہو تو پھر نیکی بدی کا تول معمولی ہے۔لیکن ساتھ ہی بندہ کے حق کا خیال رکھا جائے۔یعنی حقوق العباد میں غفلت نہ ہو۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ کا قول ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملاقات ہے۔اگر اللہ کے گناہ کر کے ملاقات کی۔یعنی حقوق اللہ میں کوتاہیاں کیں۔تو بخشش آسان بات ہے اور اگر انسان کا حق مار کر ملاقات کی۔یعنی حقوق العباد ادا نہ کئے تو پھر بخشش نہیں۔

تو قبر میں بدن سالم ہو یا ذرات ہو چکے ہوں۔تو روح اور بدن یا ان کے ذرات دکھ درد اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

پانچواں کفار ہیں۔ان کے لیے میں نے آیت پڑھی تھی۔ **النار یعرضون علیھا غدواً وعشیاً** ۔کہ وہ کفار خود دوزخ میں نہیں ڈالے جاتے بلکہ وہیں سے آگ موثر ہوتی ہے۔اللہ کی قدرت کو اپنے دماغ سے نہ تولو۔بچھو میں زہر ہے مگر بچھو کو

تکلیف نہیں دیتی اور اگر وہ کسی دوسرے جاندار میں منتقل کردے تو اسے تکلیف دیتی ہے۔ کیا یہ اللہ کی قدرت نہیں؟

باقی نبین، صدیقین، شہدا اور صالحین یہ چار درجے ہیں۔

بے عقلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مرزا قادیانی کو انگریزوں نے نبی بنایا تھا۔ یعنی اس نے نبوت کا دعویٰ انگریزوں کے کہنے پر کیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں میرا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یہ دعا کی گئی ہے کہ میں ان کی راہ پر چلاؤ۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ کہ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یعنی ان کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ انعام والے یہ چار مذکور درجے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ تو یہ مرزا اپنی کتاب تذکرہ الشہادتین میں لکھتا ہے کہ یہ دعا ہماری کبھی قبول بھی ہوگی یا نہ ہوگی؟ تو کہتا ہے کہ قبول ہوگی۔ تو کہتا ہے کہ جو جس درجہ کے راستے پر چلے گا وہ وہی ہوگا۔ یعنی جو نبیین کے درجہ پر چلے گا وہ (نعوذ باللہ) نبی ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ خود مرزا بھی مانتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں آج سے بہت نیک لوگ تھے۔ بلکہ لکھتا ہے کہ خود شہدا اور صدیقین وغیرہ موجود تھے۔ تو اس کی اس (مشین) نے اس وقت تو کوئی نبی پیدا نہیں کیا تھا۔

(مرزا نے جو اوپر کہا ہے کہ جو جس درجہ والے کے راستے پر چلے وہ وہی ہوگا۔ اس جملے کو حضرت جیؒ نے مشین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے)

ایک مرزائی کو میں نے کہا کہ آگے قرآن میں ہے صراط العزیز الحمید اللہ الذی لہ مافی السمٰوٰت والارض۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اللہ کے راستے پر چلے تو اسے پھر خدا بننا چاہیے؟ اور جو پھر ریل گاڑی کے راستے پر چلے تو اسے ریل گاڑی بننا چاہیے؟

تو معلوم ہو گیا کہ مرزا کا یہ شیطانی ڈھکوسلا ہے۔

دیکھو راستہ ایک ہوتا ہے اس پر بادشاہ بھی گذرے۔ ولی بھی گذرے۔ اور بد بھی گذرے۔ تو راستہ ایک ہے مگر گزرنے والوں کے مدارج علیحدہ علیحدہ ہیں۔

حضرت مہاجر مکیؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرتؒ دل میں کفر یہ وسوسے کیوں گذرتے ہیں؟ آپؒ نے فرمایا کہ میاں مؤمن کا دل شاہی سڑک ہے۔ اس پر سب گذریں گے۔ بھنگی اور کافر بھی گذریں گے انہیں گذرنے دو۔ بس خود ان کو نہ لاؤ۔ یعنی وسوسوں کو خود نہ سوچو بے اختیار آتے ہیں تو آنے دو کوئی مضر نہیں۔ بلکہ وسوسوں کا فکر کرنا یہ ایک بجلی کا تار ہے اسے جتنا دور کرو گے اتنا پھنسو گے۔ بس ان کو لاؤ نہیں آتے ہیں تو آنے دو۔

مراتب کے فرق ہیں جو اولیاء اور صالحین ہیں وہ جنت کی مسرتوں کو محسوس کرتے ہیں۔ کبھی کبھی صالحین کا بدن بھی قبر میں محفوظ رہتا ہے۔ شہدا کا تو یقیناً محفوظ رہتا ہے۔ شہداء کے بارے میں روایات دلیل ہیں کہ بدن محفوظ ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اعلان کیا کہ میں ایک نہر نکالنا چاہتا ہوں جو میدان احد کے قبرستان سے گذرے گی۔ رشتہ داروں کو کہا کہ اپنی اپنی میتوں کو ہٹالو۔ یہ کھدائی

بدر کی جنگ سے چھیالیس سال بعد ہوتی ہے۔اس وقت کھودنے والے کم ہوتے تھے تو اکٹھا دفن کیا گیا تھا۔تو جب کھودا گیا تو لکھتے ہیں کہ ۴۶ سال گذرنے کے باوجود ایسے معلوم ہوتے تھا جیسے کل فوت ہوئے ہیں۔سیدنا حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہتھوڑا لگ گیا تو خون باہر نکل آیا۔یہ تو ۴۶ سال بعد کا واقعہ ہے۔مگر جنگ یرموک کو اب پونے چودہ سو سال گذر چکے ہیں۔ابھی کا واقعہ ہے کہ حکومت شام نے چھاؤنی بنانا چاہی تو کھدائی میں شہداء کی قبریں نکلیں تو دیکھا کہ اتنا عرصہ گذر جانے کے باوجود جسم بمع کفن موجود پڑے ہیں۔داڑھی کے بال بھی محفوظ ہیں۔

انگریزوں کے دور میں جب نئی دہلی بن رہی تھی تو کھدائی کے دوران ایک قبر نکلی دیکھا اس میں لاش جسم بمع کفن محفوظ پڑی ہے۔مگر ایک نئی چیز دیکھنے میں آئی کہ دل کی جگہ سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے اس پر ایک پھول ہے جو میت کی ناک کے قریب ہے۔ایک پٹری چاندی یا تانبے کی نکلی جس پر کندہ تھا۔''مایان بروز جمعہ بمعیت سلطان غازی شہاب الدین غوریؒ شہید شدند''۔کہ جمعہ کے روز سلطان غازی شہاب الدینؒ کی کمان میں لڑتے ہوئے شہادت پائی۔تو انگریزوں نے قبر کو اپنی حالت میں چھوڑا۔مرنے کے بعد یہ اسلام کے معجزے ہیں۔

وفاء الوفاء جو مدینہ طیبہ کی تاریخ ہے۔یہ خلافت عثمانیہ کے علماء کی تاریخ ہے اسے دیکھو۔اس میں تفصیلی ذکر ہے۔

شرح وقایہ کے مصنف کے استاد فوت ہوئے انہیں تین سال بعد یاد آیا کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے اجسام مبارک کو نہیں کھا سکتی۔تو

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث مبارک ہے علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں۔تو علماء کی لاش بھی محفوظ رہنی چاہیے۔تو انہوں نے تصدیق کرنے کے لیے دو سال بعد اپنے استاد کی قبر کھودی جب اینٹ ہٹائی تو دیکھا کہ جسم بمع کفن صحیح وسالم محفوظ پڑا ہے۔لیکن ساتھ ہی ایک سخت آواز نکلی۔ھل صدقت؟ اعمی اللّٰہ بصرت۔کہ تصدیق کرلی اب تجھے خدا اندھا کرے۔یہ الفاظ تھے اس آواز میں۔تو مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ شاگرد شرح دقایہ کے مصنف بقیہ ساری عمر نابینا رہے۔

حضرات انبیاءؑ کے اجسام مبارک بالقطع والیقین محفوظ ہیں اور ان کی روحیں مبارک زندہ ہیں۔اور معلوم ہوتا ہے کہ روح کا کفار سے کم تعلق ہوتا ہے اور پھر ان سے زیادہ تعلق روح کا صالحین کے ساتھ ہوتا ہے۔اسی طرح شہداء کے ساتھ صالحین سے زیادہ اور شہداء کی نسبت صدیقین سے روح کا تعلق زیادہ ہوتا ہے۔اور سب سے زیادہ تعلق روح کا حضرات انبیاءؑ سے ہوتا ہے۔

پیغمبرؑ کی وفات مبارک کے بعد ان کی کسی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔کیونکہ پیغمبرؑ زندہ ہیں اور زندہ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں۔

ہر آدمی کی میراث تقسیم ہوتی ہے۔مگر پیغمبروں کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ کیونکہ میراث مردہ کی تقسیم ہوتی ہے۔پیغمبرؑ کا ترکہ صدقہ ہے۔ماترکناہ فھو صدقة۔میراث مردوں کی تقسیم ہوتی ہے انبیاءؑ قبروں میں زندہ ہیں۔

باقی بات یہ رہ گئی کہ وہ زندگی کس قسم کی ہوتی ہے۔اتنی بات تو حق ہے کہ پیغمبرؑ قبور میں زندہ ہیں اور اس زندگی کا روح اور جسم دونوں سے تعلق ہے۔مگر عام

حالات میں اس زندگی پر پردہ ہے۔

یہ مثال دے چکا ہوں کہ لکڑی میں آگ ہے مگر نظر نہیں آتی۔ اسی طرح قبروں میں زندگی موجود ہے مگر ہمیں نظر نہیں آتی۔ یہ سب کچھ اللہ کی کسی خاص حکمت کے تحت ہے۔ ورنہ وہ دکھا سکنے پر قادر ہے۔ تو قبروں میں زندگی موجود ہے مگر کسی خاص حکمت کے تحت نظر نہیں آتی۔

حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم دفن ہوئے اور بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ دفن ہوئے تو میں اکثر دوپٹہ (مبارک) کھلا چھوڑ کر جاتی تھی۔ کیونکہ ایک خاوند اور ایک والد ہیں۔ مگر جب حضرت عمرؓ دفن ہوئے تو پھر پردے سے گئی۔ تو معلوم ہوگیا کہ حضرت صدیقہؓ نے قبر میں زندگی سمجھی تو پردے میں تشریف لے جاتی تھیں۔

لاہور میں تقریر کے دوران کسی نے ایک چٹ دیا کہ اسلام میں عورت کے پردہ کی کوئی بنیاد نہیں؟ میں نے اسے کہا مجھے بتادو کہ عورت کے ننگ و ناموس کی آپ کے ہاں کوئی قیمت ہے؟ خیر اس میں کچھ ایمان موجود تھا۔ کہا ہاں ہے۔ تو میں نے اسے کہا کہ عورت کے ننگ و ناموس کی حفاظت صرف پردہ سے ہے۔ میں نے بلے اور دودھ والی مثال دی۔ کہ گھر میں بلا ہو تو یا اسے رسی سے باندھو گے یا پھر دودھ پر ڈھکن کا پردہ دو گے حالانکہ یہاں میلان یکطرفہ ہے بلے کو دودھ پینے کی خواہش ہے دودھ کو خواہش نہیں کہ مجھے بلا پیئے۔ اور مرد و عورت میں تو دونوں طرف میلان ہے۔ تو یہاں پردہ بطریق اولیٰ ہونا چاہیے۔

خاص نکتہ: حضرت تھانویؒ کو کسی نے کہا کہ پردہ دار عورت بھی زنا کار ہوتی ہے۔ آپؒ نے فرمایا قسم بخدا اگر پردہ ہو تو زنا ہو نہیں سکتا۔ پردہ ہٹا تو زنا ہو گا۔ اس شخص نے کہا حضرتؒ بس اب مجھے سمجھ آ گئی ہے۔

بس ضروری کاروبار کے لیے پردہ نہیں مثلاً ہاتھ کی ہتھیلی اور آنکھ وغیرہ کیونکہ ان سے ہلکے پھلکے کام بھی تو کرنے ہیں۔ تو اللہ نے بھاری کام مرد کے ذمہ اور ہلکے کام عورت کے ذمہ رکھے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔

والذین یرمون المحصنٰت الغافلت المؤمنٰت ۔غفلت۔ میں اشارہ ہے کہ عورت کو دنیا سے غافل ہونا چاہیے۔ ایک کو روشن ضمیر اور ایک کو تاریک ضمیر ہونا پڑے گا۔ دو روشن ضمیر ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

درس نمبر ۳۴

اتوار۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۸ء

روح کا آخرت میں تعلق

کیف تکفرون باللّٰہ و کنتم امواتا ...... وھو بکل شئی علیم۔

اس سے پہلے درس میں بیان کیا تھا کہ مرنے کے بعد روح کو بدن کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق باقی رہتا ہے۔ جس کی آٹھ صورتیں بتلائی تھیں۔ بیداری، نینداور قبر میں علیحدہ علیحدہ درجہ بدرجہ تعلق ہے۔ اور تمام انبیاءؑ اپنے جسم اور روح دونوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور ذکر اللہ میں بھی مشغول ہیں۔

حدیث: **الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون** ۔ پیغمبرؑ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ گو عالم برزخ کی نماز کی شکل دنیاوی نماز کی طرح نہیں۔ یہ ایک عام عبادت ہے لیکن اس کا ہر مقام پر علیحدہ تعلق ہے۔

قرآن: **کل قد علم صلٰوته و تسبیحه**۔ کہ پوری کائنات نماز و تسبیح پڑھتی ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح نمازی کو نماز میں اللہ سے تعلق ہوتا ہے اسی طرح پوری کائنات کو اللہ سے ویسا تعلق ہوتا ہے۔ ساری کائنات نے پوری زندگی میں اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ پانی کو حکم ہے کہ بلندی سے پستی کو چلو۔ سورج کو حکم ہے کہ

مشرق سے نکلو اور مغرب میں ڈوبو۔ رات کو بھی حکم ہے کہ وقت پر آؤ وغیرہ۔ سب حکم مانتے ہیں صرف انسان نے حکم عدولی کی ہے۔ بعض اوقات خرقِ عادت حالت ظاہر بھی ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا جامیؒ عارف باللہ شخصیت تھی انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے صحیح معنوں میں عشق تھا۔ کئی حج پیدل کئے۔ بدعات نہ کی تھیں جس طرح آج کل ہیں۔ حج سے جب فارغ ہوتے تھے تو مدینے شریف سے روانگی کے وقت آپؒ کی عادت تھی کہ روضہ شریف، پر حاضر ہو کر روانگی کی رخصت مانگتے تھے۔ تو یہ جملہ عرض کرتے۔ ''یا سیدی وسندی بسفرے روم چہ فرمائی''۔ تو روضہ شریف سے فارسی میں جواب آتا تھا۔ ''بسفر رفتنت مبارکباد۔ بسفرے روی وباز آئی''۔ متعدد بار حج نصیب ہوا اور ہر مرتبہ واپسی کے وقت یہی جملہ عرض کرتے اور اندر سے بھی یہی جواب آتا۔ جب زندگی کا آخری حج آیا تو سوال کے بعد باقی جملہ تو اندر سے آیا مگر باز آئی کا لفظ نہ آیا۔ تو اسے حضرت جامیؒ نے معلوم کرلیا کہ وفات قریب ہے دوبارہ یہاں آنا نصیب نہ ہوگا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو کیا۔ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ برزخ میں ایک قسم کی زندگی عطا فرماتا ہے۔

اسکندریہ میں محقق ابن الہمام کا مزار ہے یہ ہدایہ کے شارح ہیں۔ ایک بزرگ ان کی مزار پر گئے۔ انہوں نے مزار پر بیٹھ کر سورۃ ھود پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ فمنهم شقي و سعيد۔ کہ بعض ان میں بد بخت اور بعض نیک بخت ہیں۔ تو قبر کے اندر سے جواب آیا۔ ليس فينا شقي۔ کہ ہم میں کوئی بد بخت نہیں۔ تو

معلوم ہوگیا کہ قبروں سے آواز نکلنے کے لیے زندگی شرط ہے۔ تو آج انسان کو اللہ پر توکل کم ہے اس لیے ہر چیز کی دلیل تلاش کی جاتی ہے۔

تو میں بیان کرتا ہوں کہ نیکوں کی روح چاہے کہ علیین میں ہوتی ہے مگر اس کا تعلق قبر کے اجزاء سے ہوتا ہے۔ دلیلیں تلاش کرنا یہ قدرت خداوندی سے لاعلمی کی وجہ ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ جو چیز آنکھ سے نظر آئے وہ طاقت کم رکھتی ہے۔ اور جو چیز لطف اور نورانی ہو نظر نہ آتی ہو وہ زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ قوۃ ملک کقوۃ ثقلین۔

ملائکہ کی قوت کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت لوطؑ کی قوم کے ۱۶ لاکھ آبادی کے چار شہروں کو ایک فرشتے نے آنکھ جھپکنے میں الٹا کر رکھ دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو کہ وہ کتنی عظیم قوت کا مالک ہے۔

اسی طرح روح بھی لطیف چیز ہے جو اپنی جگہ رہ کر بدن سے ایک تعلق قائم رکھتی ہے جس سے دکھ اور سکھ معلوم ہوتا ہے۔

ہر درخت کی جڑیں نیچے جا رہی ہیں اور شاخیں اوپر۔ جدید سائنس نے لکھا ہے کہ ستاروں میں ایک کشش ہے جو ہرا گنے والی اشیاء کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ تو یہ ستارے ہماری زمین سے سینکڑوں اربوں میل دور ہیں لیکن اللہ نے اتنی دوری کے باوجود بھی ان میں اثر رکھا ہے کہ وہ پودوں کی شاخوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

سمندر کا پانی چاند کی ۱۴ تاریخ تک پھیلتا ہے اور ۱۴ کے بعد گھٹنے لگتا ہے۔ اس کا پھیلنا اور سکڑنا چاند پر منحصر ہے۔ اللہ نے یہ طاقت چاند کو دی۔ یہ چاند بھی زمین سے جدید سائنس کے مطابق دو ہزار میل سے زائد دور ہے۔

سورج زمین سے ۹ کروڑ چالیس لاکھ میل دور ہے مگر یہ میوے اور غلے پکاتا ہے۔رنگ دیتا ہے۔گرمی پہنچاتا ہے۔تو وہ اللہ جو ان اشیاء کو یہ قوت عطا کرسکتا ہے وہ روح کو یہ طاقت نہیں دے سکتا کہ بدن کو برزخ میں عذاب وثواب کا اثر ہو؟ یہ روح ان مادی اشیاء، ستارے، چانداور سورج سے زیادہ لطیف اور قوی ہے اسکے لیے تو (یہ معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا) یعنی قوت اور لطافت کی وجہ سے وہ بآسانی بدن سے تعلق قائم کرسکتا ہے۔

آٹھویں چیز روح کا آخرت میں تعلق۔تو آخرت میں اللہ تعالیٰ روح کو ایسی قوت بخشے گا کہ بدن کے پھر تغیرات ختم ہو جائیں گے۔وہاں بڑھاپا نہیں آئے گا کیونکہ روح کا تعلق قوی ہوگا۔یہاں روح کا تعلق کمزور ہے اس لیے بڑھاپا آتا ہے۔ وہاں مرض بیماری اور موت نہ آئے گی۔تو وہاں آخرت میں دوام ہوگا فنا نہ ہوگی۔اس لیے موت کے بارے میں حضرت تھانویؒ کا مقولہ ہے کہ مومن قبر کے لیے ایسی خوشی منائے جیسے دولہا دولہن کے لیے خوشی کرتا ہے۔اللہ والے موت سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ دنیا کے غم کدہ سے چلے گئے۔

قبر میں آدمی اس لیے گھبراتا ہے کہ وہاں کوئی جان پہچان نہیں۔تو اس کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ختم قرآن کے بعد یہ دعا فرمائی۔اللھم انس وحشتی فی قبری بالقرآن۔یہ دعاء ہر قرآن کے آخر میں چھپی ہوئی ہے۔اس کے پڑھنے سے قبر میں قرآن ایسے چہرے سے نمودار ہوگا کہ تم مسرور ہو جاؤ گے۔اور جنت کے حاصل ہونے تک ساتھ رہے گا۔

قرآن کے چند حقوق ہیں:۔حدیث شریف میں ہے کہ سب سے بڑھ کر شفاعت قرآن کی ہوگی۔زبان پر حق ہے قرآن کا کہ تلاوت کرے اور صحیح تلاوت کرے۔اگر ناظرہ پڑھتا ہو تو قرآن کا حق ہے کہ نظر لفظوں پر پڑی رہے۔ایسی صورت میں ڈبل ثواب ہے۔دیکھنے کا ثواب علیحدہ اور پڑھنے کا علیحدہ۔اور دماغ پر قرآن کا یہ حق ہے کہ آدمی اس تصور سے پڑھے کہ رب العالمین سامنے ہے اور میں انہیں سنا رہا ہوں۔ ''اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا تو پھر یہ تصور ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے''۔دماغ پر قرآن کا دوسرا حق یہ ہے کہ مطالب و معانی پر بھی غور کرے۔حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے۔**ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**۔فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد مطالب و تفاسیر ہیں۔اگر آدمی کو ایک آیت کا بھی مطلب معلوم ہو تو وہ تو خیر کثیر لے گیا۔تو ایسا آدمی جہنم میں کیسے جائے گا؟

قرآن کا بدن کے تمام اعضاء پر یہ حق ہے کہ اعضاء قرآن پر عمل کریں۔اگر قرآن معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل نہ کیا تو پھر گناہ ہوگا۔

باقی قرآن کے سننے والوں پر بھی کچھ حقوق ہیں۔مثلاً قاری صاحب قرآن تلاوت کر رہے ہوں یا کوئی مدرس درس قرآن دے رہا ہو تو اس وقت سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خاموشی سے سنے۔باتیں کرنا تو درکنار دیگر کوئی وظیفہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں اگر پڑھے گا تو گناہگار ہوگا۔مثلاً قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو یا قرآن کا درس ہو رہا ہو تو اس دوران کوئی شخص **لا الٰہ اللّٰہ** کا ورد کرے یا درود شریف وغیرہ پڑھے تو گناہ ہے۔بس اس وقت صرف قرآن شریف سنے جو خدا کا آرڈر اور حکم

ہے۔اور قرآن سنتے وقت سلام کا جواب دینا اور نفلی نماز پڑھنا بھی گناہ ہے۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔اور جب قرآن کی تلاوت ہورہی ہو تو تم اسے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحمت ہو۔

اگر رحمت کی طلب ہے تو میرے قرآن کی تلاوت کے وقت زبان روک لو کوئی وظیفہ نہ پڑھو۔اس سے معلوم ہوا کہ نیکی اپنی طرف سے مت بناؤ۔اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پوچھو کہ نیکی کونسی ہے۔نماز کتنی عمدہ عبادت ہے مگر سورج ڈوبنے، نکلنے اور جب سر پر ہو تو ان اوقات میں نماز کی ادائیگی میں گناہ ہوگا۔عید کے دن روزہ رکھا تو گناہگار۔اگر پہلے قعدہ میں بھول کر درود شریف پڑھے تو سجدہ سہو اور اگر جان بوجھ کر پڑھا تو گناہگار ہوگا۔تو معلوم ہوگیا کہ نیکی کی بھی حد بندی ہے۔خود مت بناؤ (وہ بدعت ہوگی)

قرآن میں اہم مسئلے ذکر ہیں۔قرآن میں طوالت نہیں۔اور اس کی تشریح حدیث پاک میں کردی گئی۔ جبرائیلؑ جب آیت لے کر آتے تو جب پڑھتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ساتھ ساتھ پڑھتے تھے تا کہ کہیں بھول نہ جاؤں اور یادرہے۔

دیکھو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم جیسی عظیم ہستی قرآن جلدی تلاوت کرے اور وہ نیک نیتی سے تھی کہ یاد کرلوں کہیں بھول نہ جائے۔مگر خدا تعالیٰ کو یہ بھی ناگوار گذرا۔تو فرمایا۔

لاتحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه ۔ سنقرئک فلا تنسیٰ۔

ترجمہ: تم جبرائیل کے ساتھ زبان مت ہلاؤ۔ کہ بھولے گا نہیں۔ وہ ہمارے ذمہ ہے۔ بس سنو! بھولے گا نہیں یہ انتظام ہم نے خود کر دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے درس یا تلاوت کے وقت سننے والے صرف قرآن کی طرف خیال رکھیں اور کسی وظیفے وغیرہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

سنو! قرآن کا سننا واجب اور نفل نماز مستحب ہے۔ تو قرآن کو سن کر واجب کو ادا کرو۔ یہ قرآن کے آداب ہیں۔

حضرات انبیاءؑ کی قبور میں حیات: حضرت امام مالکؒ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک آدمی اونچی آواز میں بول رہا تھا تو اشارے سے فرمایا پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام زندہ ہیں۔ بے ادب اونچا نہ بولو۔

یاایها الذین امنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجهر واله بالقول کجهر بعضکم لبعضٍ ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور اس سے سخت لہجے میں بات نہ کرو جس طرح آپس میں کرتے ہو۔ ورنہ تمہارے اعمال ضبط کر لیے جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ ہوگا۔

تو پیغمبر علیہ السلام سے یا محمد (ﷺ) پکار کر خطاب نہ کرو اس کی اجازت نہیں۔ یہ گستاخی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ یا نبی اللہ ﷺ، یا سیدی ﷺ یا مولای ﷺ وغیرہ سے پکارنے کی اجازت ہے۔

تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ روضہ اطہر پر آ کر دبی آواز سے بات کیا کرو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم زندہ ہیں۔ صرف قبر کا پردہ ہے۔

تنویر الحوالک۔ یہ مؤطا امام مالکؒ کی شرح ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے ساری عمر مدینہ شریف کی حدود میں پیشاب نہیں کیا۔ کئی میل دور جا کر کرتے تھے۔ اور پاخانہ بھی کسی ڈول میں کرتے اور چند دنوں بعد اسے جدہ کے سمندر میں پھینکوا دیتے۔ آپؒ نے یہ عمل ساری عمر کیا جب آپ کی عمر ۹۰ برس کو پہنچی تو بھی یہ عمل جاری رہا۔ فرمایا کرتے تھے کہ گو شرعاً اجازت ہے۔ مگر ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔

آج میں مسئلہ بتلاتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ورغلانے والے ورغلاتے ہیں۔ مگر ہم اس مسئلہ کے دلائل کے ذمہ دار ہیں۔

وہ مسئلہ یہ ہے کہ تمام علماء دیوبند اور اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جس مٹی سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قدم مبارک یا ہاتھ مبارک لگ گیا۔ وہ مٹی خانہ کعبہ اور خود عرشِ خدا سے افضل ہے۔ وفاء الوفاء وغیرہ میں ہے۔

اب تم علماء دیوبند کو جو کچھ سمجھو۔ سمجھو۔ اسی عقیدہ پر زندہ ہیں اور اسی پر موت آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ کتا ہوتا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں ہوتا۔ تا کہ آپ ﷺ کا دیدار ہو جاتا۔ باقی روٹی کے لیے مسئلے گھڑنا یہ بری بات ہے۔ اللہ نے نماز کے اندر قرآن تلاوت اور رکوع وغیرہ کی تسبیحات قیام کی صورت میں رکھی ہیں اور درود شریف کو التحیات میں بیٹھنے کی صورت میں رکھا ہے۔ کیا خدا کو پتہ نہ تھا کہ دورد وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے وہ کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم دیدیتا؟

کیا ہم زیادہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں یا صحابہ کرامؓ؟ تابعی، تبع تابعی یا کسی بزرگان دین سے کسی ایک نے درود وسلام کھڑے ہو کر کیا ہو تو بتاؤ ہم آج کر دیتے ہیں۔ تمام علماء دیوبند حدیث پڑھاتے ہیں ہر حدیث پاک میں آپ ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ دورد پاک پڑھتے ہیں۔ بس نیکی وہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمائی ہو۔ من گھڑت نیکیوں کی خدا کے ہاں اور رسول خدا ﷺ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے لیے مدینہ طیبہ سے ایک آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سلام لایا دیکھا کہ آپؒ مولانا صاحب سنت کی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ اس وقت آپؒ مسجد سے نکل رہے تھے تو سنت کے مطابق پاؤں نکالتے دیکھا تو اس آدمی نے آپ کو بلا کر سلام دیئے تو مولاناؒ نے پوچھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے میرے نام کے ساتھ مولوی بھی فرمایا تھا؟ اس نے کہا ہاں۔ تو آپؒ خوشی سے رونے لگے۔

علماء دیوبند اگر انگریز کے خلاف جنگ نہ کرتے تو وہ وھابی نہ پکارے جاتے۔غلام رسولؒ مہر اپنی تاریخ کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں سب سے پہلے سر ولیم نے پھوٹ ڈالنے کے لیے یہ لفظ نکالا ہے۔

حیات انبیاءؑ پر۔انباء الأزکیاء فی حیوۃ الانبیاء۔یہ مستقل کتاب لکھی گئی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ ہیں۔اب اگر کوئی مرزا قادیانی کو باپ بنائے تو یہ انسانی شرف اور غیرت کے خلاف ہے۔